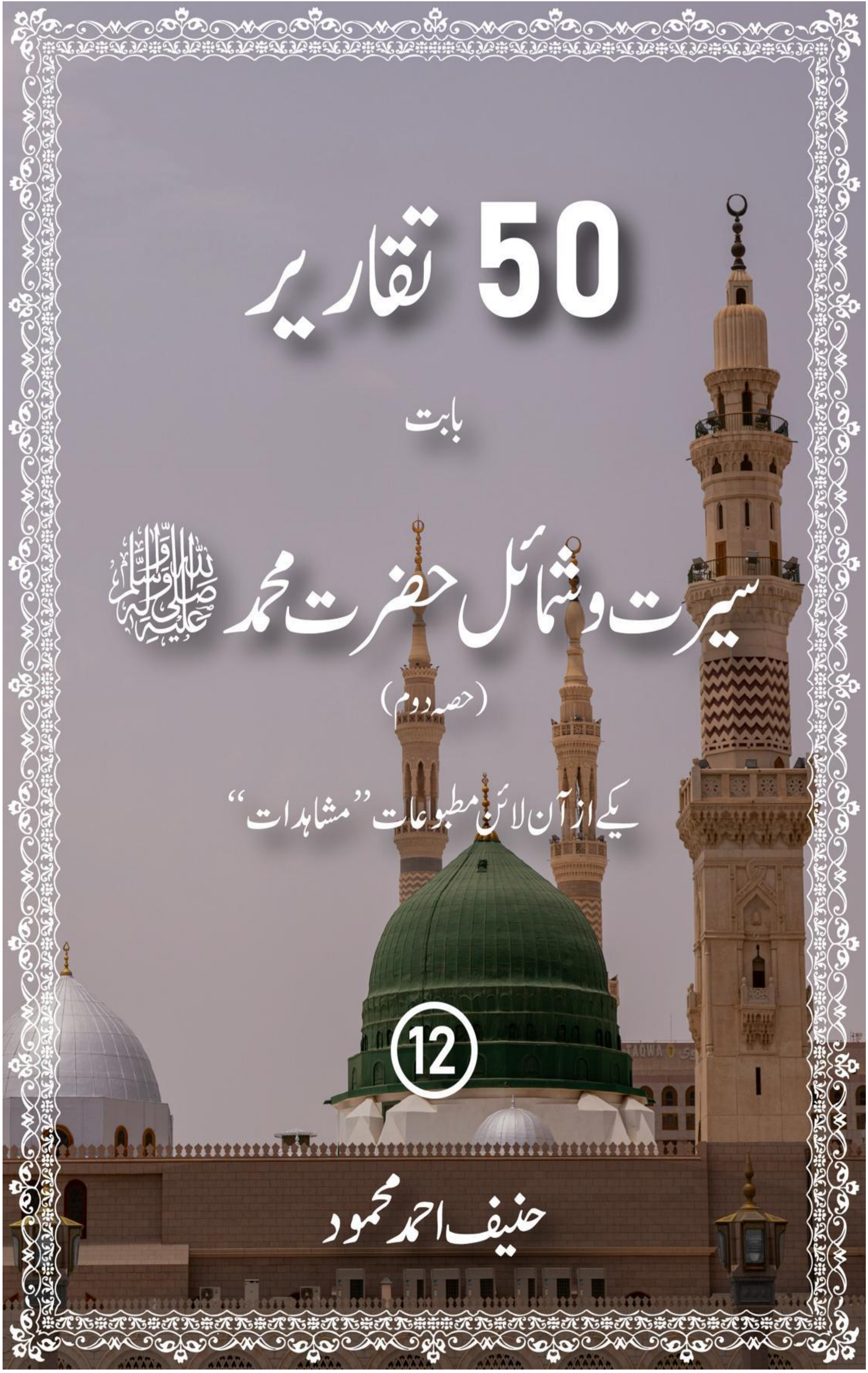

50 تقاریر

بابت

سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ

(حصہ دوم)

یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''

12

حنیف احمد محمود

اُنْظُرْ اِلَیَّ بِرَحْمَةٍ وَ تَحَنُّن

یَا سَیِّدِیْ اَنَا اَحْقَرُ الغِلْمَان

یَارَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّكَ دَائِمًا

فِیْ هٰذِهٖ الدُّنْیَا وَ بَعْثِ ثَانٍ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَ غَمِّهٖ وَ

حُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ اَنْزِلْ عَلَیْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَی الْاَبَدِ

50 تقاریر

بابت

سیرت وشمائل حضرت محمد ﷺ

(حصہ دوم)

12

حنیف احمد محمود

رابطہ کرنے کے لیے

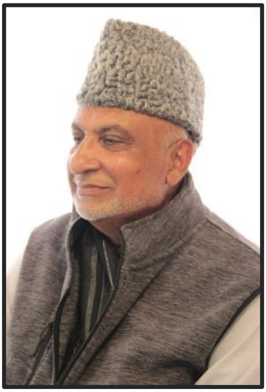

ای میل ایڈریس: hanifahmadmahmood@hotmail.com

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

پیشِ لفظ

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مضامین اور تقاریر کے پروگرام بنائے جائیں“

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کے خصائل و شمائل پر دنیا بھر میں انگنت کتب، لاتعداد مضامین اور مقالہ جات کی صورت میں مواد ہونے کے باوجود ایک سیرت نگار کو آپؐ کی سیرت و سوانح پر قلم کشائی کرنے میں قدرے دقت محسوس ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک عظیم الشان انسانؐ جو ساری دنیا کے لیے نجات دہندہ ٹھہرا اور خاتَمُ الانبیاء کہلایا کی سیرت نگاری کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہے یہ کام بہت مبارک اور سعادت مندی کا باعث۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اُن خوش نصیب لوگوں میں شامل کر رکھا ہے جن کو آنحضورؐ کی سیرت و شمائل پر قلم اٹھانے کی توفیق ملی۔ کتابی صورت میں سب سے پہلے جامعہ احمدیہ میں شاہد کے لیے ”سرایا“ سن 5 ہجری تک تاریخ اسلام لکھنے کا موقع ملا یعنی ایسی جنگیں اور معرکے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے دفاع کے لیے بھجوائے مگر آپؐ خود ان معرکوں میں شامل نہیں ہوئے۔ ان سرایا کی تاریخ مدّون کرنے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا نہ صرف مطالعہ کرنے کا موقع ملا بلکہ آپؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو لکھنے کی توفیق بھی ملی۔ خاکسار کے مقالہ کے ممتحن جناب مولانا دوست محمد شاہد صاحب مرحوم مؤرخ احمدیت نے خاکسار کا انٹرویو لینے کے بعد خاکسار کے تمام کلاس فیلوز کے سامنے اپنے خطاب میں خاکسار کی محنت اور تحقیق کو سراہا۔ الحمد للہ علی ذالك

پھر سیرت نگاری کی دوسری سعادت مجھے قائد اشاعت مجلس انصار اللہ پاکستان کی حیثیت سے توہین رسالت پر اسلام احمدیت کی تعلیمات اور افکار کو جمع کرنے پر ملی جو 488 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا نام ہے ”ناموس رسالتؐ پر حملوں کا دفاع (تاریخ احمدیت کے آئینہ میں)“۔ خاکسار کی اس تحقیق نے بھی خاصی شہرت پائی اور نام نہاد مولویوں کی طرف سے بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا نیز قائد تربیت کی حیثیت سے بہت سے بروشرز اور پمفلٹس بھی سیرت رسولؐ پر لکھنے کی توفیق ملی۔ جیسے آداب معاشرت۔

تیسرے نمبر پر سیرت رسولؐ کے سلسلہ میں خاکسار اپنی جن خدمات کا ذکر کر سکتا ہے وہ خاکسار کی 34 مطبوعہ کتب میں سے کئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے گرد ہی گھومتی ہیں۔ اس امر کا اظہار کرنے میں نہ صرف مجھے خوشی محسوس ہو رہی ہے بلکہ اپنے اللہ کا شکر گزار بھی ہوں کہ ایڈیٹر روزنامہ الفضل آن لائن لندن کی حیثیت سے الفضل میں مطبوعہ مضامین پر مختلف عناوین پر جو کتب مدّون کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ سے خاکسار نے پائی۔ ان میں سے درج ذیل کتب سیرت رسولؐ پر ہیں۔

1۔ ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام

2۔ قرآنی انبیاء

3۔ واقعہ افک

اور اب سال بھر سے زائد عرصہ میں مختلف عناوین پر تقاریر لکھنے اور ویب سائٹ

www.mushahedat.com

پر لوڈ کرنے کی توفیق مل رہی ہے اور اب تک کی 550 تقاریر میں 89 تقاریر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر ہیں۔ جن میں سے 39 تقاریر کو گزشتہ سال ربیع الاول 1445ھ کے موقع پر سیرت وشمائل محمد ﷺ کے نام سے کتابی شکل دی گئی۔ اب اِس سال مزید 50 تقاریر سیرت وشمائل محمد ﷺ کے نام سے حصہ دوم کی صورت میں ہدیہ قارئین کی جارہی ہیں۔ دیگر بیسیوں مضامین جو الفضل اور پاکستان کے نیشنل اخبارات و جرائد میں طبع ہوئے وہ اِن کے علاوہ ہیں۔ جن میں مرتد کی سزا اور اہانتِ رسول کے طویل مضامین شامل ہیں۔

پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر مضمون، تقریر یا کتاب تحریر کرتے وقت ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتے ہی درود بھیجنے کا موقع میسر آتا ہے جبکہ دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کرنے کا بھی موقع ساتھ ساتھ ملتا رہتا ہے نیز کثرت سے استغفار کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ میرے اِس مشاہدہ کی تائید خاکسار کے مضامین اور تقاریر کو کمپوز اور فائنل کرنے والے دوست و خواتین کرتے ہیں جیسے مسز عائشہ چوہدری اور زاہد محمود نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔ آج اگر امتِ محمدیہ نے اِس مبارک حربے سے فائدہ اٹھایا ہوتا تو کبھی بھی امت محمدیہ

کی یہ دِگرگُوں کیفیت نہ ہوتی جس حال میں وہ آج ہیں اور اُن کی اِس حالت پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زمانہ کی بے شمار پیشگوئیاں پوری ہو رہی ہیں۔ جیسے فرمایا کہ

”عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس زمانہ کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہوں گے۔ ان ہی سے فتنے اٹھیں گے اور ان میں ہی لوٹ جائیں گے یعنی تمام خرابیوں کا وہی سرچشمہ ہوں گے۔“

(مشکوۃ کتاب العلم الفصل الثالث)

آج اسلام ہمیں مغربی اقوام میں نظر آتا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اگر مسلمان دیکھنے ہوں تو اسلامی ممالک کا رخ کرو اور اگر اسلام دیکھنا ہو یا اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے دیکھنے ہوں تو مغربی ممالک کا دورہ کرو۔ کسی کی تحقیق کے مطابق سب سے زیادہ اسلام پر عمل کرنے والا ملک نیوزی لینڈ ہے جس کے بعد آئر لینڈ ہے، اس کے بعد آئس لینڈ پھر فن لینڈ۔ ڈنمارک چھٹے اور کینیڈا ساتویں نمبر پر ہے۔ ملائشیا 38 ویں، کویت 48 ویں اور بحرین 64 ویں نمبر پر آتا ہے اور حیران کن طور پر سعودی عرب 131 ویں نمبر پر ہے۔ بنگلہ دیش کی پوزیشن سعودیوں سے بھی نیچے ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان نماز، روزہ، سنت، قرآن، حدیث، حجاب، داڑھی اور لباس کے بارے میں بہت محتاط ہیں لیکن ریاستی، سماجی پیشہ وارانہ زندگی میں اسلام کے قوانین پر عمل نہیں کرتے۔ مسلمان دنیا میں کسی سے بھی زیادہ مذہبی خطبات، وعظ، نصیحتیں سنتے ہیں لیکن کوئی بھی مسلمان ملک دنیا کا بہترین ملک نہیں بن سکا۔۔۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ایک غیرت مند چینی تاجر نے کہا ہے کہ مسلمان تاجر ہمارے پاس دو نمبر کی جعلی چیزیں بنانے کا آرڈر لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مشہور کمپنی کا لیبل لگا دو اور جب ان سے کہا جاتا کہ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ حلال نہیں ہے اور ایک جاپانی نو مسلم نے کہا کہ میں مغربی ممالک میں غیر مسلمانوں کو اسلام کے اصولوں پر چلتے ہوئے دیکھتا ہوں اور مشرقی ممالک میں اسلام کو دیکھتا ہوں لیکن مسلمان نہیں ہے۔ اسلام صرف نماز، روزہ نہیں بلکہ یہ زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے اور دوسروں کے ساتھ رابطے اور رفاقت کا معاملہ ہے۔

لہذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیم اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو عام کیا جائے اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "**آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں مضامین اور تقاریر کے پروگرام بنائے جائیں**" کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان 50 تقاریر کو کتابی شکل دی جارہی ہے تا زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجلاسات اور میٹنگز میں اُجاگر کر کے اِن صفات کو خود بھی اپنایا جائے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی دعوت دی جائے۔

ان تقاریر کی تیاری اور کمپوز کر کے مدوّن کرنے میں جرمنی سے مکرمہ عائشہ منصور چوہدری کا بہت ہاتھ ہے۔ پھر مکرم زاہد محمود نے اسے روزانہ پی ڈی ایف کی شکل میں تیار کرنے اور بعد میں کتابی شکل دینے میں تعاون فرمایا اور مکرم عامر محمود آف شیفیلڈ یوکے اور مکرم سعید الدین احمد آف برطانیہ نے ویب سائٹ پر اپلوڈ کرنے میں تعاون فرمایا۔ ان کے علاوہ مکرم منہاس محمود۔ جرمنی، مکرم سلمان طارق خان، مکرمہ عطیۃ العلیم۔ ہالینڈ اور مکرمہ حُبَۃُ الکریم۔ لندن کا تعاون بھی حاصل رہا۔ اس کے علاوہ جن احباب کے مضامین یا کتب سے تقاریر تیار کرتے ہوئے مدد لی گئی وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ نیز اِس مبارک تقاریر کی تیاری میں شمائل النبیؐ از نور فانڈیشن، حدیقۃ الصالحین از استاذی المحترم حضرت ملک سیف الرحمن مرحوم، سیرت خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم از حضرت مرزا بشیر احمدؓ اور اُسوہ انسانِ کامل از مکرم حافظ مظفر احمد سے مواد لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو احسن جزاء عطا فرمائے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا و الآخرۃ و کان اللہ معھم و ایدھم بنصرہ۔ آمین

"مشاہدات" کی یہ بارہویں کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھانے کا موجب ہو۔ آمین۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

مشاہدات سے متعلق موصول ہونے والے پیغامات اور تبصروں میں سے چند ایک ہدیہ تشکّر کے طور پر پیش ہیں۔

☆ملک قیصر محمود صاحب تحریر کرتے ہیں کہ

"خاکسار آپ کا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہے کہ آپ کی تقاریر ہمیں فیلڈ میں بہت کام آتی ہیں۔ لجنہ، خدام، اطفال، انصار کے اجتماعات کے موقع پر آپ اپنی تقاریر کے ذریعہ ہمارے پروگرامز میں شامل ہوتے ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ خاص طور پر محرم الحرام کے حوالہ سے آپ کی کاوش قابل ستائش ہے اور علمی دبستان میں ایک مفید اضافہ ہے۔"

☆طاہرہ فرخ صاحبہ نے پیغام بھجوایا کہ

"میں ہر روز بلا ناغہ مشاہدات پڑھتی ہوں اس سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔ جزاکم اللہ واحسن الجزاء"

☆ حُبَۃُ الکریم صاحبہ یوکے نے مشاہدات میں سے ایک تحریر کے متعلق لکھتی ہیں:

"آپ کا یہ مضمون بہت پیارا لگا۔ بہت سی نئی باتیں سیکھنے کو ملیں۔ کیا مَیں اِسے اپنی آواز میں ریکارڈ کر سکتی ہوں"

☆لطیف احمد شیخ صاحب آف لندن نے مشاہدات سے متعلق اپنے پیغام میں لکھا کہ

"ماشاءاللہ بہت زبردست اور بہت اعلیٰ علم کا خزانہ ہے۔ ایک مرتبہ اس خزانے کو کھول لیں تو بند کرنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ ایک سے دوسرے عنوان پر چلتے چلے جانے میں وقت کا بھی احساس نہیں رہتا ... اللہ تعالیٰ آپ کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین"

آپ تمام قارئین کی دعاؤں اور حوصلہ افزائی کا شکریہ۔ جزاکم اللہ خیرا۔ کان اللہ معکم

خاکسار

حنیف احمد محمود۔ برطانیہ

(سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل آن لائن لندن)

07 ستمبر 2024ء

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

تقاریر کے حوالے سے چند باتیں

1. خاکسار نے جو تقاریر تیار کیں وہ سات سے آٹھ منٹ دورانیہ کی ہیں اس میں نیت یہ تھی کہ جماعتی و ذیلی تنظیموں کے تربیتی و تبلیغی اجلاسات میں پڑھی جاسکیں۔

2. جہاں تک مقابلہ جات کی تقاریر کا تعلق ہے ان میں ان تقاریر کو ذرا مختصر کرکے حسب پروگرام کی جاسکتی ہیں کیونکہ چھوٹی تحریر کو بڑا کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے جبکہ بڑی یا لمبی تحریر بآسانی مختصر کی جاسکتی ہے۔

3. بعض دوست جب کسی عنوان کے تحت تقریر کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کو وہ تقریر عنوان کی قدرے تبدیلی سے جب بھجوائی جاتی ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ وہ عنوان تو نہیں ہے جبکہ عنوان تبدیل کرکے اگر وہی تقریر کردی جائے تو وہ عین درست ہوتا ہے جیسے آنحضورؐ کا عفو کا مقام اور آنحضورؐ اور غصہ نہ کرنے کی تعلیم۔

4. تقریر کرتے وقت صاحب صدر یا سامعین کو مخاطب کرتے موقع و محل کو مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ صاحب تحریر کے مدنظر بھائی اور بہنیں دونوں ہوتی ہیں۔ اس طرح مخاطب ضمیر بھی بدل جائے گی۔

5. اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تقریر خود تیار کرنے کی کوشش کیا کریں۔ اس سے کتب بینی کا بھی موقع میسر آتا ہے۔ مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ کی بھی توفیق ملتی ہے۔ عنوان کو ذہن میں رکھ کر درود شریف اور دعائے قرآنیہ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ بار بار پڑھیں۔ اپنے خدا سے مدد مانگیں اور اگر ممکن ہو تو صدقہ بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ مضمون سلجھا دے گا اور تقریر لکھنے میں الٰہی مدد و نصرت بھی ملے گی۔

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات" پر مشتمل تقاریر

1۔ جماعت احمدیہ و ذیلی تنظیموں کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں

2۔ تقاریر سیرت و شمائل محمد ﷺ

3۔ 100 تقاریر برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ بر موقع صد سالہ جوبلی

4۔ 52 علامات 52 تقاریر بابت پیشگوئی مصلح موعود

5۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ

6۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک

7۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت (حصہ اول)

8۔ 25 تقاریر بابت انفاق فی سبیل اللہ

9۔ 65 تقاریر برائے انصار اللہ

10۔ 20 تقاریر بابت محرم الحرام

11۔ 25 تقاریر بابت اہل بیت رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ

12۔ 50 تقاریر بابت سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ (حصہ دوم)

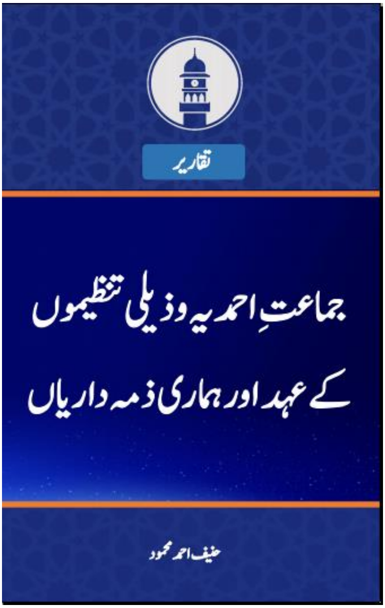
تقاریر
جماعتِ احمدیہ و ذیلی تنظیموں
کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں
حنیف احمد محمود

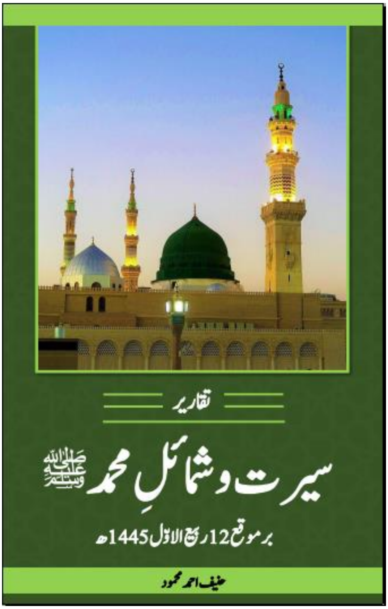
تقاریر
سیرت و شمائلِ محمد ﷺ
بر موقع 12 ربیع الاوّل 1445ھ
حنیف احمد محمود

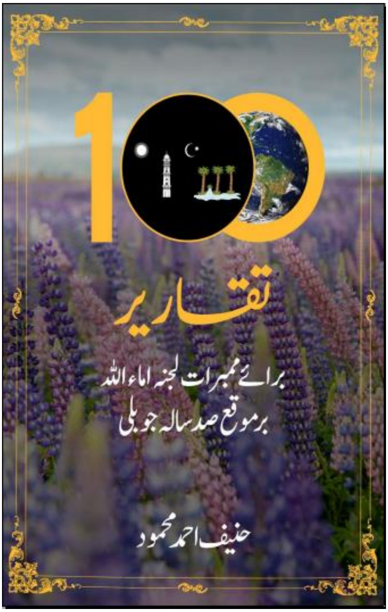
100
تقاریر
برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ
بر موقع صد سالہ جوبلی
حنیف احمد محمود

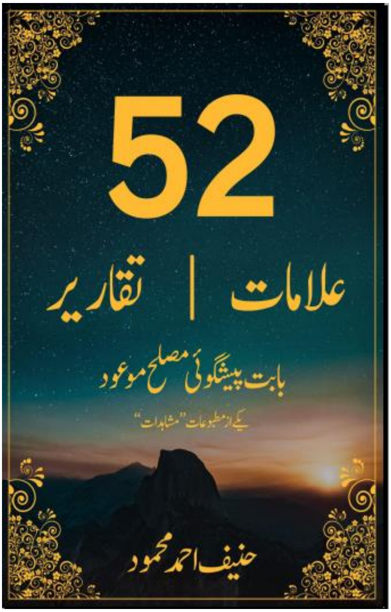
52
علامات | تقاریر
بابت پیشگوئی مصلح موعود
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
حنیف احمد محمود

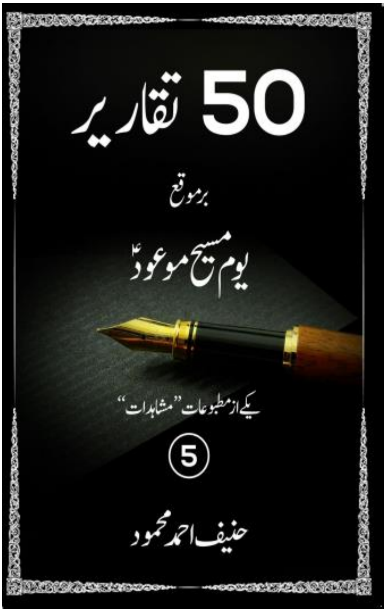
50 تقاریر
برموقع
یوم مسیح موعودؑ
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
5
حنیف احمد محمود

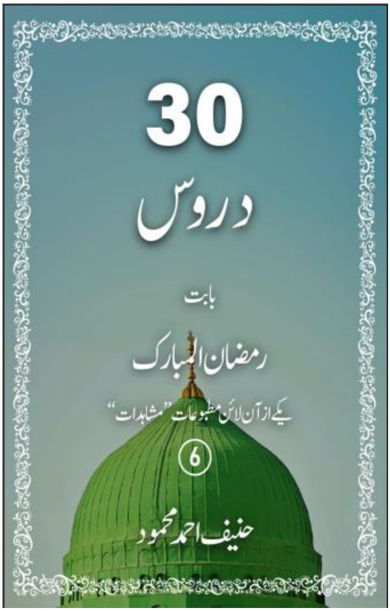
30
دروس
بابت
رمضان المبارک
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
6
حنیف احمد محمود

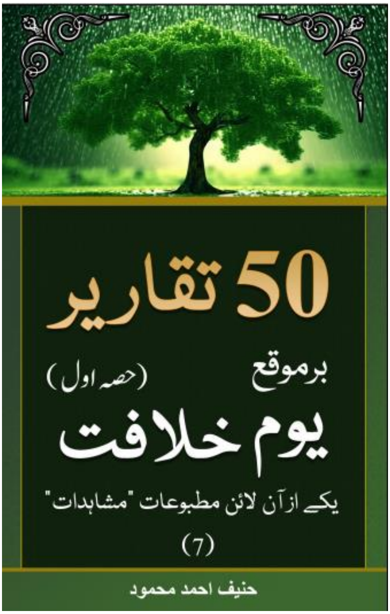
50 تقاریر
برموقع
(حصہ اول)
یوم خلافت
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
(7)
حنیف احمد محمود

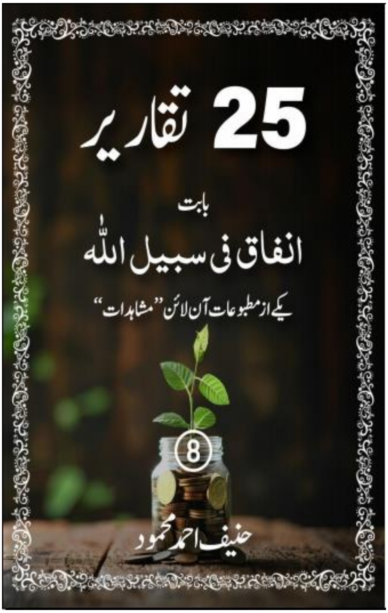
25 تقاریر
بابت
انفاق فی سبیل اللہ
یکے از مطبوعات آن لائن "مشاہدات"
8
حنیف احمد محمود

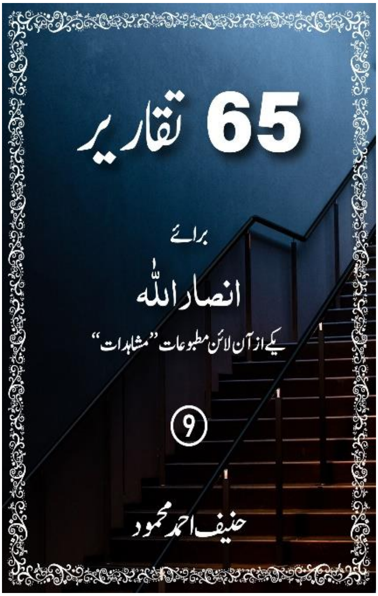
65 تقاریر
برائے
انصار اللہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
9
حنیف احمد محمود

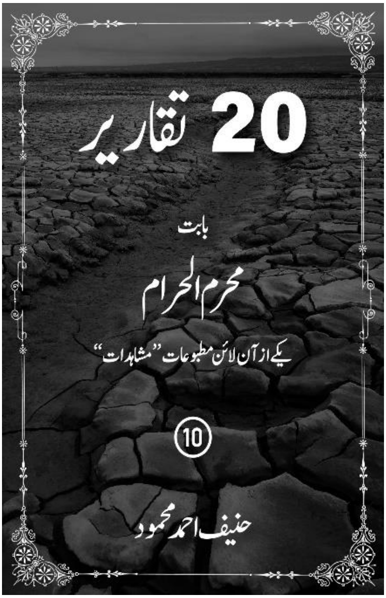
20 تقاریر
بابت
محرم الحرام
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
10
حنیف احمد محمود

25 تقاریر
بابت
اہلِ بیتِ رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
11
حنیف احمد محمود

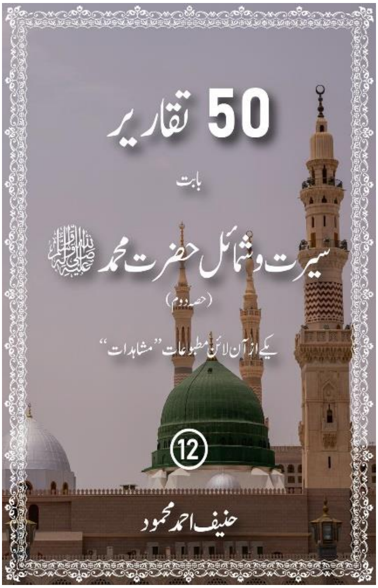
50 تقاریر
بابت
سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ
(حصہ دوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
12
حنیف احمد محمود

50 تقاریر

برائے

خدام الاحمدیہ

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

13

(زیرِ تعمیر)

حنیف احمد محمود

محفوظ قلعے میں داخل ہونے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ
23/ اگست 2024ء میں یہ تحریک فرمائی کہ

بڑی عمر کے افراد 200 مرتبہ، 15 سے 25 سال کے افراد 100 مرتبہ یہ
دعائیں پڑھیں اور چھوٹے بچوں سے والدین 3، 4 دفعہ دہرائیں۔

1۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّآلِ مُحَمَّدٍ

2۔ أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَیْہِ
100 دفعہ ورد کریں۔

3۔ رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ
100 دفعہ ورد کریں۔

(ادارہ "مشاہدات" برطانیہ)

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

انڈیکس

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	514	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب	1
2	515	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب	7
3	306	اُسوہ رسولؐ، ہمارے لئے بہترین نمونہ	13
4	535	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق	21
5	488	اسلام، محمد رسول اللہؐ کا مدرسہ ہے (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)	29
6	516	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خشیتِ الٰہی	37
7	532	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قدوسیت کا مظہرِ اتم (حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)	46
8	527	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم	55
9	164	عَشِقَ مُحمدٌ رَبَّہٗ	61
10	517	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن اور روزمرہ کے معمولات	71
11	513	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کھانے اور تناول کرنے کے آداب	81
12	519	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قناعت وسادگی	87
13	518	حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور قناعت (ازروئے افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ)	96
14	510	آنحضورؐ مہمان نوازی اور تواضع کے اخلاق کے آئینہ میں	105
15	520	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلوق سے ہمدردی	114
16	521	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مُخلص دوست	120
17	507	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں سے حسنِ سلوک	130

18	508	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگی قیدیوں سے حسنِ سلوک	139
19	522	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت تاجر	148
20	524	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ مزاح	159
21	525	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و استقلال	167
22	528	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور ماہر نفسیات	176
23	529	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل و فضائل اور عظمتیں (قرآن کریم کی روشنی میں)	187
24	530	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت منتظم	193
25	531	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک عظیم قائد	201
26	308	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تبلیغ، ہمارے لئے مشعلِ راہ	209
27	270	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی الی اللہ (مکّی دور)	223
28	271	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی الی اللہ (مدنی دور)	247
29	523	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلمِ انسانیت	264
30	180	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے تناظر میں حضور ایدہ اللہ کی احمدی عورتوں کو نصائح	271
31	526	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا، کشوف اور پیشگوئیاں	286
32	305	خطبہ حجۃ الوداع۔ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ	296
33	310	واقعہ معراج اور اسراء کی حقیقت	305
34	238	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جَوَامِعُ الکَلِم	318
35	431	امثال الحدیث (تقریر نمبر 1)	332
36	432	امثال الاحادیث (تقریر نمبر 2)	341
37	490	چھوٹی چیزیں، بڑے نتائج (احادیث کی روشنی میں)	351

38	202	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سسرالی رشتہ داروں سے حسن سلوک	358
39	189	حضرت فاطمہ اور حضرت علی کی شادی کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے تناظر میں شادی بیاہ کے متعلق چند اسلامی تعلیمات	370
40	251	رحمۃ للعالمینؐ اور عالَمِ اَطفال	383
41	159	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدین کو بچوں سے دوستانہ تعلق کی تعلیم	394
42	533	"یہ بزرگ میر احمدؐ تھا اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک دلنشین منظر (ازافاضات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)	406
43	512	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہؓ سے محبت	413
44	192	صحابہ رسول رِضوانُ اللہ علیہم کا تعلق باللہ اور ذوق عبادت	423
45	509	صحابہ رضوان اللہ علیہم کا عشقِ رسولؐ	437
46	428	صدقہ وخیرات کی اہمیت وبرکات (ازروئے احادیث)	448
47	421	حیوانوں کی دنیا اور ان کے متعلق اسلامی تعلیم (احادیث کی روشنی میں)	455
48	365	رمضان اور درود شریف کے فضائل	465
49	466	محرم میں بکثرت درود شریف پڑھنے کی اہمیت اور برکات	471
50	534	وصالُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	482

انڈیکس تقاریر سیرت وشمائل محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جلد اول)

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	153	میلادالنبیؐ پر جلسے منعقد کرنے پر جماعتِ احمدیہ کا موقف اور غیروں کا طرزِ عمل	1
2	151	جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ کی تاریخ	13
3	107	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک	20
4	62	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے لئے کامل نمونہ	27
5	75	کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ	38
6	123	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات	45
7	124	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ	55
8	104	طبقہ نسواں اور آنحضور ﷺ کے احسانات	63
9	125	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے حقوق کے محافظ	71
10	105	مُحسنِ انسانیتؐ غیروں کی نظر میں	80
11	117	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں سے حُسنِ معاشرت	91
12	106	قرآنی احکام کی روشنی میں آنحضورؐ کی ازواجِ مطہرات کی تعلیم وتربیت	100
13	81	آنحضورؐ کا بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت بھرا سلوک	110
14	109	میرے آقا حضرت محمدؐ نوجوانوں کے لئے اسوہ حسنہ	117
15	101	امن کا شہزادہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم	126
16	119	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایفائے وعدہ	137
17	115	حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ	144
18	108	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عجز وانکسار اور سادگی	152
19	120	صحابیات رسولؐ کے صدق ووفا کی داستانیں	161

20	129	صحابیات کا آنحضورؐ کی صحبت اور قوتِ قدسیہ سے فیض پانے کے واقعات	178
21	127	مذہبی آزادی اور رواداری کی اسلامی تعلیم اور آنحضورؐ کا اسوہ حسنہ	189
22	131	وہ دین ہی کیا ہے جس میں نماز نہیں؟	197
23	136	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صلہ رحمی کی تعلیم	207
24	137	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت شعاری	214
25	138	میرا آقاؐ ہم سب کے لئے نمونہ ہے	222
26	139	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عفو ودرگزر کا مقام	234
27	128	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت الٰہی اور اللہ کے لئے غیرت	244
28	140	نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَۃَ شَھْرٍ	252
29	141	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غصہ نہ کرنے کی تعلیم	262
30	142	آنحضرتؐ کا کمزوروں، خادموں، ماتحتوں، یتیموں اور مسکینوں سے حُسنِ سلوک	272
31	146	درود شریف کی اہمیت، فضیلت اور برکات	280
32	148	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور اَمِیْنُ	288
33	149	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت	299
34	150	آنحضورؐ کی ہمسائیوں سے حُسنِ سلوک کی تعلیم	310
35	152	اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمُ اھْتَدَیْتُمْ	317
36	155	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم "صدق وسچائی"	325
37	156	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کو نصائح	337
38	118	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشقِ قرآن	349

ضروری نوٹ

ہر مقرر یعنی تقریر کرنے والا اپنی تقریر کا آغاز درج ذیل تشہد سے کرے۔

تشہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ / خطاب کے آغاز میں تشہد بھی پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس خطبہ / خطاب میں تشہد نہ ہو وہ یَدِ جَذْمَاء یعنی ایک ٹنڈے (کٹے ہوئے) ہاتھ کی مانند ہے۔

(جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح، باب اعلان النکاح، حدیث نمبر 3015)

﴿1﴾ ﴿مشاہدات۔514﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا (بنی اسرائیل:25)

ترجمہ: اور ان دونوں کے لئے رحم سے عجز کا پَر جُھکا دے اور کہہ کہ اے میرے ربّ! ان دونوں پر رحم کر جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری تربیت کی۔

وَأَنتَ لَمّا وُلِدتَ أَشرَقَتِ
الأَرضُ وَضاءَت بِنورِكَ الأُفُقُ
فَنَحنُ في ذَلِكَ الضِّياءِ وَفي
النُّورِ وَسُبلِ الرَّشادِ نَختَرِقُ

(الدکتور عباس الجراری: الادب المغربی من خلال ظواهره وقضایاه، مطبعة النجاح الجدیدة، الدار البیضاء، ط2، 1982م، صفحہ 142)

اے نبی! جب آپؐ پیدا ہوئے تو آپؐ نے نہ صرف زمین کو اپنے نور سے بھر دیا بلکہ آفاق بھی آپؐ کے نور سے منور ہو گئے اور ہم نے اسی ضیائے نور سے سیدھے راستوں کی طرف ہدایت پائی۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام عبد اللہ ابن عبد المطلب تھا۔ کنیت ابو قثم یعنی خیر و برکت سمیٹنے والے، ابو محمد اور ابو احمد اور لقب الذبیح تھا۔ آپ کے والد عبد المطلب تھے جن کی کنیت ابو حارث اور ابو بطحاء تھی اور آپ قریش مکہ کے سرکردہ راہنما اور بنو ہاشم کے سردار تھے۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔

آپ کے والد حضرت عبد المطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں...بیٹے: عباس، حارث، حمزہ، عبد اللہ، عبد مناف یعنی ابو طالب، زبیر، حجلا، مقوم، ضرار، عبد العزیٰ یعنی ابو لہب اور بیٹیاں: صفیہ، ام حکیم، عاتکہ، امیمۃ، اروی، برہ۔ ان میں سے ام حکیم کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان کا نام بیضاء تھا اور حضرت عبد اللہ کی جڑواں بہن تھیں۔ دو مزید بیٹوں، قثم اور غیداق، کا بھی ذکر ملتا ہے۔

(سیرۃ ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 154)

زمزم مکہ کا وہ مشہور کنواں ہے جس کی بنیاد حضرت اسماعیلؑ کے لیے خدائی قدرت سے نکلنے والے پانی کے چشمہ پر ہے۔ جب آپؑ کی اولاد کو مکہ سے نکال دیا گیا تو انہوں نے مکہ چھوڑنے سے پہلے اس کنویں کو بند کر دیا تھا۔ قُصّی کے مکہ پر دوبارہ تسلط حاصل کر لینے کے باوجود زمزم دریافت نہ ہو سکا۔ اس کے دوبارہ دریافت کا سہرا عبد المطلب کے سر ہے۔ اس ضمن میں مشہور ہے کہ انہیں مسلسل چار دن تک خواب میں زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم دیا گیا۔

(ابن ہشام، سیرۃ، جلد 1 صفحہ 190۔191)

آخر انہوں نے اپنے بیٹے حارث کے ساتھ، جو کہ اس وقت تک ان کا اکلوتا بیٹا تھا، کنواں کھودنا شروع کیا۔ تین دن کی کھدائی کے بعد ایک قدیم کنویں کے آثار نکلے۔

سامعین! زمزم کی کھدائی کے وقت عبد المطلب نے منت مانی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے تو ان میں سے ایک کو قربان کر دیں گے۔ چنانچہ جب ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے تو انہوں نے خانہ کعبہ میں جا کر سب سے بڑے بت، ہُبل، کے سامنے تیروں سے فال نکالی کہ کس بیٹے کو قربان کیا جائے۔ فال عبد اللہ کے نام نکلی۔ چنانچہ عبد المطلب نے انہیں اساف و نائلہ بتوں کے پاس لے جا کر قربان کرنا چاہا۔ قریش کے اکابرین نے یہ دیکھ کر کہا کہ اگر ایسا ہوا تو پھر انسانی قربانی کا ایک سلسلہ چل نکلے گا۔ کافی بحث کے بعد یہ

فیصلہ ہوا کہ حجاز کی ایک مشہور کاہنہ سے مسئلہ کا حل دریافت کیا جائے۔ چنانچہ عبد المطلب مدینہ گئے۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ کاہنہ خیبر گئی ہوئی ہے۔ اس پر خیبر پہنچے اور اس کے سامنے سب واقعہ بیان کیا۔ کاہنہ نے سوچ بچار کے بعد اگلے دن فیصلہ سنایا کہ ایک انسان کی دیت، جو کہ دس اونٹ تھی اور عبد اللہ میں فال نکالو۔ اور پھر جب تک عبد اللہ کے نام فال نکلتی رہے اس میں ایک دیت کا اضافہ کرتے رہو۔ اس ہدایت کے مطابق عبد المطلب نے مکہ واپس آکر ہُبل بت کے سامنے دعا کی اور فال نکالی۔ فال میں ہر مرتبہ عبد اللہ کا ہی نام نکلتا۔ چنانچہ اونٹوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آخر سو اونٹوں پر جاکر فال اونٹوں کے نام نکلی۔ عبد المطلب نے کہا کہ جب تک تین مرتبہ اونٹوں کے نام فال نہ نکلے یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ مگر فال مزید دو مرتبہ اونٹوں کے نام نکلی اور یوں عبد اللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کی قربانی دی گئی۔

(تاریخ الطبری، جلد 2 صفحہ 240-243، البیہقی، دلائل النبوۃ، جلد 1 صفحہ 85-86)

امام زہری کی ایک تفصیلی روایت میں بتایا گیا ہے کہ جب عبد المطلب کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے تو انہوں نے قرعہ اندازی کی۔ قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا تو عبد المطلب نے کہا کہ اے اللہ! تجھے یہ زیادہ عزیز ہے یا ایک سو اونٹ؟ اس پر دوبارہ قرعہ اندازی کی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ چنانچہ انہوں نے سو اونٹ قربان کر دیے۔

(الازرقی، اخبار مکہ جلد 2 صفحہ 43-44)

یہ روایت بہت سے اضافہ جات سے حقیقت کے نزدیک معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح کی روایت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم

عبد اللہ ابن عبد المطلب تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ باپ کے لاڈلے اور پیارے تھے۔ آپ حسن و خوبی کے پیکر اور جمالِ صورت و کمال سیرت کے آئینہ دار اور عفت و پارسائی میں یکتائے روزگار تھے۔ قبیلۂ قریش کی تمام حسین عورتیں ان کے حسن و جمال پر فریفتہ اور ان سے شادی کی خواستگار تھیں۔ مگر عبد المطلب ان کے لئے ایک ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو حسن و جمال کے ساتھ ساتھ حسب ونسب کی شرافت اور عفت و پارسائی میں بھی ممتاز ہو۔ عجیب اتفاق کہ ایک دن عبد اللہ شکار کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے تھے۔ ملک شام کے یہودی چند علامتوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی

آخر الزماں کے والد ماجد یہی ہیں۔ چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبد اللہ کو بارہا قتل کر ڈالنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہو کر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ حضرت عبد اللہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ "وہب بن مناف" بھی اس دن جنگل میں تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا، اس لئے ان کو حضرت عبد اللہ سے بے انتہا محبت و عقیدت پیدا ہو گئی اور گھر آکر یہ عزم کر لیا کہ میں اپنی نورِ نظر حضرت آمنہ کی شادی حضرت عبد اللہ ہی سے کروں گا۔ چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انہوں نے عبد المطلب تک پہنچا دیا۔ خدا کی شان کہ عبد المطلب اپنے نورِ نظر حضرت عبد اللہ کے لئے جیسی دلہن کی تلاش میں تھے، وہ ساری خوبیاں حضرت آمنہ بنت وہب میں موجود تھیں۔ عبد المطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔ شادی کے کچھ عرصہ کے بعد عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کو کھجوریں لینے کے لئے مدینہ بھیجا، یا تجارت کے لئے ملک شام روانہ کیا۔ لیکن وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے مدینہ میں اپنے والد کے ننہال "بنو عدی بن نجار" میں ایک ماہ بیمار رہ کر پچیس برس کی عمر میں وفات پا گئے اور وہیں "دارِ نابغہ" میں مدفون ہوئے۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 101)

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبد المطلب کو حضرت عبد اللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے خبر گیری کے لئے اپنے سب سے بڑے لڑکے "حارث" کو مدینہ بھیجا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبد اللہ وفات پا چکے تھے۔ اُس وقت اُن کی زوجہ حضرت آمنہ حمل سے تھیں۔

حضرت عبد اللہ کا ترکہ ایک لونڈی "اُم ایمن" جس کا نام "برکہ" تھا اور کچھ اونٹ، کچھ بکریاں تھیں، یہ سب ترکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا جنہوں نے دو عالم کا بادشاہ بننا تھا۔ "اُمِ ایمن" بچپن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ کھلاتیں، کپڑے پہناتیں، پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں، اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر "اُم ایمن" کی دل جوئی فرماتے رہے۔

(الاستیعاب، کتاب النساء وکناھن، باب الباء، جلد 4 صفحہ 356)

سامعین! عبد اللہ بن عبد المطلب کے بارے میں کہ وہ موحد تھے یا نہیں مؤرخین نے بہت بحث کی ہے اور اکثریت کے نزدیک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد موحد تھے لیکن حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

”شرافت کا معیار ہر سوسائٹی کے اپنے اپنے قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ و اجداد عرب کی سوسائٹی کے مطابق شریف تھے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ معیار اسلام کے مطابق ان میں نیکیاں نہیں پائی جاتی تھیں۔

... بعض مفسرین نے غلطی سے وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ کے یہ معنے کئے ہیں کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مومن یعنی ساجد تھے۔ حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ وہ مجھے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت دے دے مگر اللہ تعالےٰ نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین کا یہ نظریہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مومن تھے درست نہیں۔ حضرت عبد المطلب کے متعلق بھی جہاں توحید کی باتوں کا ذکر آتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ڈُبدبہ کی حالت میں تھے۔ کبھی توحید کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور کبھی شرک کی طرف۔ ان کا چاہ زمزم کی تلاش کے وقت یہ نذر ماننا کہ اگر خدا انہیں دس بچے دے گا اور وہ ان کی آنکھوں کے سامنے جوان ہوں گے تو وہ ان میں سے ایک کو قربان کر دیں گے اور پھر ہبل کے سامنے ان کا قرعہ اندازی کرنا بتا رہا ہے کہ توحید کا صحیح مقام انہوں نے نہیں سمجھا تھا۔

(تفسیر کبیر زیر آیت سورۃ شعراء 26 آیت 220۔ جلد 7، صفحہ 290-293)

پھر مزید فرماتے ہیں:

”اگر یہ معنی کئے جائیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد خدا رسیدہ تھے تو یہ صحیح نہیں، تاریخ اس کے خلاف ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے والدین مشرک تھے... تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے دادا پڑدادا موحد نہیں تھے اسی لئے وہ معنی جو مفسرین کی طرف سے کئے جاتے ہیں صحیح نہیں... آپؐ جب خود اپنے والدین کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ مشرک تھے

اور گو وہ رواجاً شرک کرتے تھے مگر کرتے ضرور تھے پھر یہ کہنا کہ آپ کے والدین موحد تھے یہ ایک ایسی بات ہے جس کے متعلق کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں ملتی۔ نہ قرآن کریم سے، نہ حدیثوں سے اور نہ تاریخ سے۔"

(حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ، انوار العلوم جلد 19، صفحہ 25-26)

لہذا یہ بات واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد بظاہر موحد نہ تھے جیسا کہ بعض روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے نے اپنی کتاب سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں روایت بیان کی ہے جس آپؐ کا اپنی والدہ قبر پر جانا اور اسے دیکھ کر چشم پر آب ہو جانا اور صحابہ کا بھی رونے لگنا بیان ہوا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔ "اللہ نے مجھے یہ تو اجازت دی کہ میں اپنی والدہ کی قبر کو دیکھوں لیکن دعا کی اجازت نہیں دی۔"

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے فرماتے ہیں:

"اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ کی والدہ کی مغفرت نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہو گا اور کیا نہ ہو گا۔ لیکن اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور موقعوں پر فرمایا ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں فوت ہو اس کے لئے دعا مانگنا درست نہیں ہے بلکہ اس کے معاملہ کو خدا کے سپرد کرنا چاہیے۔"

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ 111)

سامعین! اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ نسلِ ابراہیمی کی یہ شاخ خدا تعالیٰ نے اپنی خاص مشیت کے تحت اس سعادت کے لیے چن لی کہ اس کے صلب میں سے "وہ نبی" پیدا ہوا جو کہ رحمۃ اللعالین کہلایا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

﴿2﴾ ﴿مشاہدات۔515﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (الاحقاف:16)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو تاکیدی نصیحت کی کہ اپنے والدین سے احسان کرے۔ اسے اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اٹھائے رکھا اور تکلیف ہی کے ساتھ اُسے جنم دیا۔

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِىْ
وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

(شرح دیوان حسان بن ثابت الانصاری)

آپؐ سے بہتر میری آنکھ نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا اور آپؐ سے جمیل کسی عورت نے پیدا نہیں کیا۔
آپؐ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپؐ ایسے ہی پیدا کئے گئے جیسے آپؐ چاہتے تھے۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ”آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب“ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ بنت وہب تھا۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو زہرہ سے تھا جو قریش ہی کا ایک ذیلی قبیلہ تھا۔ آپ کے والد کا نام وہب بن عبد مناف تھا۔ آپ کے والد اپنے قبیلے کے معزز سردار تھے اور بنو زہرہ قبیلے میں ایک مثالی حیثیت کے مالک تھے۔

(السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق جلد 1 مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

آپ کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جدِ امجد عبد مناف بن قصی سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام برّۃ بنت عبد العزیٰ بن عثمان تھا۔ آپ اپنے قبیلہ میں سیرت النساء کے نام سے مشہور تھیں۔ حضرت آمنہ بنت وہب کے والد وہب ابن عبد مناف سگ ستارہ (Sirius) کی عبادت کیا کرتے تھے جو کہ عربوں کے عمومی مزاج اور ان کی قبائلی تاریخ کے خلاف تھا۔ اس بنیاد پر اہلِ عرب اسلام کی مخالفت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "ابو کبشہ" کہہ کر بلایا کرتے تھے کیونکہ عربی زبان میں یہ سگ ستارہ "کبشہ" کہلاتا تھا اور اسی کی نسبت سے آپ کو ابو کبشہ یعنی "کبشہ ستارے کی عبادت کرنے والا" کہا جاتا تھا۔

(انٹرنیٹ ماخوذ انسائیکلوپیڈیا آف محمد)

حضرت آمنہ کی کوئی سگی بہن یا سگا بھائی نہیں تھا۔ حضرت آمنہؓ اپنی ظاہری وضع قطع میں ایک خوبصورت اور باوقار خاتون تھیں۔ حضرت آمنہؓ اپنے خاندانی نسب ونسبت اور ذاتی حسن و جمال کے علاوہ بھی کئی ایسی خصوصیات کی حامل تھیں جو کہ آپ کو بنو زہرہ قبیلہ کی دیگر خواتین سے ممتاز کرتی تھیں جن میں بالخصوص آپ کی پاک دامنی، شرافت، ذکاوت، بردباری اور حلم شامل تھا۔

حضرت آمنہ بچپن سے ہی اپنی سہیلیوں میں ایک مخصوص تشخص کی حامل تھیں۔ مشہور کاہنہ سودہ بنت زہرہ نے جب بنو زہرہ قبیلہ کا دورہ کیا تو برملا کہہ اٹھی کہ اس قبیلہ میں ایک نہایت ہی عزت اور شرف والی لڑکی موجود ہے۔ وہ لڑکی اور اس کا ہونے والا بیٹا تمام لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہوں گے اور لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف بلانے والے ہوں گے۔ اس نے بنو زہرہ قبیلہ کی تمام خواتین کو ایک جگہ جمع ہونے کی درخواست کی اور یکے بعد دیگرے ہر لڑکی اور عورت کو دیکھتی اور اس کے حوالے سے پیش گوئی کرتی رہی۔ جب اس کی نظر حضرت آمنہ پر پڑی تو آپ کو دیکھ کر اس نے ایک دم کہا: هٰذِهِ النَّذِيْرَةُ

اَوْ تَلِدُ نَذِيْرًا لَهٗ شَانٌ وَ بُرْهَانٌ مُنِيْرٌ یعنی یہی وہ لڑکی ہے جو لوگوں کو ڈرائے گی یا پھر اس کا بیٹا لوگوں کو (اللہ) سے ڈرانے والا ہو گا، جس کی عظیم شان ہو گی اور جو روشن دلیل کی طرح حق کے ساتھ جگمگائے گا۔

(السیرۃ الحلبیۃ، جلد 1، دارالکتب العلمیۃ، البیروت، لبنان، صفحہ 68)

سامعین! لکھا ہے کہ عام الفیل سے ایک سال قبل حضرت آمنہ کا نکاح حضرت عبد اللہ سے ہوا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، جلد 1 مطبوعہ بیروت، لبنان، صفحہ 42)

حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلب جو کہ اپنی شکل و صورت اور عادت و اطوار کے حساب سے قریش کے بہترین نوجوان تھے۔ آپ نہایت ہی وجیہ شخصیت کے مالک تھے اور اپنی عفت اور شرافت کے اعتبار سے مشہور تھے۔ جب سے عرب خواتین میں حضرت عبد اللہ کی زندگی کے حوالے سے سو(100)اونٹوں کی قربانی والا واقعہ مشہور ہوا تب سے خواتین کی ایک بڑی تعداد آپ کی طرف نکاح کا میلان رکھتی تھی۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ایک دن عبد اللہ ابن عبد المطلب شکار کے لئے جنگل میں تشریف لے گئے تھے۔ ملک شام کے یہودی چند علامتوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں کے والد ماجد یہی ہیں۔ چنانچہ ان یہودیوں نے حضرت عبد اللہ کو بارہا قتل کر ڈالنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ بھی یہودیوں کی ایک بہت بڑی جماعت مسلح ہو کر اس نیت سے جنگل میں گئی کہ حضرت عبد اللہ کو تنہائی میں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ بھی اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ ”وہب بن مناف“ بھی اس دن جنگل میں تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا، اس لئے ان کو حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے انتہا محبت و عقیدت پیدا ہو گئی اور گھر آ کر یہ عزم کر لیا کہ میں اپنی نورِ نظر آمنہ کی شادی عبد اللہ ابن عبد المطلب ہی سے کروں گا۔ چنانچہ اپنی اس دلی تمنا کو اپنے چند دوستوں کے ذریعہ انہوں نے حضرت عبد المطلب تک پہنچا دیا۔ خدا کی شان کہ عبد المطلب اپنے نورِ نظر حضرت عبد اللہ کے لئے جیسی دلہن کی تلاش میں تھے، وہ ساری خوبیاں حضرت آمنہ بنت وہب میں موجود تھیں۔ حضرت عبد المطلب نے اس رشتہ کو خوشی خوشی منظور کر لیا۔

سامعین! حضرت آمنہ سے نکاح کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت عبد اللہ قریش کے قافلے کے ساتھ تجارتی غرض سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب حضرت آمنہ رسول اللہ کے حمل سے تھیں۔

حضرت عبد اللہ چند ماہ تک غزہ اور اُس کے گرد و نواح کے علاقے میں تجارتی اغراض سے مصروف رہے اور سفر سے واپسی میں جب آپ نے یثرب کے علاقے میں اپنے ننھیالی رشتہ داروں میں قیام فرمایا تو اِس دوران آپ شدید علالت کا شکار ہو گئے۔ آپ نے بنی عدّی ابن النجار قبیلہ میں کچھ دن قیام فرمایا تا کہ کسی طرح آپ مکہ تک سفر کرنے کے قابل ہو سکیں لیکن اللہ کی منشاء کے مطابق آپ مزید سفر کرنے سے قاصر رہے اور وہیں آپ کی وفات ہو گئی۔

(الطبقات الکبری، جلد 1 مطبوعہ بیروت، لبنان صفحہ 99)

حضرت عبد اللہ کی وفات کی خبر جب حضرت آمنہ تک پہنچی تو آپ شدید صدمے سے دوچار ہو گئیں کیونکہ آپ اپنی شادی کے فقط چند ماہ بعد نہایت ہی کم عمری میں بیوہ ہو گئیں تھیں۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے اپنی کتاب سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 104 میں تحریر فرماتے ہیں:

"نئی نئی شادی کی حالت میں کم عمر لڑکیاں جو طبعاً اپنے اندر شرم و حیا کا زیادہ مادہ رکھتی ہیں ایسے موقعوں پر اپنے غم و الم کا اظہار نہیں کر سکتیں۔ اس لیے اُن کو اندر ہی اندر صدمہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس سے اس تکلیف کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس موقع پر حضرت آمنہ کو اٹھانی پڑی ہو گی۔ مگر خدا کی تسلی جلد ہی آمنہ کے سہارے کے لیے آئی۔ چنانچہ انہی ایام میں آمنہ نے ایک خواب دیکھا کہ اُن کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور انہیں خواب میں بتایا گیا کہ اس لڑکے کا نام محمدؐ رکھنا۔ نیز انہوں نے یہ بھی خواب میں دیکھا کہ اُن کے اندر سے ایک چمکتا ہوا نور نکلا ہے اور دُور دراز ملکوں میں پھیل گیا ہے۔"

(سیرۃ ابن ہشام و زرقانی)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن نزدیک آ رہے تھے اور وہ دن جس کا حضرت آمنہ کو شدت سے انتظار تھا آ ہی گیا اور واقعہ اصحاب الفیل کے چند روز بعد 12 ربیع الاوّل کو پیر والے دن، طلوعِ فجر سے چند لمحات قبل سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ نئی تحقیق کے مطابق آپؐ کی ولادت 9 ربیع الاوّل کو ہوئی۔ جب حضرت آمنہ کے بطن مبارک سے آپؐ کا نور اس دنیا میں منتقل ہوا تو یہ خبر حضرت عبد المطلب کو بھجوائی گئی جو اُس وقت خانہ کعبہ میں موجود تھے۔ جب آپ کو یہ خبر ملی تو آپ انتہائی خوشی کے عالم میں اپنے معصوم پوتے کو دیکھنے کے لئے گھر کی جانب روانہ

ہوئے۔ حضرت آمنہ نے حضرت عبد المطلب کو اُن تمام غیر معمولی احوال سے آگاہ فرمایا جن کا تجربہ ومشاہدہ آپ نے دورانِ حمل اور وقتِ ولادت فرمایا تھا۔ آپ نے حضرت عبد المطلب کو اس حوالے سے بھی آگاہ کیا کہ کس طرح آپ کو اس پیدا ہونے والے معصوم بچے کا خاص نام رکھنے کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ حضرت عبد المطلب آپ کو اپنی گود میں لے کر خانہ کعبہ میں تشریف لے آئے اور اللہ کی بارگاہ میں اس عظیم تحفے پر شکر بجالانے لگے۔ حضرت عبد المطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام "محمد" رکھا یعنی "بہت قابلِ تعریف"

حضرت آمنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی سات ایام تک رضاعت فرمائی۔ اُس کے بعد عرب رواج کے مطابق آپ نے اپنے لخت جگر کو بہتر ماحول اور آب وہوا کے لئے دیہی علاقے کی طرف بھیج دیا جس کی سعادت حضرت حلیمہ سعدیہ بنت عبد اللہ ابن حارث کے حصے میں آئی جو کہ بنو سعد قبیلے کی ایک انتہائی پاک باز خاتون تھیں اور رضاعت کے حوالے سے اپنی خدمات سرانجام دیا کرتی تھیں۔

آپ تقریباً پانچ سے چھ سال تک حضرت حلیمہ سعدیہ کی زیرِ کفالت رہے۔ اس دوران حضرت حلیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت آمنہ کے پاس ملانے لاتی رہیں۔ لیکن جب شقِّ صدر کا واقعہ رونما ہوا تو حضرتِ حلیمہؓ کو آپ کی صحت اور جان کے حوالے سے خوف لاحق ہو گیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر حضرت آمنہ کے پاس آگئیں اور اُس کے بعد آپ اپنی والدہ کے وصال تک اُنہیں کے پاس رہے۔

سامعین! ایک مرتبہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک چھ سال کی تھی حضرت آمنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر یثرب کی طرف اس نیت کے ساتھ روانہ ہوئیں کہ آپ کا تعارف اپنے قبیلے بنو زہرہ کے لوگوں سے کرواسکیں تاکہ مستقبل میں آپ کا ایک مضبوط تعلق اپنے ننھیالی رشتہ داروں سے قائم رہ سکے۔ اس سفر میں آپ نے اپنی معاونت کے لئے حضرت ام ایمن کو اپنے ساتھ لے لیا جو کہ حضرت عبد اللہ کی وراثت سے آپ کے حصّے میں آئی تھیں۔ یہ دونوں خواتین دو علیحدہ علیحدہ اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں اور یثرب کے علاقے "دارالنابغہ" میں قیام فرمایا جو کہ حضرت عبد اللہ کا مدفن تھا۔

حضرت آمنہ نے تقریباً ایک ماہ یثرب کے علاقہ میں اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ قیام فرمایا اور اس کے بعد واپس مکّہ جانے کا ارادہ کیا۔ ام ایمن کے مطابق آپ کی واپسی کے اس فیصلہ کی اصل وجہ یہ تھی کہ یثرب کے بعض یہودیوں نے نبی کو بحیثیت پیغمبر پہچان لیا تھا اور جب آپ نے ان کی آپس کی گفتگو کو سنا تو بلا تاخیر آپ نے خوف کے عالم میں مکہ کے لیے روانہ ہونے کا فیصلہ فرمالیا۔ واپسی کے دوران آپ شدید علالت کا شکار ہو گئیں یہاں تک کہ ابواء کے مقام پر جو کہ یثرب سے تقریباً ایک سو سینتیس میل کے فاصلے پر موجود تھا اور شام کے حُجاج کے لیے میقات تھا، وہاں پر آپ اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئیں۔ حضرت آمنہ کی قبر مبارک ابواء کے مقام پر ایک چھوٹے سے ٹیلے پر موجود ہے۔

(انٹر نیٹ انسائیکلوپیڈیا آف محمد)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ عام مورخین کا خیال ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر ابواء کے مقام پر موجود ہے لیکن بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آمنہ بنت وہب مکہ میں فوت ہوئی تھیں اور اُن کی قبر مکہ کی وادی حجون میں ہے۔ واللہ اعلم (سیرت خاتم النبیینؐ صفحہ 111 حاشیہ)

سامعین کرام! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی والدہ ماجدہ کو نہایت ہی محبت اور عقیدت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے۔ آپ اکثر صحابہ کرام میں اپنے اس پہلے سفر، جو آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مکّہ سے یثرب (مدینہ طیّبہ) کا کیا تھا، کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور کئی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جب بھی آپ اپنی والدہ ماجدہ کے انتقالِ پُر ملال کا ذکر فرماتے تو نہایت ہی غمگین اور درد کی کیفیت کا شکار ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپؐ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک پر تشریف لے گئے تو بے اختیار آپ کے رخسارِ مبارک آنسوؤں سے تَر ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے ساتھ موجود صحابہ کرام بھی بے اختیار رو پڑے۔ (صحیح المسلم، حدیث:2259)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿3﴾ ﴿مشاہدات۔306﴾

اُسوہ رسولؐ، ہمارے لئے بہترین نمونہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:5)

یقیناً تو بہت بڑے خُلق پر فائز ہے۔

وَاَحْسَنَ	مِنْكَ	لَمْ	تَرَقَطُّ	عَيْنِىْ
وَاَجْمَلَ	مِنْكَ	لَمْ	تَلِدِ	النِّسَآءُ
خُلِقْتَ	مُبَرَّءً	مِّنْ	كُلِ	عَيْبٍ
كَاَنَّكَ	قَدْ	خُلِقْتَ	كَمَا	تَشَآءُ

(شرح دیوان حسان بن ثابت الانصاری)

آپؐ سے بہتر میری آنکھ نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا اور آپؐ سے جمیل کسی عورت نے پیدا نہیں کیا۔
آپؐ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپؐ ایسے ہی پیدا کئے گئے جیسے آپؐ چاہتے تھے۔

سامعین! میری آج کی گزارشات کا موضوع ہے۔ **"اُسوہ رسولؐ، ہمارے لئے بہترین نمونہ"**

سامعین! ہر نبی اور اللہ کا فرستادہ اپنی اپنی قوم کے لئے بطور نمونہ آتا رہا اور اُس کی قوم اور امت نے اُس کو اُسوہ کے طور پر اپنایا اور اُس کے عملوں کی اقتداء کرتے آئے۔ مگر آخری نبی سیّدنا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ آپؐ کا آنا گویا خدا تعالیٰ کا آنا تھا (انڈیکس ترجمہ قرآن حضرت خلیفہ رابع صفحہ 68) آپؐ کا فعل خدا کا فعل تھا (الانفال:18) آپؐ کی بیعت اللہ کی بیعت تھی

(الفتح: 11) آپؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت تھی اور ہے(النساء:81) آپؐ تمام نبیوں کے سردار، رحمۃ للعالمین، خاتَم النبیین، کُل عالَم کے لئے رحمان خدا کے مظہر، تمام انبیاء کے مظہر، عالَمگیر نبی اور مشرق و مغرب کے واحد رسول تھے۔

(انڈیکس ترجمہ قرآن حضرت خلیفہ رابعؒ صفحہ 68)

جہاں تک آپؐ کے اُسوہ کو بطور نمونہ اپنانے اور اُس کی برکات کا تعلق ہے اِس حوالے سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اِسی انڈیکس میں قرآنِ کریم کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ آپؐ کی اطاعت صالح، شہید، صدیق اور نبی کا مقام دلا سکتی ہے۔ آپؐ کی اتباع محبتِ الٰہی کے حصول کا مؤجب اور قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔ اِن انعامات اور افضالِ الٰہی کی روشنی میں مَیں اُسوہ رسولؐ اختصار سے بیان کرنے جا رہی ہوں اور میری کوشش ہو گی کہ مَیں اپنی بہنوں کے لئے آنحضورؐ کی زندگی کے تمام بڑے بڑے پہلو بیان کر سکوں۔ آپؐ کس شان کے ساتھ ان حالات میں سے گزرے ہیں اور یہ صرف آپؐ ہی کی شان تھی۔ یہ کسی اور نبی کے حصہ میں نہ آئی۔ بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا موازنہ مذہبی رہنماؤں، پیشواؤں، قوموں کے اماموں کی زندگیوں سے کریں۔ تو ہم صرف اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام معاصی سے پاک پاتے ہیں اور تمام تعلقات انسانی جو دوستوں، دشمنوں، دور و نزدیک کے رشتہ داروں، بیوی، بچوں، اپنوں، بیگانوں اور ناواقفوں پر مشتمل ہوتے ہیں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صفات کامل نمونہ اور بینظیر اُسوہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا نجوم میں نہیں تھا قمر میں نہیں تھا آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں جس کا اَتم اور اَکمل اور اعلیٰ اور ارفَعُ فرد ہمارے سید و مولی سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 160-161)

سامعین! آپؐ یتیم پیدا ہوئے لہذا آپؐ یتیموں کے لئے کامل نمونہ تھے۔ اس یتیمی میں بغیر والد کے پرورش پانے والا یہ یتیم ایسا شریف اور تربیت یافتہ نکلا کہ دادا اپنے حقیقی بیٹوں سے بڑھ کر پوتے سے اور چچا اپنے حقیقی نور چشموں سے بڑھ کر اپنے بھتیجے سے محبت کرتے تھے اور چچا محترم آپؐ کی امانت داری کے سبب آپؐ کو اپنی تجارت میں شامل کرتے۔ آپؐ نے اپنی عادات کو درست رکھا، خوبیوں میں ترقی کی، لوگوں سے ادب سے پیش آئے کہ دنیا کہنے لگی کہ کیسا شریف اور اچھا بچہ ہے۔ پس آپؐ نمونہ ہیں۔ اے دنیا بھر کے یتیمو! نمونہ پکڑو اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور دنیا کی آلائشوں سے اپنے آپ کو دور رکھ کر مؤدب بن جاؤ۔

سامعین! آپؐ غریبوں کے لئے کامل نمونہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غریب تھے اور غریب بھی ایسے کہ جس کا کوئی گزارہ نہ ہو۔ مگر آپؐ دنیا کے ہر غریب کے لئے کامل نمونہ اور بے نظیر اسوہ ٹھہرے۔ آپؐ ہاتھ سے محنت کر کے کماتے، کلہاڑا لے کر جنگل سے لکڑیاں لا کر بیچتے، بکریاں چرانا، ملازمت اختیار کرنا اور معمولی معمولی تجارت کرنا آپؐ کا شیوہ تھا۔ کبھی کسی سے سوال نہ کیا بلکہ اپنے صحابہ کو مانگنے سے منع فرمایا اور صحابہ نے اس پر اس حد تک عمل کیا کہ اگر سواری سے کوڑا زمین پر گر جاتا تو کسی سے اٹھانے کا سوال نہ کرتے۔ آپؐ امین اور دیانت دار کے طور پر مشہور تھے۔ قرض واپس کرتے بلکہ جب آپؐ کو نبوت کا تاج پہنایا گیا تو بڑے فخر سے فرمایا کہ وَلَقَدْ رَعَيْتُ لِاَهْلِ مَكَّةَ عَلَى قَرَارِيْطَ کہ میں چند پیسوں کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کے ان اعلیٰ اخلاق ہونے کے ناطے مخاطب ہو کر فرمایا وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (الضحیٰ:9) کہ ہم نے تجھے غریب پایا پھر غنی کر دیا۔ اس حوالہ سے آپ دنیا بھر کے تمام غرباء کے لئے نمونہ ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کے لئے جو ہاتھ سے کام کرنے کو عار سمجھتے ہیں۔ محنت سے نہیں۔ حقیر کام کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ دوسروں کے آگے اپنا دست دراز کرتے ہیں۔

سامعین! آپؐ دولتمندوں کے لئے کامل نمونہ تھے۔ کیونکہ آپؐ پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دنیا کی بے انتہاء نعماء سے نوازا۔ بالخصوص فتح مکہ کے بعد آپؐ اتنے امیر ہو گئے کہ ہزاروں غلام آزاد کر دیئے۔ اونٹ اور مویشی دینے پر آتے تو ایک ایک شخص کو 100، 100 اونٹ بخش دیتے۔ آپؐ عوام اور غرباء پر اتنا خرچ کرتے کہ مکہ کے روساء یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ محمدؐ تو اس طرح خرچ کرتا ہے

جس طرح اسے خزانہ میں کمی کا ڈر نہ ہو۔ لیکن آپؐ اپنی ذات پر بے جا خرچ نہ کرتے۔ سادہ کپڑے، سادہ خوراک اور وہی پہلے والی سادہ زندگی آپ کا طریق رہا۔

محکوموں کے لئے کامل نمونہ

آپؐ کی کتابِ حیات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ آپؐ 13 سال تک محکوم رہے اور ظالموں نے خوب ظلم ڈھائے۔ مگر آپؐ نے عَلَمِ بغاوت بلند نہ کیا۔ اور صحابہ کو ایسے علاقوں کی طرف ہجرت کی ہدایت فرمائی جو پُرامن تھے اور ایک وقت آیا جب جبر اور ظلم بہت بڑھ گیا تو آپؐ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مگر حکومت کے خلاف بغاوت نہ کی۔

حاکموں اور بادشاہوں کے لئے کامل نمونہ

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو محکوم ہی نہیں رکھا بلکہ امارت، حاکمیت اور بادشاہت سے بھی نوازا مگر آپؐ نے عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اسامہؓ کسی کی سفارش کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔ لَوْأَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَهَا (مسلم) کہ یہ مجرم تو دور کی بات ہے اگر میری لخت جگر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس پر حد جاری کرتا اور ہاتھ کاٹ دیتا۔

آپؐ نے حاکموں کو مخاطب ہو کر فرمایا سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔ ایک شخص آپؐ کے رعب سے کانپ رہا ہے اسے آپؐ فرماتے ہیں کہ مَیں تو عرب کی ایک غریب بیوہ عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا باسی گوشت استعمال کیا کرتی تھی۔ آپؐ بادشاہ ہو کر گھر کے تمام کام خود کر لیتے۔ کوئی ملازمہ، دربان یا ملازم نہ تھا۔

سامعین! آپؐ آل اولاد والے لوگوں کے لئے نمونہ تھے۔ آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔ گھر کے تمام کام کر لیتے۔ ان کے گھروں میں جاتے، حوصلہ بڑھاتے اور اپنی جان سے عزیز بیٹی فاطمہ کے گھر جاتے۔ بچوں سے ملتے۔ آپؐ اس قدر مصروف الاوقات تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے متعلق فرمایا اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا (مزمل: 8) کہ سارا دن تو کاموں میں مصروف رہتا ہے۔ عشاء کی نماز ہوتی تو بستر پر جا کر تھوڑی سی استراحت فرما کر اٹھ کھڑے ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس قدر عبادت کرتے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے اور فرماتے أَفَلَا أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا (متفقٌ عَلَيْهِ)

بادشاہ بالعموم سرکاری خزانہ سے خیانت کر جاتے ہیں مگر آپؐ نے مال غنیمت میں آئے ایک اونٹ کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کچھ بال اکھیڑے اور لوگوں کو دکھایا کہ میرے لئے اس کے برابر مال بھی حرام ہے۔ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد جلدی سے گھر گئے اور کچھ سونا چارپائی پر پڑا رہ گیا وہ اٹھا کر غرباء میں تقسیم کیا۔ آپؐ قومی کاموں میں بطور مزدور حصہ لیتے۔ مسجد نبوی کی تعمیر میں پتھر ڈھوتے نظر آئے۔ غزوہ احزاب میں خندق کھودتے دیکھے گئے۔

مجردوں اور شادی شدہ کے لئے کامل نمونہ

آپؐ 25 سال تک مجرد رہے جو عرب کی آب وہوا کے مطابق ادھیڑ عمر بنتی ہے لیکن نہایت عفیف پاک دامن تھے۔ جب شادی کرلی تو متعدد عورتوں سے، جن میں کنواری بھی تھیں اور بیوہ بھی۔ کم عمر کی بھی تھیں، نوجوان بھی، ادھیڑ اور بوڑھی عمر کی بھی تھیں۔ تمام میں انصاف کیا۔ لکھا ہے کہ آپؐ اپنی بیویوں سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ سب سے شفقت سے پیش آتے کبھی کسی بیوی کو تھپڑ نہیں مارا، نہ جھڑکا۔ سب آپؐ سے خوش تھیں بلکہ ہر ایک آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ سے جلد ملنے کی متمنی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ سب سے اچھا وہ شخص ہے جو بیوی کے حق میں سب سے اچھا ہے۔

صاحب اولاد کے لئے کامل نمونہ

آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد جیسی عظیم نعمت سے بھی نوازا۔ آپؐ نے بچوں کی جو تربیت اور نگرانی، شفقت اور ان کی صحت جسمانی و روحانی کا خیال رکھا جس کی بدولت آپؐ کی اولاد دوسروں کے لئے نمونہ ٹھہری اور حضرت فاطمہؓ کو اس تعلیم و تربیت کی وجہ سے سیدۃ نساء اھل الجنۃ کا خطاب ملا۔ اس ناطے آپؐ صاحب اولاد لوگوں کے لئے نمونہ ہیں کہ ان کو اپنے اولاد کی کس رنگ میں تربیت کرنی ہے۔

اولاد فوت ہونے پر صبر کا کامل نمونہ

پھر آپؐ کی بہت سی اولاد آپؐ کے سامنے فوت ہوگئی۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور آپؐ اس شخص کے لئے کامل نمونہ ہیں جس کی اولاد مر جاتی ہے جوان جوان بچے فوت ہو جاتے ہیں۔ آپؐ ان کو بلا کر کہہ سکتے ہیں کہ میری اکثر جوان ۔ جوان بیٹیاں میری آنکھوں کے سامنے فوت ہو چکی ہیں۔ تمام لڑکے میری آنکھوں کے سامنے یکے بعد دیگرے اجل کا شکار ہو چکے ہیں مگر دیکھ میرا دل غمگین، میری آنکھیں تر،

مگر میری زبان اپنے مولیٰ کی حمد سے معمور ہے۔ آپؐ نے اپنے بیٹے صاحبزادہ ابراہیم کی وفات پر صرف فرمایا اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزُنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی بِہٖ رَبُّنَا آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غم زدہ ہے مگر ہم صرف وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے۔

جرنیل اور فاتح کے لئے کامل نمونہ

آپؐ نے جنگوں میں حکم دیا کہ کوئی عورت نہ ماری جائے، بچے نہ مارے جائیں، بوڑھوں سے تعرض نہ کیا جائے، درویشوں، راہبوں، تارک الدنیا لوگوں کو کچھ نہ کہا جائے۔ دیکھو! کسی کو آگ سے نہ جلایا جائے، جانور قتل نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا۔ یاد رکھو اپنے مخالفوں کی طرح کسی دشمن مقتول کے ناک، کان نہ کاٹنا۔ جنگ بدر کے 70 قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک نمایاں تھا۔ حتیٰ کہ ان کو سواریوں پر سوار کروایا اور خود پیدل چلے۔

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام

علیك الصلوٰۃ علیك السلام

بطور دوست کامل نمونہ

سامعین! آپؐ کے دوست مسلمانوں میں بھی تھے اور غیروں میں بھی۔ تمام کے ساتھ محبت کا سلوک کیا۔ کوئی آپؐ سے شاکی نہ تھا۔ دوستوں کے بیوی بچوں کا بھی خیال رکھا۔ ایک دفعہ آپؐ کے دوستوں کے بیوی بچے ایک شادی سے واپس آرہے تھے۔ آپؐ بے اختیار ہو کر ان کے سامنے جاکر کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ خدا کی قسم! تم لوگ تو مجھے سب سے پیارے ہو۔

انکساری میں کامل نمونہ

آپؐ ایک زمانے میں کسمپرسی کی حالت میں تھے۔ پھر رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے تحت ذکر بلند ہوا اور لاکھوں آدمیوں کا مجمع آپؐ کے ساتھ ہوا۔ مکہ سے صرف ابو بکرؓ کے ساتھ نکلے مگر آٹھ سال بعد دس ہزار قدسیوں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ مگر نہایت عاجزی، انکساری سے سر جھکائے ہوئے، اللہ کے حضور جھکتے ہوئے۔

سامعین! پھر آپؐ قید بھی ہوئے۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں قید رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قید کا یہ عالَم تھا کہ ظالموں کا خود کھانا دینا تو کجا۔ پہنچنے بھی نہ دیتے تھے۔ لکھا ہے کہ رات کے وقت بنو ہاشم کے معصوم بچوں کے بھوک کے مارے رونے کی آوازیں سارا مکہ سنتا تھا مگر سبحان اللہ صبر ہو تو ایسا۔ قید رہے مگر حق کو نہ چھوڑا۔ مصیبتیں برداشت کیں مگر سچائی سے منہ نہ موڑا اور تین سال تک قید رہے۔ مگر دین حق کو پیش کرنے میں قدم۔ پیچھے نہ ہٹایا۔ یہاں تک کہ رات کو بچوں کے رونے کی آوازیں مکہ والے درندے بھی برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے اپنا بائیکاٹ توڑ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے کنبہ کے لوگ آزاد ہو گئے۔

مظلوم ہوتے ہوئے عفو سے کام لیا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک مکہ میں اور آٹھ برس تک مدینہ میں کفار عرب کے ظلموں کا تختہ مشق بنے رہے۔ انہوں نے آپؐ کو وطن سے بے وطن کیا۔ آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو مارا پیٹا۔ زخمی کیا۔ قتل کے درپے ہوئے۔ قید میں رکھا۔ طائف کے لفنگوں نے پتھر مارے۔ گالیاں دیں۔ آپؐ نماز پڑھ رہے ہیں کہ پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی گندگی سمیت لا کر رکھ دی۔ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں کہ پٹکہ ڈال کر گلا گھونٹنے لگے۔

ان تمام ظلموں کے بعد جب مکہ فتح ہوتا ہے اور خدا کا نبیؐ دس ہزار قدوسیوں کے جھمگٹے میں اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ کے مطابق مکہ میں داخل ہوتا ہے تو ظلموں کا بدلہ لینے کی بجائے اعلان فرما دیتے ہیں کہ: اِذۡھَبُوۡا فَاَنۡتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ یعنی جاؤ! میں نے تم سب کو معاف کیا اور میں تمہیں تمہارے کسی فعل پر ملامت نہیں کرتا۔ پس اے دنیا کے لوگو! بتاؤ کہ اس کا کوئی نمونہ ہے؟ حکومتوں کے نمائندو! نام لو کسی بادشاہ کا جس نے یہ نمونہ دیکھایا ہو۔

علامہ کمال الدین الدمیری نے کیا خوب کہا کہ:

لَمۡ یَخۡلُقِ الرَّحۡمٰنُ مِثۡلَ مُحَمَّدٍ
اَبَدًا وَّ عِلۡمِیۡ اَنَّہٗ لَا یَخۡلُقُ

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل پیدا فرمایا ہی نہیں اور میں یہی جانتا ہوں کہ وہ کبھی پیدا نہ کرے گا۔

(حیاۃ الحیوان دمیری)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

﴿4﴾ ﴿مشاہدات۔535﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:5)

کہ یقیناً تو بہت بڑے خُلق پر فائز ہے۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِىْ

وَ اَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

(قصیدہ حسان بن ثابتؓ)

کہ تجھ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی تجھ سے زیادہ خوبصورت بچہ کسی عورت نے جنا ہے۔ آپؐ ہر عیب و نقص سے پاک بنائے گئے گویا کہ آپؐ اپنی مرضی سے اور جس طرح آپ نے چاہا اس عالم میں تشریف لائے۔

سامعین کرام! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے **"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق"**

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق نہایت حسین، نہایت دلربا، ایسے کہ نہ اس سے پہلے کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ آئندہ کوئی آنکھ دیکھ سکے گی۔ ان اخلاق کا دائرہ ہر خاص و عام پر یکساں وسیع تھا۔ ان اخلاق کی گواہی اپنوں نے بھی دی اور بیگانوں نے بھی۔ دوست نے بھی اور دشمن نے بھی۔ انہی اخلاق نے صحابہ کے دل میں بھی آپؐ کی محبت بھر دی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"تو اے نبی! ایک خُلق عظیم پر مخلوق و مفطور ہے یعنے اپنی ذات میں تمام مکارمِ اخلاق کا ایسا متمّم و مکمل ہے کہ اس پر زیادت متصور نہیں کیونکہ لفظ عَظِيْم محاورۂ عرب میں اس چیز کی صفت میں بولا جاتا ہے جس کو اپنا نوعی کمال پورا پورا حاصل ہو...... بعضوں نے کہا ہے کہ عَظِيْم وہ چیز ہے جس کی عظمت اس حد تک پہنچ جائے کہ حیطۂ ادراک سے باہر ہو۔"

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 194 بقیہ حاشیہ نمبر 11)

سامعین! خاکسار اس مختصر وقت میں صرف چند حوالے موضوع کی مناسبت سے پیش کر سکے گا۔

سب سے پہلی گواہی تو خود قرآن کریم نے پیش کی ہے۔ فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:108)

کہ ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت کے طور پر۔

پھر فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(التوبۃ:128)

یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا۔ اسے بہت سخت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اٹھاتے ہو (اور) وہ تم پر (بھلائی چاہتے ہوئے) حریص (رہتا) ہے۔ مومنوں کے لئے بے حد مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا سب نقشہ ان دونوں حوالوں سے ہی سامنے آجاتا ہے۔

سامعین! کسی بھی شخصیت کے اخلاق، روزمرہ معاملات، اس کے سلوک کی سب سے بہتر گواہی اس کے اہل خانہ دے سکتے ہیں۔ اس لئے لوگوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی گواہی کے لئے میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو چنا ہے جنہوں نے ان الفاظ میں گواہی دی کہ

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ (بخاری،کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

خدا کی قسم! اللہ کبھی آپ کو رسوا نہیں ہونے دے گا۔ کیونکہ آپ صلح رحمی کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، دنیا سے معدوم اخلاق کو پھر سے زندہ کر رہے ہیں۔ مہمان کی تکریم کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے اخلاق کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

(دلائل النبوۃ للبیہقی، 1/309)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق قرآن تھا۔

سامعین! اب گھر سے نکل کر اصحاب میں چلتے ہیں۔

حضرت مالک بن حُویرثؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رحیم و کریم اور نرم خو تھے۔ ہم نے آپؐ کی صحبت میں بیس دن قیام کیا۔ اس دوران آپؐ نے محسوس کیا کہ ہم اپنے گھر والوں کے لئے اداس ہوگئے ہیں۔ آپؐ ہم سے ہمارے اہل خاندان کے بارے میں تفصیل پوچھنے لگے۔ ہم نے ان کے بارے میں بتایا۔ مالکؓ کہتے ہیں حضورؐ بہت نرم دل اور پیار کرنے والے تھے۔ آپؐ نے ہمیں اپنے گھروں میں واپس بھجواتے ہوئے فرمایا ان کو جا کر بھی یہ باتیں سکھاؤ اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اس طرح نماز پڑھنا۔ نماز سے پہلے تم میں سے کوئی اذان کہہ دے اور جو بڑا ہو وہ امامت کروائے۔

(بخاری کتاب الادب)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی پیارا طریق اپنے اصحاب کو اعلیٰ اخلاق کا بتایا کہ

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں“

سامعین! آپ کے تجارتی ساتھی عبد اللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملہ کیا میرے ذمے کچھ دینا باقی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں اتفاق سے گھر جانے کے بعد اپنا وعدہ بھول گیا، تین روز بعد یاد آیا کہ میں آپ سے واپسی کا

وعدہ کر کے آیا تھا، یاد آتے ہی فوراً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر پہنچا معلوم ہوا کہ دو روز گزر گئے، آج تیسرا دن ہے وہ مکان پر نہیں آئے، گھر والے خود پریشان ہیں، میں یہاں سے روانہ ہوا اور جہاں جہاں خیال تھا، سب جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا کہیں نہیں ملے تو احتیاطاً اُس جگہ پر پہنچا جہاں وعدہ کیا تھا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب دیکھا کہ آپ اسی مقام پر موجود ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں اور زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ مسلسل تین دن انتظار کی زحمت اٹھانے کے بعد بھی جب میں نے معذرت کی تو آپ نہ ناراض ہوئے، نہ لڑائی جھگڑا کیا اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کی۔ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے اور وہ بھی دھیمی آواز میں

"يَا فَتَى! لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ"

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:4996)

کہ ارے بھائی! تو نے مجھے زحمت دی میں تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

ذرا سوچیے کہ ایسے معاملہ میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کوئی اور ہوتا تو کیا ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اَوفیٰؓ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تکبّر نام کو بھی نہ تھا۔ نہ آپؐ ناک چڑھاتے اور نہ اس بات سے بُرا مناتے اور بچتے کہ بیواؤں اور مسکینوں کے ساتھ چلیں اور ان کے کام آئیں اور ان کی مدد کریں۔ یعنی بے سہارا عورتوں اور مسکینوں اور غریبوں کی مدد کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے اور اس میں خوشی محسوس کرتے۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 68 حدیث 50)

صحابہ رضوان اللہ علیہم، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آپؐ کے اخلاق کی وجہ سے ہی فدا تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَیں نے چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ پوشاک زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ مَیں بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور چاند کو دیکھتا رہا۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے کئی گنا زیادہ حسین لگ رہے تھے۔

(البیہقی فی شعب الإیمان)

حسنِ یوسف، دمِ عیسٰی، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

(مولانا جامی)

سامعین! اب ذرا ان سے حال سن لیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا نہیں مگر حسن اخلاق سے گھائل وہ بھی ہیں۔

مشہور زمانہ مفکر ٹالسٹائی (Leo Tolstoi) کہتا ہے:

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرزِ عمل اخلاقِ انسانیت کا حیرت انگیز کارنامہ ہے، ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغ وہدایت سچائی پر مبنی تھی۔“

پھر وہ مزید لکھتا ہے

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) متواضع، خلیق اور روشن فکر اور صاحبِ بصیرت تھے۔ لوگوں سے عمدہ معاملہ رکھتے تھے۔ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدت العمر پاکیزہ الخصائل رہے“

مشہور جرمن شاعر گوئٹے (Johann Wolfgang von Goethe) کہتا ہے:

”اگر اسلام یہی ہے تو ہم سب مسلمان ہیں۔ بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لایا ہوا دین اخلاص انسانیت کے ساتھ ہمدردی اور معاشرے کے لئے اعلٰی ترین اخلاقی ہدایت ہے۔ اسلام کبھی ناکام نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی تعلیم انسان کو ان بلندیوں تک پہنچا سکتی ہے جو انسانی تصور سے بالاتر ہے۔“

مشہور شاعر جگن ناتھ آزاد اپنے جذبات کا اظہار کچھ ایسے کرتا ہے کہ:

مجھے اِک محسنِ انسانیت کا ذکر کرنا ہے
مجھے رنگِ عقیدت فکر کے سانچے میں بھرنا ہے
بیاں کرنا ہے اَوجِ ابنِ آدم بن کے کون آیا
بیاں کرنا ہے فخرِ ہر دو عالم بن کے کون آیا

جسے حق نے کیا تسلیم ختمُ المرسلیں آیا
جسے دنیا نے مانا رحمتُ للعالمین آیا
خلیق آیا کریم آیا رؤف آیا رحیم آیا
کہا قرآن نے جس کو صاحب خُلقِ عظیم آیا

پروفیسر رام کرشناراؤ میسور یونیورسٹی لکھتے ہیں:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قلب مبارک محبت اور اخوت سے لبریز تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور پھر اس کے رسول تھے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کُل تک تو پہنچنا مشکل ہے البتہ یہ محمد جرنیل ہیں، یہ محمد بادشاہ ہیں، سپہ سالار ہیں، تاجر ہیں، داعی ہیں، فلاسفر ہیں، مدبر ہیں، خطیب ہیں، مصلح ہیں، یتیموں کی پناہ گاہ ہیں، عورتوں کے نجات دہندہ ہیں، جج ہیں، ولی ہیں۔ یہ تمام اعلیٰ اور عظیم الشان کردار ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ ہر شعبہ زندگی کے لیے آپ کی حیثیت مثالی ہے۔''

سامعین! آیئے! اب آخرین کے وقت میں چلتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

'' یہ مومن کا کام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم کو جب پڑھے، آپ کے اُسوۂ حسنہ کو جب دیکھے تو جہاں اس پر عمل کرنے اور اسے اپنانے کی کوشش کرے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے کہ اس محسنِ اعظم نے ہم پر کتنا عظیم احسان کیا ہے کہ زندگی کے ہر پہلو کو خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق عمل کر کے دکھا کر اور ہمیں اس کے مطابق عمل کرنے کا کہہ کر خدا تعالیٰ سے ملنے کے راستوں کی طرف ہماری رہنمائی کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے معیار حاصل کرنے کے راستے دکھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری کا احساس مومنین میں پیدا کیا جس سے ایک مومن خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ یہ سب باتیں تقاضا کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام

بھیجتے ہوئے ہم دنیا کو بھی اس تعلیم اور آپ کے اُسوہ سے آگاہ کریں۔ آپ کے حسن و احسان سے دنیا کو آگاہ کریں۔ جب بھی غیروں کے سامنے آپ کی سیرت کے پہلو آئے تو وہ لوگ جو ذرا بھی دل میں انصاف کی رمق رکھتے تھے، وہ باوجود اختلافات کے آپ کی سیرت کے حسین پہلوؤں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔"

(خطبہ جمعہ 5/اکتوبر 2012ء)

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:

"آپؐ کی ابتدائی حالت میں کوئی آپؐ پر میلا ڈالتا، کوئی دھکا دیتا، کوئی گلے میں پٹکا ڈالتا۔ غرض کوئی تکلیف نہ ہوتی جو پہنچائی نہ جاتی اور کوئی سخت سلوک نہ تھا جو آپؐ کے ساتھ کیا نہ گیا۔ کیا اُس وقت کی حالت کے دیکھنے سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج جس کو ذلیل سمجھا جاتا ہے وہی دنیا میں سب سے زیادہ عزت دار ہو گا۔ آج جس کے گلے میں پٹکا ڈالا جاتا ہے وہی ہو گا جس کے آگے دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کی گردنیں جھک جائیں گی... ہرگز نہیں۔ اس کے گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ وہ شخص جسے ہر شخص پاگل خیال کرتا اس قدر بڑھے گا کہ دنیا کے عقلمند، دنیا کے طاقتور، دنیا کے عزت دار اس کی غلامی کو فخر سمجھیں گے۔ مگر وہ بڑھا، اس کی تعلیم دنیا کے گھر گھر میں پھیل گئی، بڑے بڑے بادشاہ اس کی غلامی کو فخر سمجھنے لگ گئے۔ اور یہ سب اس لیے ہوا کہ اس نے نہایت تاریکی کے دنوں میں خدا کا نام لیا اور خدا نے اسے روشن کرنے کا وعدہ کیا۔"

(الفضل 9 نومبر 1926ء صفحہ 7)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے، اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُرزور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسانِ کامل کہلایا...وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ وہ

مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خدا! اِس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔"

(اتمام الحجہ، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 308)

ہیچ محبوبے نماند ہمچو یار دلبرم
مہر و مہ را نیست قدرے در دیارِ دلبرم
آں کجا رُوئے کہ دارد ہمچو رُویش آب و تاب
واں کُجا باغے کہ مے دارد بہارِ دلبرم

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اول صفحہ 597-598 حاشیہ)

کہ میرے محبوب جیسا کوئی نہیں ہے۔ اس کے ہاں چاند اور سورج کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ ایسا چہرہ کہاں کہ اس جیسی آب و تاب رکھتا ہو اور ایسا باغ کہاں جو میرے محبوب جیسی بہار رکھتا ہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(تیار کردہ: زاہد محمود)

﴿5﴾ ﴿مشاہدات۔488﴾

اسلام، محمد رسول اللہ کا مدرسہ ہے
(حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 31)

ترجمہ: محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کفار کے مقابل پر بہت سخت ہیں (اور) آپس میں بے انتہا رحم کرنے والے۔

واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اُس کو فنا نہیں
سب خیر ہے اِسی میں کہ اس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اُسی کو یارو! بتوں میں وفا نہیں

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ "اسلام، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ ہے" ہے۔

آپؓ نے یہ الفاظ اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ یکم اگست 1919ء میں اُس وقت مدرسہ احمدیہ قادیان اور تعلیم الاسلام ہائی اسکول قادیان کے طلبہ اور اساتذہ کو مخاطب ہو کر بیان فرمائے جب وہ موسمِ گرما کی رخصتوں پر اپنے اپنے گھروں کو جارہے تھے۔ حضورؓ نے فرمایا کہ آپ انجمن کے ماتحت چلنے والے مدرسہ اور اسکول سے ملنے والی رخصتوں پر جارہے ہیں جن میں آپ نہ پڑھائی کریں گے اور نہ مدرسہ کے قواعد وضوابط کے آپ پابند ہوں گے لیکن آپ تمام طلبہ و اساتذہ ایک اور ایسے مدرسہ کے بھی طالب علم ہیں جو اسلام کے

نام سے موسوم ہے جس کے پرنسپل اور ہیڈ ماسٹر سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جس کے اصول اور قواعد و ضوابط وہ احکامِ خداوندی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ اسلام کے اِس مدرسہ ، اسکول ، کالج اور یونیورسٹی میں کوئی رخصت نہیں۔ نہ نماز میں رخصت ہے ، نہ تلاوتِ قرآن میں، نہ حقوقُ اللہ اور حقوقُ العباد کی ادائیگی میں اور نہ دیگر امور میں۔ ہاں اس مدرسہ سے تب رخصت ملے گی جب تم وفات پا کر اِس سے الگ ہو جاؤ گے پھر سوتے رہنا جب تک ہو سکے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفصیل میں فرماتے ہیں:

”ہر ایک مدرسہ کے لیے جُدا جُدا ہیڈ ماسٹر ہیں۔ پس تمہیں چھٹی مدرسہ احمدیہ یا تعلیم الاسلام ہائی سکول میں جو پڑھائی ہوتی ہے اُس سے ملتی ہے لیکن **اسلام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ** ہے۔ اُس کے احکام سے چھٹی نہیں ملتی۔ اِس مدرسہ کے بانی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں .... یہ کالج جو ہے یہ کسی انجمن کے سپرد نہیں اس کے پہلے پرنسپل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن آپ کو بھی اِس کے قواعد بنانے میں کوئی اختیار نہیں کیونکہ یہ وہ یونیورسٹی ہے جس کے تمام اصول و قواعد و احکام، خدا کی طرف سے آئے ہیں۔ پس اس کالج کے پرنسپل کو بھی یہ اتھارٹی حاصل نہیں کہ وہ اس کے اُصول و قواعد میں تغیّر کر سکے کیونکہ اس کے اُصول و قواعد تمام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ فروعی باتوں میں اِن خدائی اُصول کے ماتحت خدا کے رسول کچھ کر سکتے ہیں مگر اُصول میں نہیں۔ پس اِن احکام میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ پہلے پرنسپل تھے کچھ تغیّر کر سکتے تھے نہ مسیح موعود کو یہ اختیار تھا کہ وہ ان احکام کو بدل سکیں اور بالآخر اسلامی شریعت کے انتظام کے ماتحت خلیفہ کی بھی ایک بڑی پوزیشن ہوتی ہے اِس کو بھی اس کا اختیار نہیں کہ وہ کچھ کمی وبیشی کر سکے اور ایک انچ اِن احکام سے اِدھر اُدھر ہو جائے بلکہ جس طرح تم پابند ہو شریعت کے ، ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے حکم کے اِسی طرح خلیفہ بھی پابند ہے۔ اس کو جو درجہ حاصل ہے وہ محض یہ ہے کہ ان احکام پر لوگوں کو چلائے۔ اُسے یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ بدل دے۔ یہ ورثہ اس کو اعلیٰ حکّام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعودؑ سے ملا ہے پس اِس مدرسہ کے قانون اَور رنگ رکھتے ہیں۔ تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ چھٹیاں مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی اسکول سے ہیں۔ اسلام کے مدرسہ سے چھٹی نہیں ہوئی اور نہ کوئی دے سکتا ہے۔ ان چھٹیوں میں اجازت

ہے کہ تم اپنے سبقوں کو چھوڑ دو۔ مگر یہ نہیں کہ نمازوں کو بھی چھوڑ دو۔ یہ اجازت ہے کہ اپنے اوقات کو کھیل کود میں صَرف کرو۔ مگر یہ اجازت نہیں کہ بداخلاقی اور آوارگی اختیار کرو اور پھر یہ بھی اجازت ہے کہ اگر کوئی گھنٹی بجے تو تم مدرسہ میں نہ جاؤ لیکن یہ نہیں کہ مسجدوں میں گھنٹی (اذان مراد ہے۔ مرتب) ہو تو نہ جاؤ۔

یہ کام جاری رہیں گے۔ ان میں بھی ایک رخصت ہوتی ہے مثلاً ظہر کے بعد عصر تک کے وقفہ میں چھٹی ہے۔ عصر سے مغرب تک۔ مغرب سے عشاء تک اور عشاء سے صبح تک اور اس کا یہ دور ایک دو مہینہ یا سال دو سال کے بعد پورا نہیں ہو جاتا بلکہ جب تک تم طبعی عمر کا دور پورا کر کے خدا کے حضور جاؤ گے تب وہ رخصت تمہیں مل جائے گی اور پھر وہ رخصت ایسی ہوگی جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اس محنت کے بعد تمہیں آرام ملے گا یہ چھٹیاں جو ہوتی ہیں اُن میں کوئی شخص ذمہ داری نہیں لے سکتا کہ تم بیمار نہ ہو گے یا تمہارا کوئی عزیز قریب بیمار نہ ہوگا لیکن اس یونیورسٹی کا مالک یعنی خدا ذمہ لیتا ہے کہ وہ جو چھٹیاں دے گا ان میں تم آرام ہی آرام پاؤ گے اور تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔

بس اس بات کو یاد رکھو کہ مدرسہ احمدیہ اور تعلیم الاسلام ہائی اسکول کی چھٹیاں اور اس اسلام کے مدرسہ کی چھٹیاں دونوں مختلف ہیں اور مختلف اوقات میں آتی ہیں۔ تمہیں جو چھٹی ہوگی وہ اِن مدارس سے ہوگی لیکن اس سے نہیں ہے کہ اخلاقی تعلیم کو فراموش کر دو۔ شریعت کے احکام بُھلا دو۔ والدین کی فرمانبرداری چھوڑ دو۔ زبان اور ہاتھ اور جسم کو بدی سے نہ روکو۔

سنا ہے کہ بعض لڑکے چھٹیوں میں نمازیں چھوڑ دیتے ہیں اور آوارہ ہو جاتے ہیں۔ اِن کو سوچنا چاہیے کہ چھٹیاں تو ہوئی ہیں مگر کس مدرسہ میں۔ اسلام کے مدرسہ سے ایسی انہیں چھٹی نہیں ملی۔ اس کی چھٹی کا وقت تو موت کے وقت آتا ہے۔ یہ چھٹیاں تو ایسی ہیں کہ ان کے بعد زیادہ پڑھنا پڑے گا اور ان چھٹیوں میں بھی دو ایک گھنٹہ محنت کرنی پڑے گی۔ مگر ان چھٹیوں کے بعد تمہارے لئے کوئی محنت و مشقت نہیں ہوگی۔ آرام ہی آرام ہوگا پھر ان چھٹیوں میں ذمہ داری نہیں لی جاتی کہ تم ضرور آرام ہی کرو گے۔ مگر خدا کے ہاں یہ ذمہ داری لی جاتی ہے کہ تم ضرور آرام ہی پاؤ گے۔ پس مَیں طالب علموں اور مدرسوں کو نصیحت

کرتا ہوں کیونکہ بعض مدرس بھی گھروں میں جا کر سُست ہو جاتے ہیں۔ باہر جا کر تم بتادو کہ قادیان میں رہ کر تعلیمِ دین نے تم میں کیا تغیّر پیدا کر دیا ہے۔“

(الفضل 12 اگست 1919ء)

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کے عنوان میں تین الفاظ قابلِ غور ہیں یعنی نمبر 1 اسلام نمبر 2 حضرت محمدؐ اور نمبر 3 مدرسہ۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اِس کے معانی امن اور سلامتی کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:20) کہ یقیناً دین، اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام کو لانے والے ہیں۔ محمدؐ کے معانی ہیں جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَالْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ (محمد:3) کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور اس پر ایمان لائے جو محمدؐ پر اُتارا گیا اور وہی اُن کے رب کی طرف سے کامل سچائی ہے۔

آج کے عنوان میں تیسرا لفظ ”مدرسہ“ ہے۔ جس پر زور دینا مقصود ہے۔ کیونکہ ساری تقریر کا دارومدار اِسی لفظ پر ہے۔ مدرسہ ایک اسلامی اصطلاح ہے جو بنیادی تدریس گاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے ماں کی گود کو بھی مدرسہ کہا گیا ہے یا مدرسہ کو ماں قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں مدرسہ میں ابتدائی طور پر قرآن وحدیث پڑھائی جاتی رہی۔ زمانے کی ضروریات کے پیشِ نظر آہستہ آہستہ دیگر علوم بھی پڑھائے جانے لگے۔ ماڈرن دَور میں اِسے اسکولز، انسٹیٹیوٹز، کالجز اور یونیورسٹیز کا نام دے دیا گیا۔ کسی نے مدرسہ کو ایسا کارخانہ قرار دیا ہے جہاں خام مال کو بھٹیوں سے گزار کر کُندن بنا کر کار آمد اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔ اِسی طرح مدرسہ بھی ناپختہ دماغوں کو ایک مضبوط سوچ عطا کرتا ہے۔ آج کل مسلم ایشیائی دُنیا میں مدرسہ کا غلط استعمال ہو رہا ہے اور ناپختہ دماغوں کو اپنے مفاد میں استعمال کرنے کے لیے دہشت گردی کی تعلیم دیتے ہیں۔ احمدیوں کے بہیمانہ قتل میں بھی ایسے ہی مدرسوں سے فارغ التحصیل طلبہ ملوث ہوتے ہیں جن کو جنت کی ترغیب دی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”جو بچے ابتدائی مرحلہ میں مدرسہ میں بٹھائے جاتے ہیں اُن کے لئے اَور کتابیں ہوتی ہیں اور پھر جب اچھی طرح حروف شناس ہو جاتے ہیں تو پھر اَور کتابیں اُن کو دی جاتی ہیں اور پھر جب استعداد اُس سے بھی بڑھ جاتی ہے تو دوسری کتابیں حسب استعداد ان کو دی جاتی ہیں اور سب کے بعد انتہائی کتاب کا وقت آتا ہے اور چونکہ خدا اپنی تعلیم میں گڑبڑ ڈالنا نہیں چاہتا اس لئے پیش از وقت کوئی قانون الہامی انسانوں کو نہیں دیتا کیونکہ جن تغیرات کا ابھی انسان کو علم ہی نہیں اُن تغیرات کے موافق انسان کو قانون دینا گویا اس کو سخت پریشانی میں ڈالنا ہے۔“

(روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 107)

سامعین! تقریر کے آغاز پر ہم حضرت مصلح موعودؓ کا جو ارشاد سن آئے ہیں اُس میں حضورؓ نے فرمایا ہے کہ اِس مدرسہ ، کالج اور یونیورسٹی کے تمام اصول و قواعد و احکام ، خدا کی طرف سے آتے ہیں ۔ کسی کو نئے قواعد بنانے کی اجازت نہیں۔ آج مَیں اپنی تقریر کو اِسی محور کے ارد گرد رکھوں گا اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو معاشرتی ، اخلاقی ، سماجی اور روحانی اصول و قواعد و ضوابط اور احکام نازل فرمائے ہیں۔ اُنہی میں سے چند کا ذکر کروں گا ورنہ تو یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ اِس پر کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ احکامِ خداوندی کے حوالہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں ہیں اور باقی سب اِس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو اور ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 26)

پیارے سامعین! اس مدرسہ کا پہلا بنیادی اصول اللہ کی توحید پر ایمان اور اُس کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ القصص آیت 89 میں فرمایا ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُس کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اُسی کی حکومت دائمی ہے اور ہم سب کو اُسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت کے قیام کے سب سے پہلے تو اس مدرسہ کے لئے ہر طالب علم کو اللہ کی دی ہوئی تمام ہدایات پر عمل کرنا ہے بالخصوص اُن پانچ امور کو حرزِ جان بنانا ہے جو ارکانِ اسلام میں درج ہیں۔ یعنی کلمہ طیبہ کا اقرار، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ ان تمام امور کا لُبِّ لباب محض اور محض خدا کی توحید کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ نمازوں کے لئے جمع ہونے والی جگہ مساجد کے حوالہ سے فرماتا ہے۔ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن:19) کہ مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو اور اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر نماز کے قیام کے سلسلہ میں مومنوں کو ہدایت فرمائی کہ نماز کو قائم کرو یقیناً یہ بے حیائی اور ناپسندیدہ بات سے روکتی ہے۔ شرک بھی ناپسندیدہ باتوں میں سے ایک ہے جو نماز کے قیام سے ایک مومن کے قریب نہیں آتا۔ ارکانِ اسلام میں بیان باقی عبادات کا بھی اگر خلاصہ نکالیں تو وہ توحید کا قیام ہے۔ یہی وہ بنیادی ستون ہیں جس پر اسلام کے مدرسہ کی عمارت کھڑی ہے۔ جس کے پرنسپل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کے سب سے بڑے پرستار تھے۔ اللہ کو ایک مانتے تھے اور مدرسہ کے تمام باسیوں کو اِس کی تعلیم دیتے تھے۔

سامعین! اسلام کے مدرسہ کے ارکانِ اسلام کے بعد ایمانیات کی طرف آئیں تو سورۃ النساء آیت 137 کے مطابق اللہ، اُس کے رسول، اُس کی کتاب، اُس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لانا ہے۔ ان تمام امور پر ایمان بھی توحید باری تعالیٰ کی طرف مومن کو لے کر جاتا ہے کیونکہ اللہ کے تمام رسول اور اللہ کی تمام کتابیں توحید کا ہی سبق دیتی رہیں۔ اِسی آیت میں جو بڑی بات ہے وہ رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر نازل ہونے والی آخری کتاب پر کامل ایمان ہے۔ جو راہِ نجات ہے۔ جس میں گزشتہ صحیفوں کی ہر بہترین تعلیم موجود ہے (الاعلیٰ:19-20) اور جس عظیم ہستی پر یہ قرآن نازل ہوا۔ اُس کا فعل خدا کا فعل قرار دیا گیا (الانفال:18) اُس کی بیعت کو اللہ کی بیعت کہا گیا (الفتح:11) اُس کی اطاعت، اللہ کی اطاعت قرار پائی۔ (النساء:81)۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے فرمایا:

”حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اتنا بلند تھا کہ کامل طور پر آپؐ اللہ تعالیٰ کے ہو گئے تھے اوراسی وجہ سے آپؐ کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا آنا تھا۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرنا تھا۔“

(ترجمہ قرآن کریم صفحہ 920)

سامعین ! آپ خوش قسمتی سے جس مدرسہ کے طالب علم ہیں اُس کے نصاب میں سب سے اول کتاب جس کی تدریس ہوتی ہے وہ قرآن کریم ہے۔ اس مدرسہ کے پرنسپل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ کہ اُس کے اخلاق عین قرآن کے مطابق تھے۔ اس لیے قرآن کریم کو اگر سمجھنا ہے تو اپنے پرنسپل صاحب کا کردار اور چال چلن دیکھ لو۔ ہم سب کو بطور طلبہ مدرسہ اسلام کے پرنسپل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور نمونہ کو اپنا کر قرآن کریم میں بیان تمام اخلاق کو اپنانا ہو گا تاہم بطور مربی بمعنی تربیت کرنے والے کے دوسروں کے لیے نمونہ بن سکیں۔ ہمیں نفع رساں وجود بننا ہو گا۔ ہمیں درگزر سے کام لینا ہو گا۔ لوگوں سے نرم لہجہ سے گفتگو کرنی ہو گی۔ ہمیں اپنی آوازوں کو دھیمارکھنا ہو گا۔ خدا کے بندوں سے شفقت اور محبت کا سلوک کرنا ہو گا۔ ایثار، صلح، رحم، صبر، عہد کو پورا کرنا اور قولِ سدید اختیار کرکے قولِ زور، بہتان تراشی، اِتہام، بدظنی، تجسس، غیبت، لغویات، تمسخر، تکبر، فسق وفجور وغیرہ کو خیر باد کہنا ہو گا۔

سامعین !اس الٰہی مدرسہ کے طالب علموں کے فرائض میں ہدایت اور نیکی کی طرف اپنے ساتھیو کو بلانا اور انہیں نیکی کی ترغیب دلانا بھی ہے۔ گویا اصلاح وارشاد کرنا ہمارے بڑے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:105)چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو وہ بھلائی کی طرف بُلاتے رہیں۔ اچھی باتوں کی تعلیم دیں اور بُری باتوں سے روکیں۔ تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا فریضہ کا آغاز سب سے پہلے خود اپنے سے کرکے اپنے عزیز واقارب اور اپنے پیاروں کو اسلام احمدیت کی طرف دعوت دینی ہے۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامیں رکھنا ہے۔ یہ اللہ کی رسی سے خلافت بھی مراد ہے۔ ایک تو وہ خلیفہ جو

براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس نے اس مدرسہ کے پرنسپل کی معاونت کی اور گمشدہ ایمان کو از سر نو دلوں میں جاگزیں کیا۔ پھر وہ خلافت جو اس خلیفہ کے ذیل میں قائم ہوئی اور کامیابی سے اس مدرسہ کے تمام اصول و قواعد کا پابند رہ کر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ کی اس رسی کو تھامے رکھنا ہے تا ہم اس مدرسہ کے پرنسپل سے فیض پاتے رہیں۔ اس خلافت کے فیوض میں سے خدا کی توحید کا قیام ہے۔ نمازوں کا قیام ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔ رسولؐ کی کامل اطاعت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں۔ علمیت کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں۔ ایسے ہوں جو نخوت اور تکبر سے بکلی پاک ہوں اور ہماری صحبت میں رہ کر یا کم از کم ہماری کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔“

قرآن کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا، پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق وسداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

《6》 《مشاہدات۔516》

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خشیتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ خَشۡیَۃِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ۔ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ۔ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ بِرَبِّہِمۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ۔ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّقُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ اَنَّہُمۡ اِلٰی رَبِّہِمۡ رٰجِعُوۡنَ۔ اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَہُمۡ لَہَا سٰبِقُوۡنَ (المومنون:58تا62)

ترجمہ: یقیناً وہ لوگ جو اپنے رب کے رعب سے ڈرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے اور وہ لوگ کہ جو بھی وہ دیتے ہیں اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس خیال سے ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ یقیناً اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور وہ ان میں سبقت لے جانے والے ہیں۔

دَر دِلم جوشد ثنائے سَروَرے
آنکہ دَر خُوبی نَدارد ہمسَرے
آنکہ جانَش عاشِق یارِ اَزل
آنکہ رُوحش واصلِ آن دِلبرے

(براہین احمدیہ حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 17)

میرے دل میں اس سردار آقاؐ کی تعریف جوش مار رہی ہے، جو خوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ وہ جس کی جان خدائے ازل کی عاشق ہے، وہ جس کی رُوح اس دلبر سے واصل ہے۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خشیتِ الٰہی''

سب سے پہلے تو یہ واضح کر دوں کہ خشیت کیا ہے۔ عربی زبان میں ڈرنے کے لیے عموماً دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک خوف اور دوسرا خشیت۔ اردو میں دونوں کا ترجمہ ڈر اور خوف ہی کیا جاتا ہے لیکن در حقیقت ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔

دراصل خوف کہتے ہیں کسی چیز کے آثار اور نتائج سے آنے والے خطرہ کا اندیشہ کرنا۔ جیسے کسی دشمن، درندے یا کسی تکلیف دہ چیز سے ڈرنا، خوف کہلاتا ہے۔ اس کی ضد امن ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَّاٰمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ اور خشیت اُس ڈر کو کہتے ہیں جو کسی ذات کی انتہائی عظمت اور محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس ڈر کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس ذات کی رضا اور خوشی کی ہر وقت فکر لاحق رہتی ہے اور اس کی ناراضگی کے اندیشہ سے بھی انسان بچتا ہے۔ یہی خشیت بندہ کو بارگاہ خداوندی میں کامل اور مقبول بنادیتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تقویٰ اور خدا ترسی علم سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:29) یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو عالِم ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم خَشْيَةَ اللّٰه کو پیدا کر دیتا ہے اور خدا تعالیٰ نے علم کو تقویٰ سے وابستہ کیا ہے کہ جو شخص پورے طور پر عالم ہو گا اُس میں ضرور خَشْيَةَ اللّٰه پیدا ہو گی.... اس جگہ علم سے مراد علم القرآن ہی ہے جس سے تقویٰ اور خشیت پیدا ہوتی ہے"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 599)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"خشیت اُس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی عظمت کی وجہ سے پیدا ہو اور صرف کسی کی اپنی کمزوری کی وجہ سے یہ ڈر پیدا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی خشیت یقیناً ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار بھی ہے اور ایک کمزور بندے کی اپنی کم مائیگی کا اظہار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کیا ہے؟ یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ سب طاقتوں کا مالک ہے اور اُس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہر چیز اُس کی پیدا کردہ ہے اور اُس کے ذریعہ سے

قائم ہے۔ اُسی کی ملکیت ہے اور اُس کے چاہنے سے ہی ملتی ہے۔ پس جب ایسے قادر اور مقتدر خدا پر ایمان ہو اور اُس کی خشیت دل میں پیدا ہو تو پھر ہی انسان اُس کی قدرتوں سے حقیقی فیض پا سکتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 3 اگست 2012ء)

سامعین کرام! آیئے۔ کچھ مثالوں سے ہم اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کو دیکھتے ہیں جو ہمیں قدم قدم پر آپؐ کا خشیت الٰہی دکھاتا ہے۔ دیکھیں! کیسی معرفت تھی، کیسی احتیاط تھی، کس طرح خدا تعالیٰ سے خائف رہتے تھے اور باوجود اس کے کہ تمام انسانوں سے زیادہ آپؐ کامل تھے اور ہر قسم کے گناہوں سے آپؐ پاک تھے۔ خود اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ و نگہبان تھا مگر باوجود اس تقدیس اور پاکیزگی کے یہ حال تھا کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے نیکی پر نیکی کرتے، اعلیٰ سے اعلیٰ اعمال بجالاتے، ہر وقت عبادت الٰہیہ میں مشغول رہتے مگر باوجود اس کے ڈرتے اور بہت ڈرتے۔ اپنی طرف سے جس قدر ممکن ہے احتیاط کرتے مگر خدا تعالیٰ کے غناء کی طرف نظر فرماتے اور اس کے جلال کو دیکھتے تو اس بارگاہ صمدیت میں اپنے سب اعمال سے دستبردار ہو جاتے اور استغفار کرتے اور جب موقع ہوتا توبہ کرتے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ خدا کی قسم! میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی کمزوریوں سے عفو کی درخواست کرتا ہوں اور اس کی طرف جھک جاتا ہوں۔

(بخاری کتاب الدعوات باب استغفار النبیؐ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح استغفار اور توبہ کرنا بتاتا ہے کہ خشیت الٰہی آپؐ پر اس قدر غالب تھی کہ آپؐ اس کے جلال کو دیکھ کر بے اختیار اس کے حضور میں گر جاتے کہ انسان سے کمزوری ہو جانی ممکن ہے تُو مجھ پر اپنا فضل ہی کر۔

اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین وجود اور اپنے صحابہ کے لئے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ کا خطاب پانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل اللہ کی خشیت سے بھرا ہوا تھا آپ کے دل میں خدا کی عظمت اس قدر تھی اور آپؐ اس کی بے نیاز ذات سے اس قدر خائف رہتے کہ اگر آندھی کے آثار دیکھتے تو آپؐ کا چہرہ متغیر ہو جاتا۔ حضرت عائشہؓ سے ایک دفعہ فرمایا۔ اے عائشہ! کیا پتا کہ اس آندھی میں ایسا عذاب پوشیدہ ہو جس

سے ایک گزشتہ قوم ہلاک ہو گئی تھی اور ایک قوم نے کہا تھا یہ تو بادل ہے جو بارش لے کر آیا ہے مگر وہ دردناک عذاب لے کر برسا۔

(بخاری کتاب التفسیر)

آپؐ ساری رات عبادت میں روتے روتے سجدہ گاہ تر کر دیتے تھے۔ آپؐ دعا کیا کرتے تھے کہ میرے اللہ تیری خاطر میں نے رکوع کیا تجھ پر میں ایمان لایا اور تیرا ہی میں فرمانبردار ہوں اور تجھی پر میرا توکل ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے میرے کان، میری آنکھیں، میرا گوشت، میرا خون، میری ہڈیاں، میرا دماغ اور میرے اعصاب اس اللہ کی اطاعت میں جھکے ہوئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(صحیح مسلم)

صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کی گریہ وزاری اور خشوع وخضوع کی یہ حالت تھی کہ آپؐ کے سینہ سے گڑگڑانے کی آواز سنی جاسکتی تھی جو ہنڈیا کے ابلنے کی آواز سے مشابہ ہوتی تھی۔

(مسند احمد جلد 4 مطبوعہ مصر)

سامعین! بدر کے دوران جب کہ دشمن کے مقابلہ میں آپؐ اپنے جاں نثار بہادروں کو لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ تائید الٰہی کے آثار ظاہر تھے۔ کفار نے اپنا قدم جمانے کے لئے پختہ زمین پر ڈیرے لگائے تھے اور مسلمانوں کے لئے ریت کی جگہ چھوڑ دی تھی لیکن خدا نے بارش بھیج کر کفار کے خیمہ گاہ میں کیچڑ ہی کیچڑ کر دیا اور مسلمانوں کی جائے قیام مضبوط ہو گئی۔ اسی طرح اور بھی تائیدات سماویہ ظاہر ہو رہی تھیں۔ لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ کا خوف ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب تھا کہ سب وعدوں اور نشانات کے باوجود اس کے غنا کو دیکھ کر گھبراتے تھے اور بے تاب ہو کر اس کے حضور میں دعا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو فتح دے۔ آپؐ یہ دعا کر رہے تھے اور اس الحاح کی کیفیت میں آپؐ کی چادر بار بار کندھوں سے گر جاتی تھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَنْشُدُ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ اللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِکَ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃُ مِنْ اَھْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ

(تاریخ طبری)

کہ اے میرے خدا! اپنے وعدہ کو اپنی مدد کو پورا فرما۔ اے میرے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت آج ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

اس وقت آپؐ اس قدر کرب کی حالت میں تھے کہ کبھی آپؐ سجدہ میں گر جاتے اور کبھی کھڑے ہو کر خدا کو پکارتے تھے اور آپؐ کی چادر آپؐ کے کندھوں سے گر پڑتی تھی۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں مجھے لڑتے لڑتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آتا اور میں دوڑ کے آپؐ کے پاس پہنچ جاتا تو دیکھتا کہ آپؐ سجدہ میں ہیں اور آپؐ کی زبان پر یا حیّ، یا قیوم کے الفاظ جاری ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ جوش فدائیت میں آپؐ کی اس حالت کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ گھبرائیں نہیں ۔ اللہ ضرور اپنے وعدے پورے کرے گا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دعا و گریہ و زاری میں مصروف رہے۔ آپؐ کے دل میں خشیت الٰہی کا یہ گہرا احساس مضمر تھا کہیں خدا کے وعدوں میں کوئی ایسا پہلو مخفی نہ ہو جس کے عدم علم سے تقدیر بدل جائے۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ باب فی درع النبی)

سامعین! دیکھیں یہ ہے ہمارے پیارے رسولؐ کا اسوہ اور خشیت الٰہی کہ کہیں میری جماعت خدا کے عذاب کا شکار نہ ہو جائے اور اگر ہم آج کل کا دَور دیکھیں تو ہونے والی جنگیں اپنے مفاد کی خاطر ہو رہی ہیں جن میں قومیں تباہ ہو رہی ہیں اور جنگ کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ خدا تعالیٰ کی مخلوق تباہ ہو رہی ہے ان کے دلوں میں کوئی خدا کا خوف نہیں صرف اپنے ہتھیار بیچنے اور اپنی ملکیت بڑھانے کا احساس ہے دنیا پر حکومت کرنے کا طاقت کا نشہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حجۃ الوداع کا یہ خوبصورت منظر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کی طرف منہ کیا پھر اپنے ہونٹ اس پر رکھ دیئے اور دیر تک روتے رہے پھر اچانک توجہ فرمائی تو حضرت عمر بن خطابؓ کو روتے دیکھا اور فرمایا اے عمر! یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ کی محبت اور خوف سے آنسو بہائے جاتے ہیں۔

(ابن ماجہ)

حجتہ الوداع کے موقع پر دعا کرتے ہوئے آپؐ نے اپنے مولیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے اللہ! تُو میری باتوں کو سنتا ہے اور میرے حال کو دیکھتا ہے۔ میری پوشیدہ باتوں اور ظاہری امور سے تو خوب واقف ہے۔ میرا کوئی بھی معاملہ تجھ پر کچھ بھی تو مخفی نہیں۔ مَیں ایک بدحال فقیر اور محتاج ہوں۔ تیری مدد اور پناہ کا طالب، سہما اور ڈرا ہوا، اپنے گناہوں کا اقراری ہوں اور معترف ہو کر مَیں تیرے پاس آیا ہوں۔ میں تجھ سے ایک عاجز مسکین کی طرح سوال کرتا ہوں۔ تیرے حضور مَیں ایک ذلیل گنہگار کی طرح زاری کرتا ہوں۔ ایک اندھے نابینا کی طرح خوفزدہ تجھ سے دعا کرتا ہوں۔ میری گردن تیرے آگے جھکی ہوئی ہے۔ میرے آنسو تیرے حضور بہ رہے ہیں۔ میرا جسم تیرا مطیع ہو کر سجدے میں گرا پڑا ہے اور ناک خاک آلودہ ہے۔ اے اللہ! تُو مجھے اپنے حضور دعا کرنے میں بدبخت نہ ٹھہرا دینا۔ میرے ساتھ مہربانی اور رحم کا سلوک فرمانا۔ اے وہ جو سب سے زیادہ التجاؤں کو قبول کرتا ہے اور سب سے بہتر عطا فرمانے والا ہے، میری دعا قبول کر لینا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 11 صفحہ 140)

سامعین! یہ وہ دعا ہے جو عاجزی اور خَشْیَۃ اللہ کی اُن بلندیوں تک پہنچی ہوئی ہے جو آپؐ کی خشیت کا ایک کامل نمونہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں خشیتِ الٰہی کی صفت پیدا کرنے کے لئے ایک دفعہ انہیں یہ کہانی سنائی کہ ایک شخص نے بوقت موت اپنے اہل خانہ کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد لکڑیاں جمع کر کے آگ جلانا جب میں جل کر راکھ ہو جاؤں تو خاک سمندر میں ڈال دینا۔ اولاد نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خاک جمع کی اور اس سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا اے میرے ربّ! تیرے ڈر اور خوف سے ایسا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جواب سن کر اسے بخش دیا۔

(بخاری)

سورۃ المومنون کی جو آیات خاکسار نے ابتداء میں بیان کی ہیں اُن آیات کو سن کر حضرت عائشہؓ کے دل میں ایک سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے، چوری (وغیرہ گناہ) کرتے اور پھر اللہ سے ڈرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن

کی عملی تفسیر تھے۔ آپؐ سے بڑھ کر کون اِن آیات کی حقیقت بیان کر سکتا تھا۔ آپؐ نے کیا خوب فرمایا "اے صدّیق کی بیٹی! یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نمازیں پڑھتے اور صدقات دیتے ہیں مگر پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نیکیاں غیر مقبول ہو کر ردّ ہو جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں سبقت کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔"

(ترمذی کتاب تفسیر القرآن باب سورۃ المؤمنون)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب (سورۂ نجم کی آخری) آیت اُتری اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِيۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ وَتَضۡحَكُوۡنَ وَلَا تَبۡكُوۡنَ۔ یعنی کیا تم اس بات (یا کلام) سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو روتے نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ غریب صحابہ جن کا مسجد نبوی کے چبوترے پر بسیرا ہوتا تھا اور اصحاب صُفّہ کہلاتے تھے، بہت روئے۔ یہاں تک کہ ان کے آنسو سے رخسار بھیگ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آہ وزاری سنی تو ان کے ساتھ مل کر رونے لگے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں ہم حضورؐ کو روتا دیکھ کر اور رونے لگے۔ تب آپؐ نے فرمایا جو شخص اللہ کی خشیئت سے رویا وہ آگ میں داخل نہ ہوگا۔

(بیہقی شعب الایمان جلد صفحہ 479)

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد خلاف معمول بڑی تیزی سے صحابہ کی صفیں چیرتے ہوئے گھر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے تو ہاتھ میں سونے کی ایک ڈلی تھی۔ فرمایا کچھ سونا آیا تھا وہ مستحقین میں تقسیم ہو گیا۔ یہ سونے کی ڈلی تقسیم ہونے سے رہ گئی تھی۔ نماز میں مجھے خیال آیا تو اسے میں جلدی سے لے آیا ہوں تاکہ قومی مال میں سے کچھ ہمارے گھر میں نہ رہ جائے۔ طہارت نفس اور خوفِ الٰہی کی یہ کیسی بے نظیر مثال ہے۔

(بخاری کتاب الزکوۃ باب من احب تعجیل الصدقۃ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں آپؐ کا رحیم و کریم خدا آپؐ سے ناراض نہ ہو جائے۔ ایک دفعہ حضورؐ بیمار ہو گئے اور دو یا تین راتیں نماز تہجد کیلئے نہ اُٹھ سکے۔ حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے خیال میں آپؐ کے ساتھی (یعنی جبرائیلؑ) کے نزول میں کچھ تاخیر ہو گئی

ہے۔ حضورؐ کو بھی طبعاً فکر ہوئی ہوگی۔ چنانچہ سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی جس میں حضورؐ کو تسلی دیتے ہوئے یہ ارشاد ہے مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں اور نہ وہ تجھ سے ناراض ہوا۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ والضحیٰ)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موت سے بھی کسی وقت غافل نہ رہتے اور خشیت الٰہی آپؐ پر اس قدر غالب تھی کہ ہر روز یہ یقین کر کے سوتے کہ شاید آج ہی موت آجاوے اور آج ہی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا پڑے اور اس لیے آپؐ ایک ایسے مسافر کی طرح رہتے تھے جسے خیال ہوتا ہے کہ ریل اب چلی کہ چلی۔ وہ کبھی اپنے آپ کو ایسے کام میں نہیں پھنسایا کرتے تا کہ جسے چھوڑنا مشکل ہو۔ آپؐ بھی ہر وقت اپنے محبوب کے پاس جانے کے لیے تیار رہتے اور جو دم گزرتا اسے اس کے فضل کا نتیجہ سمجھتے اور موت کو یادرکھتے۔ حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپؐ اپنے بستر پر لیٹتے اپنے رخسار کے نیچے اپنا ہاتھ رکھتے اور فرماتے اے میرے مولا! میرا مرنا اور جینا تیرے ہی نام پر ہو اور جب سو کر اٹھتے تو فرماتے شکر ہے میرے رب کا جس نے ہمیں زندہ کیا مارنے کے بعد اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ہر رات جب بستر پر جاتے تو اپنی طرف سے حساب ختم کر جاتے اور خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو تب بھی تیرے ہی نام پر میری زندگی ہو اور جب اٹھتے تو خدا تعالیٰ کے احسان پر حمد کرتے کہ میں تو اپنی طرف سے دنیا سے علیحدہ ہو چکا تھا تیرا ہی فضل ہوا کہ تو نے پھر مجھے زندہ کیا اور میری عمر میں برکت دی۔

(بخاری کتاب الدعوات باب وضع الید تحت الخد الیمن)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کیا کرتے تھے کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَدُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ۔ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هٰؤُلَآءِ الْاَرْبَعِ۔

کہ اے اللہ! مَیں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے دل سے جو خشوع نہیں کرتا اور ایسی دعا سے جو سنی نہیں جاتی اور ایسے نفس سے جو سیر نہیں ہوتا اور ایسے علم سے جو نفع رساں نہیں ہے۔ مَیں تجھ سے ان چاروں سے پناہ چاہتا ہوں۔ (سنن الترمذی کتاب الدعوات باب 68 حدیث:3482)

سامعین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل دیکھ لیں اس خشیت سے بھرا پڑا ہے۔ خدا تعالیٰ کے خوف سے لرزاں و ترساں ہیں۔ باوجود اس کے کہ خدا تعالیٰ کے مقرب ترین آپؐ ہیں۔ پس یہ اسوہ حسنہ ہے اور یہ خَشْیَۃ اللہ ہے۔ لیکن افسوس کہ آج کے دَور میں خود کو عاشقانِ رسول کہنے والے جب مساجد پر لکھے ہوئے کلمے کو مٹاتے ہیں، مینارے توڑتے ہیں، قبروں کے کتبے اتارتے ہیں، لاشوں کی بے حرمتی کرتے ہیں، نہتے اور مظلوم لوگوں کو شہید کرتے ہیں تو اُن کے دلوں میں کہیں پر بھی خشیت الٰہی نظر نہیں آتی جس کا سبق ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی زبانوں سے جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا، جن کے عمل دنیاوی لالچوں سے باہر نہیں آتے۔ جن کی زبانیں گند کے علاوہ کچھ نہیں بولتیں۔ آجکل پاکستان میں دیکھ لیں بلکہ یہاں یورپ میں بھی اکثر مسجدوں میں خطبات کے دوران جماعت کے خلاف اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے خلاف مغلظات کے علاوہ یہ کچھ نہیں بولتے۔ تو کیا یہ وہ علماء ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے؟ یہ دنیا کو کیا پیغام دے رہے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام تو امن کا پیغام ہے، انسانی ہمدردی کا پیغام ہے، دوسروں کے مذاہب اور عقائد کے احترام کا پیغام ہے وہ پیغام جو دلوں میں خدا کے خوف کو اور بڑھا دیتا ہے اور دنیا کو امن اور آشتی کی طرف لے کر جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اندر وہ خشیت الٰہی پیدا کرنے کی طاقت دے جس کا نمونہ ہمارے لیے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿7﴾ ﴿مشاہدات۔532﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قدوسیت کے مظہرِ اتم

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (النحل:103)

تُو کہہ دے کہ اُسے روح القدس نے تیرے ربّ کی طرف سے حق کے ساتھ اُتارا ہے تاکہ وہ اُن لوگوں کو ثبات بخشے جو ایمان لائے اور فرمانبرداروں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہو۔

محمدؐ عربی بادشاہ ہر دو سرا
کرے ہے روحِ قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قدوسیت کے مظہرِ اتم''

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت قدّوس ہے۔ اَلْقُدُّوْس اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک اسم ہے اور اَلْقُدُّوْس کے معنی ہیں اَلطَّاھِر یعنی تمام عیوب و نقائص سے پاک ہستی اور اَلْمُبارک یعنی بابرکت ذات جس میں تمام قسم کی برکات جمع ہوں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف لغات سے جو معنی اخذ کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اَلْقُدُّوْس تمام پاکیزگیوں کا جامع ہے یعنی صرف عیوب سے ہی مبرّا نہیں ہے، صرف عیوب سے ہی پاک نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی خوبیاں بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی واحد ہستی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت القدوس سے سب سے

زیادہ فیض پایا اور اسے اپنے اوپر لاگو کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے زیادہ آپؐ کو ہی اپنی صفات سے متصف فرمایا۔ آپؐ ہی وہ کامل انسان اور کامل نبی تھے جس نے اللہ تعالیٰ کا رنگ مکمل طور پر اپنے اوپر چڑھایا اور اپنی امت کو بھی مختلف رنگ میں آپؐ نے تلقین و نصیحت فرمائی کہ اُس پاک ذات سے تعلق جوڑنے کے لئے، اس کی برکات سے فیضیاب ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا ہوگا، تبھی تمہارا تعلق مجھ سے اور میرے خدا سے ہو سکتا ہے۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "تم لازم پکڑو تسبیح کو، تہلیل کو اور تقدیس کو"۔ یعنی تسبیح کرو۔ تہلیل یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اور تقدیس کرو یعنی اُس کو پاک اور بے عیب قرار دو اور یہی ایک مومن کی شان ہے۔ اگر ہم صرف زبانی کلامی اس بات کا اعتراف کریں کہ ہم قدوس خدا کے ماننے والے ہیں اور اس رسول کے پیروکار ہیں جس کی قوت قدسی تمام انبیاء سے بڑھ کر ہے اور رہتی دنیا تک اس کے جلوے قائم رہنے ہیں لیکن اگر اپنے آپ کو پاک نہیں کر رہے تو یہ تقدیس نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ:

"لازم پکڑو تسبیح کو، تہلیل کو اور تقدیس کو اور انگلیوں کے پوروں پر گنا کرو، اس لئے کہ قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا اور وہ بولیں گی اور غافل نہ ہو، ورنہ تم رحمت کو بھول جاؤ گی"

(سنن الترمذی کتاب الدعوات باب فی فضل التسبیح والتہلیل والتقدیس حدیث نمبر 3583)

آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے جو قوت قدسیہ عطا فرمائی تھی اس سے آپؐ نے صحابہ کی سوچوں کو، ان کی حالتوں کو اس قدر پاک کر دیا تھا کہ کوئی بھی حکم جو اترتا تھا اور جس کا آپ اعلان فرماتے تھے، صحابہ بغیر کسی چون وچرا کے اس کی تعمیل کیا کرتے تھے۔ کان میں آواز پڑتے ہی اس پر عملدرآمد شروع ہو جاتا تھا۔ یہ تحقیق بعد میں ہوتی تھی کہ حکم کس کے لئے ہے اور کیوں ہے۔ صحابہ کی پاکیزگی کے معیار اس قدر بڑھ گئے تھے کہ جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام اور قوت قدسیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور انفاسِ طیبہ اور جذب الی اللہ کی قوت کا پتہ لگتا ہے کہ کیسی زبردست قوتیں آپؐ کو عطا کی گئی تھیں جو ایسا پاک اور جاں نثار گروہ اکٹھا کر لیا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے جو جاہل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یونہی لوگ ساتھ ہو جاتے ہیں۔ جب تک ایک قوت جذب اور کشش کی نہ ہو کبھی ممکن نہیں ہے کہ لوگ جمع ہو سکیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ آپؐ کی قوت قدسی ایسی تھی کہ کسی دوسرے نبی کو دنیا میں نہیں ملی۔ اسلام کی ترقی کا راز یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ جذب بہت زبردست تھی اور پھر آپؐ کی باتوں میں وہ تاثیر تھی کہ جو سنتا تھا وہ گرویدہ ہو جاتا تھا۔ جن لوگوں کو آپ نے کھینچا ان کو پاک صاف کر دیا اور اس کے ساتھ آپ کی تعلیم ایسی سادہ اور صاف تھی کہ اس میں کسی قسم کے گورکھ دھندے اور معمے تثلیث کی طرح نہیں ہیں"۔ لکھتے ہیں کہ "چنانچہ نپولین کی بابت لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھا اور کہا کرتا تھا کہ اسلام بہت ہی سیدھا سادہ مذہب ہے"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 60 جدید ایڈیشن)

سامعین! آپ علیہ السلام پھر فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہی قوتِ قدسیہ ہے کہ آپ پر ایمان لا کر صحابہ کرامؓ نے یک دفعہ ہی دنیا کا فیصلہ کر دیا۔ جان سے بڑھ کر کیا شئے ہوتی ہے۔ اپنے خون سے دین پر مہریں لگا دیں۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 76 ایڈیشن 1984ء)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بڑے بڑے کام جو میری راہ میں کیے جاتے ہیں جیسے صحابہؓ نے کیے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی جانوں سے دریغ نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں سر کٹوا دینا آسان امر نہیں ہے۔ جس کے بچے چھوٹے چھوٹے اور بیوی جوان ہو جب تک کوئی خاص گرمی اُس کی روح میں پیدا نہ ہو کیونکر انہیں یتیم

اور بیوہ چھوڑ کر سر کٹوا لے۔ اس میں صحابہؓ سے بڑھ کر کوئی نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی اور تزکیہ نفس کی طاقت ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 382 ایڈیشن 1984ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کے بارے میں مزید فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے سورہ ہُود نے بوڑھا کر دیا۔ کیونکہ اس حکم کی رُو سے بڑی بھاری ذمہ داری میرے سپرد ہوئی ہے۔ اپنے آپ کو سیدھا کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پوری فرمانبرداری کرنا، جہاں تک انسان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہے، ممکن ہے کہ وہ اُس کو پورا کرے لیکن دوسروں کو ویسا ہی بنانا آسان نہیں ہے۔ اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور قوّتِ قُدسی کا پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اِس حکم کی کیسی تعمیل کی۔ صحابہ کرامؓ کی وہ پاک جماعت تیار کی کہ اُن کو کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 111) کہا گیا اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کی آواز اُن کو آگئی۔ آپؐ کی زندگی میں کوئی بھی منافق مدینہ طیّبہ میں نہ رہا۔ غرض ایسی کامیابی آپؐ کو ہوئی کہ اُس کی نظیر کسی دوسرے نبی کے واقعاتِ زندگی میں نہیں ملتی۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 180 ایڈیشن 1984ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ قدسی اور قرآن کریم کے مقام کے بارے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

"خاتم النبییّن کا لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا گیا ہے بجائے خود چاہتا ہے اور بالطبع اسی لفظ میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ کتاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے وہ بھی خاتم الکتب ہو اور سارے کمالات اس میں موجود ہوں اور حقیقت میں وہ کمالات اس میں موجود ہیں۔ کیونکہ کلامِ الٰہی کے نزول کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جس قدر قوتِ قدسی اور کمال باطنی اس شخص کا ہوتا ہے، اسی قدر قوت اور شوکت اس کلام کی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور کمال باطنی چونکہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تھا جس سے بڑھ کر کسی انسان کا نہ کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہو گا، اس لئے قرآن شریف بھی تمام

پہلی کتابوں اور صحائف سے اس اعلیٰ مقام اور مرتبے پر واقع ہوا ہے، جہاں تک کوئی دوسرا کلام نہیں پہنچا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد اور قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور تمام مقامات کمال آپؐ پر ختم ہو چکے تھے اور آپؐ انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس مقام پر قرآنِ شریف جو آپؐ پر نازل ہوا کمال کو پہنچا ہوا ہے اور جیسے نبوت کے کمالات آپ پر ختم ہو گئے اسی طرح پر اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے۔ آپ خاتم النبیّین ٹھہرے اور آپ کی کتاب خاتم الکتب ٹھہری۔ جس قدر مراتب اور وجوہ اعجازِ کلام کے ہو سکتے ہیں ان سب کے اعتبار سے آپ کی کتاب انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 26)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہم کس زبان سے خدا کا شکر کریں جس نے ایسے نبی کی پیروی ہمیں نصیب کی جو سعیدوں کی ارواح کے لئے آفتاب ہے جیسے اجسام کے لئے سورج۔ وہ اندھیرے کے وقت میں ظاہر ہوا اور دنیا کو اپنی روشنی سے روشن کر دیا۔ وہ نہ تھکا، نہ ماندہ ہوا جب تک کہ عرب کے تمام حصے کو شرک سے پاک نہ کر دیا۔ وہ اپنی سچائی کی آپ دلیل ہے، کیونکہ اس کا نور ہر ایک زمانہ میں موجود ہے اور اس کی سچی پیروی انسان کو یوں پاک کرتی ہے کہ جیسا ایک صاف اور شفاف دریا کا پانی میلے کپڑے کو۔ کون صدقِ دل سے ہمارے پاس آیا جس نے اس نور کا مشاہدہ نہ کیا اور کس نے صحت نیت سے اس دروازہ کو کھٹکھٹایا جو اس کے لئے کھولا نہ گیا۔ لیکن افسوس کہ اکثر انسانوں کی یہی عادت ہے کہ وہ سفلی زندگی کو پسند کر لیتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ نور ان کے اندر داخل ہو۔"

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 301-303)

آپ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہ السلام کے مقابلہ میں دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ کسی نے آپؐ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا۔ یہودی دنیا کے کتے ہیں۔ عیسائیوں کو دیکھو تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے چشمے سے دُور جا پڑے۔ کوئی حضرت مریم کی پرستش کرتا

ہے، کوئی مسیح کو خدا مانتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت کو اگر دیکھا جاوے تو وہ ہمہ تن خدا ہی کے لیے نظر آتے ہیں اور اپنی عملی زندگی میں کوئی نظیر نہیں رکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور کامیاب زندگی کی تصویر یہ ہے کہ آپؐ ایک کام کے لیے آئے اور اُسے پورا کر کے اُس وقت دنیا سے رخصت ہوئے جس طرح بندوبست والے پُورے کاغذات پانچ برس میں مرتب کر کے آخری رپورٹ کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ اُس دن سے لے کر قُمْ فَاَنْذِرْ کی آواز آئی پھر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کے دن تک نظر کریں تو آپؐ کی لانظیر کامیابی کا پتہ ملتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 60-61)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ جو آپؐ کو قدوس خدا نے عطا فرمائی کے بارے میں عرب کا نقشہ کھینچ کر تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت کے عرب کی حالت کو دیکھو جو برائیوں میں گھرے ہوئے تھے، ہر قسم کی ضلالت و گمراہی ان کی پہچان تھی، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ قوم کبھی پاک ہو سکتی ہے یا ان کو کبھی عقل آ سکتی ہے۔ یا یہ لوگ عام اخلاق کے اختیار کرنے والے بھی بن سکتے ہیں کجا یہ کہ باخدا بن جائیں۔ لیکن جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ جو میرے اس پیارے کے ساتھ تعلق جوڑے گا وہ پاک ہو گا بلکہ روح القدس سے حصہ پائے گا اور دنیا نے پھر دیکھا کہ قوم میں انقلاب آیا۔

اس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

”جو شخص اس بات کو غور کی نظر سے دیکھے کہ انہوں نے اپنی پہلی چراگاہوں کو کیونکر چھوڑ دیا اور کیونکر وہ ہوا و ہوس کے جنگل کو کاٹ کر اپنے مولا کو جا ملے۔ تو ایسا شخص یقین سے جان لے گا کہ وہ تمام قوتِ قدسیہ محمدیہ کا اثر تھا۔ وہ رسول جس کو خدا نے برگزیدہ کیا اور عنایات ازلیہ کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کو سوچ کر صحابہ زمین کے نیچے سے لئے گئے اور آسمان کی بلندی تک پہنچائے گئے اور درجہ بدرجہ برگزیدگی کے مقام تک منتقل کئے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چارپایوں کی مانند پایا کہ وہ توحید اور پرہیزگاری میں سے کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور نیکی

بدی میں تمیز نہیں کرسکتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو انسانیت کے آداب سکھلائے اور تمدن اور بودوباش کی راہوں پر مفصل مطلع کیا"۔

(نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 31-32)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

"تیسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں اللہ جلّشانہٗ نے اپنی عنایت خاص سے کھول رکھا ہے برکات روحانیہ ہیں جس کو اعجاز تاثیری کہنا چاہئے۔ یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زادبوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا ہے۔ اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا۔ غرض ہر یک طرح کی بُری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت وغفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہور ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو، اس سے انکار نہیں کرسکتا اور پھر یہ امر بھی ہر یک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہوگئے اور کیونکر تاثیرات کلام الٰہی اور صحبت نبی معصومؐ نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یکلخت ایسا مبدّل کردیا کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالامال ہوگئے اور محبت دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں، اپنے مالوں، اپنے عزیزوں، اپنی عزتوں، اپنی جان کے آراموں کو اللہ جلّشانہ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔...پس وہ کیا چیز تھی جو اُن کو اتنی جلدی ایک عالَم سے دوسرے عالَم کی طرف کھینچ کرلے گئی۔ وہ دوہی باتیں تھیں ایک یہ کہ وہ نبی معصومؐ اپنی قوت قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا۔ ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا۔ دوسری خدائے قادر مطلق حیّ

وقیّوم کے پاک کلام کی زبردست اور عجیب تاثیریں تھیں کہ جو ایک گروہ کثیر کو ہزاروں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں“

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 76 تا 78 حاشیہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا فیض آج بھی جاری ہے اس زمانے میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ روح القدس کی تائیدات کے نظارے ہم دیکھتے ہیں جیسا کہ مَیں نے کہا تھا کہ آنحضرتؐ کی قوت قدسی اور زندہ اور قدوس خدا کے جلوے ہیں جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ وعدہ فرمایا ہوا ہے کہ اَنَا اللّٰہُ ذُوالْمِنَنْ اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ یعنی مَیں اللہ بہت احسان کرنے والا ہوں مَیں یقیناً اپنے رسول کی مدد کے لئے کھڑا ہوں گا۔ پس یہ سلوک اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کی جماعت کے ساتھ آج بھی چل رہا ہے۔ روح القدس کے ساتھ تائیدات کا فیض آج بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہی سلوک ہیں جس نے آخرین کو اوّلین کے ساتھ ملایا ہوا ہے جو روح القدس کے اس جاری چشمے سے اس زمانے میں بھی اعمال صالحہ بجالانے والے مومنین کو سیراب کرتا ہے، جو اپنی قدوسیت کے جلووں سے اس زمانے کے لوگوں کو بھی فیض پہنچاتا ہے۔ اس زمانے میں بھی آنحضرتؐ کے جاری فیض سے خدا تعالیٰ آپؐ کے عاشق صادق کی جماعت کو فیضیاب کر رہا ہے جس کے نظارے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی ہم دیکھتے ہیں۔ ہر احمدی بلکہ مَیں کہوں گا کہ بعض غیروں نے بھی ایک بار پھر، چند سال پہلے دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں کو پاک کرتے ہوئے اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ روح القدس سے فیض یافتہ ہیں کی سچائی ثابت کرنے کے لئے آپ کے ایک ایک لفظ کو پورا کرتے ہوئے، آپ کے غلام صادق کے الفاظ کو سچ کر دکھاتے ہوئے، قدرت ثانیہ کی برکت سے حصہ دینے کے لئے مومنین کے دلوں کو صرف اور صرف ایک دعا اور پاک خواہش سے بھر دیا کہ اے خدا ہمیں اکیلا نہ چھوڑنا اور خلافت کے نظام کو ہم میں ہمیشہ جاری رکھنا۔ ہر مومن نے اپنے دل کی عجیب کیفیت دیکھی۔ وہ کیا تھی، وہ کیفیت یقیناً خدائے قدوس اور اس کے رسولؐ کی قوت قدسی کا اس زمانے میں اظہار تھا جس نے ان دنوں میں ہر دل کو پاک صاف کیا

ہوا تھا۔ بعض کو اس قدوس خدا نے رؤیا سے نواز کر دلوں کو تسلی اور دلوں کو پاک کرنے کے سامان بھی کئے اور پھر دنیا نے دیکھا کہ خلیفۂ وقت کے لئے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت بھر دی اور خلیفۂ وقت کے دل میں بھی ہمیشہ کی طرح لوگوں کے لئے محبت بھر دی۔ ایک شخص جو جماعت کی اکثریت کیا بلکہ بہت تھوڑی تعداد کو جاننے والا تھا اس کے لئے جماعت کے ہر فرد کو عزیز ترین بنا دیا۔ وہ محبت کے جذبات ابھرے جو سوچے بھی نہیں جاسکتے تھے۔ جماعت اور خلافت ایک وجود کی طرح ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 27 اپریل 2007ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿8﴾ ﴿مشاہدات۔527﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الاعراف:158)

کہ وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسے عزت دیتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

(النور:36)

ترجمہ: یہ نور علیٰ نور ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا دائمی علم رکھنے والا ہے۔

محمدؐ جو ہمارا پیشوا ہے
محمدؐ جو کہ محبوب خدا ہے
اس کے نام پر قربان سب کچھ
کہ وہ شہنشاہ ہر دوسرا ہے

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم"

نور مجسم کے لفظی معنی سر تا پا نور، بہت سی خوبیوں کا مالک، نیکیوں کا مجموعہ کے ہے اور اس سے مراد ہمارے پیارے آقا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

انسان کامل جن کا نام محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مَیں نے زمین و آسمان کو بھی تیری وجہ سے پیدا کیا ہے۔ اپنے نور ہونے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میرا نور ہے“۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب الایمان، حدیث نمبر 94)

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے۔ نور اور سراج منیر کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

”آپ کا نام چراغ رکھنے میں ایک اور باریک حکمت یہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی نقص بھی نہیں آتا۔ چاند سورج میں یہ بات نہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کرنے سے ہزاروں لاکھوں انسان اس مرتبہ پر پہنچیں گے اور آپ کا فیض خاص نہیں بلکہ عام اور جاری ہو گا۔ غرض یہ سنت اللہ ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی بعض صفات کی وجہ سے کسی انسان کو اپنی طرف سے علم اور معرفت دے کر بھیجتا ہے اور اس کے کلام میں تاثیر اور اس کی توجہ میں جذب رکھ دیتا ہے۔ اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ مگر وہ ان ہی کو جذب کرتے ہیں اور ان ہی پر ان کی تاثیرات اثر کرتی ہیں جو اس انتخاب کے لائق ہوتے ہیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سِرَاجًا مُّنِیْرًا ہے مگر ابو جہل نے کہاں قبول کیا؟“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 665 جدید ایڈیشن)

جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام چراغ رکھا اور چراغ سے ہزاروں چراغ روشن ہوتے ہیں۔ دنیا نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی ہزاروں لاکھوں چراغ روشن کر دیئے اور آج تک یہ روشنی دنیا میں پھیلتی چلی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان روشنی پانے والوں، عبادت کرنے والوں اور اعمال صالحہ بجالانے والوں کو خوشخبریاں بھی دی ہیں کہ وہ جنت کے وارث بنیں گے۔

قرآن کریم میں نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (النور:36) یعنی نور فائض ہوا نور پر کہہ کر بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یعنی جب کہ وجود مبارک حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نور جمع تھے سو ان نوروں پر ایک اور نور آسمانی جو وحی الٰہی ہے وارد ہو گیا اور اس نور کے وارد ہونے سے وجود باجُود خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گی"۔

(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 195۔ حاشیہ نمبر 11)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کی ایک رؤیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے کہا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا ہے۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے ہیں۔

((مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 64 مسند عتبۃ بن عبد السلمی حدیث نمبر 17798)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"دور دراز کے علاقوں تک اور بڑے بڑے محلات تک، بڑی بڑی حکومتوں تک آپ کے نور کے پھیلنے کی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کو بھی دی تھی۔ جس والدہ نے اپنے بچے کی پیدائش بھی بیوگی کی حالت میں دیکھی اور خود بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تحت اپنے اس عظیم بچے کے بچپن کا پورا زمانہ بھی نہیں دیکھنا تھا، ان کو اللہ تعالیٰ نے تسلی کرادی کہ باپ کے سائے سے محروم یہ بچہ محرومیت میں زندگی گزارنے والا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے نور نے تمام انسانیت کی روشنی کا ذریعہ بننا ہے اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ کس عظمت اور شان سے آپ کی والدہ کی یہ رؤیا پوری ہو رہی ہے۔"

(خطبہ جمعہ 22 جنوری 2010ء)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے نور کو اپنے اندر جذب کرنے کے لیے دُعائیں بھی کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے کہ "اے اللہ! میرے لئے میرے دل میں نور پیدا کر دے۔ میری قبر کو بھی روشن کر دے۔ میرے آگے اور میرے پیچھے نور کر دے۔ میرے بائیں بھی نور کر دے اور میرے اوپر بھی نور کر دے اور میرے نیچے بھی نور کر دے اور میری سماعت میں بھی نور بھر دے اور

میری بصارت میں بھی نور بھر دے اور میرے بالوں میں بھی نور بھر دے اور میری جلد کو بھی نورانی کر دے اور میرے گوشت اور میرے خون میں بھی نور بھر دے اور میرے دماغ میں بھی نور بھر دے۔ اور میری ہڈیوں میں بھی نور بھر دے۔ اے اللہ میرے دل میں نور کی عظمت پیدا کر دے اور پھر مجھے وہ نور عطا کر۔ بس مجھے سراپا نور ہی نور بنا دے۔"

(سنن ترمذی کتاب الدعوات باب 30/30 حدیث 3419)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

"مَیں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے ہیں اور پھر وہاں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں جذب ہو جاتے ہیں اور وہاں سے نکل کر ان کی لا انتہاء نالیاں ہوتی ہیں اور بقدر حصّہ رسدی ہر حقدار کو پہنچتی ہیں۔"

(الحکم موٴرخہ 28 فروری 1903ء جلد 7 شمارہ:8)

سامعین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف روحانی طور پر خدا کا نور تھے بلکہ ظاہری طور پر بھی آپؐ کا حسن نور کی طرح نظر آتا تھا۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے بیان فرمایا، (توبہ قبول ہونے کے بعد) جب میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ کا چہرہ کا نور خوشی سے جگمگا رہا تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی مسرور ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک یوں نور بار ہو جاتا تھا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور ہی سے اس بات کا اندازہ کر لیا کرتے تھے۔"

(صحیح بخاری کتاب المناقب، باب: صفة النبیؐ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس ایسی پُر مسرت حالت میں تشریف فرما ہوئے کہ چہرہ مبارک (نور سے) جگمگا رہا تھا۔"

(صحیح بخاری کتاب: المناقب، باب: صفة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اسی طرح ایک روایت میں آپؐ کے حسن اور پُرنور چہرے کا یوں بیان ہوا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ کے سامنے والے دانت ریخدار تھے (یعنی دانتوں میں ہلکا ہلکا فاصلہ تھا) جب آپؐ کلام فرماتے تو سامنے کے دانتوں کے درمیان سے ایک نور سا ظاہر ہوتا تھا۔

(شمائل النبیؐ باب ماجاء فی خلق رسول اللہؐ حدیث نمبر 14 شائع کردہ نور فاؤنڈیشن۔ ربوہ)

سامعین! اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہے اس کے بارہ میں انسانی عقل و فراست کی حدود تک جتنی بھی، جہاں تک پہنچ ہو سکتی تھی اس کے سمجھنے کے بارہ میں انسان کی راہنمائی فرمائی۔ ہر وہ چیز بیان فرمادی جن تک آج انسان کی عقل کی رسائی ہو رہی ہے بلکہ آئندہ پیش آمدہ باتوں کے بارہ میں بھی بیان فرمادیا جس کے بارہ میں آج سے 1400 سال پہلے کا انسان سمجھ نہیں سکتا تھا اور اس سے پہلے کا انسان تو بالکل بھی نہیں سمجھ سکتا تھا گو کہ اُس وقت جب یہ باتیں قرآن کریم میں بیان ہوئیں ایک عام مسلمان مومن سمجھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن ان سب باتوں کو انسان کامل اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست جو تھی اس وقت بھی سمجھتی تھی۔ پس وہ ایک ایسا نور کامل تھے جو اللہ تعالیٰ کے نور سے منور تھا اور جنہوں نے اپنے صحابہ میں ان کی استعدادوں کے مطابق بھی وہ نور بھر دیا۔ انہیں عبادتوں کے طریق بھی سکھائے۔ انہیں عبادتوں کے اعلیٰ معیار حاصل کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔ ان کو اپنے مقصد پیدائش کو سمجھنے کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ نور پا کر صحابہؓ نے اپنی استعدادوں کے مطابق پھر وہ نور آگے پھیلانا شروع کر دیا اور چراغ سے پھر چراغ روشن ہوتے چلے گے اور جن باتوں کا فہم اس وقت کا عام انسان نہیں کر سکتا تھا اس کے بارہ میں بھی بتادیا کہ اس کامل کتاب سے تاقیامت اب چراغ روشن ہوتے چلے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فطرت میں استعدادوں کے مطابق نُور رکھا ہے۔ نیک فطرت زیادہ جذب کرتا ہے نیکیوں کو جس میں کمی ہے وہ کم جذب کرتا ہے اور اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق ہر کوئی اس نُور سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ پس یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نُور تھا جو اللہ تعالیٰ کے نُور کا پرتَو تھا اور اب تاقیامت یہی نُور ہے جس نے دنیا کو فیض پہنچانا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس نور کی روشنی سے ہدایت کا راستہ دکھائے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿9﴾ ﴿مشاہدات۔164﴾

عَشِقَ مُحمدٌ رَبَّہٗ

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ وَلَوۡ یَرَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اِذۡ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ۙ اَنَّ الۡقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ (البقرہ:166)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مقابل پر شریک بنا لیتے ہیں۔ وہ اُن سے اللہ سے محبت کرنے کی طرح محبت کرتے ہیں۔ جبکہ وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی محبت میں (ہر محبت سے) زیادہ شدید ہیں۔ اور کاش! وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا سمجھ سکیں جب وہ عذاب دیکھیں گے کہ تمام تر قوّت (ہمیشہ سے) اللہ ہی کی ہے اور یہ کہ اللہ عذاب میں بہت سخت ہے۔

محمدؐ عربی بادشاہِ ہر دو سرا
کرے ہے روح قدس جس کے در کی دربانی
اُسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

آج میری تقریر کا عنوان ہے: **عَشِقَ مُحمدٌ رَبَّہٗ**

سامعین! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عاشقِ الٰہی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان درج فرمایا ہے قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:32) کہ اے محمد! کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری کامل پیروی کرو تب اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ گویا اللہ کی محبت کی تلاش کے لیے دنیا میں اللہ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے کی اُن اداؤں کو اپنانا ہوگا جو وہ

اپنے خالق اور اپنے ربّ سے محبت کرتے ہوئے اپناتا ہے۔ تب تمہاری اللہ سے محبت کا دعویٰ سچا ثابت ہو گا۔

اب ہمیں اُن اداؤں کا جائزہ لینا ہے جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ سے پیار، عشق اور محبت کرنے کے لیے اختیار کیا کرتے تھے۔ ہم جب آپؐ کی اللہ سے محبت اور عشق کی اداؤں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے وہ دُعائیں نظر آتی ہیں جو آپؐ محبت الٰہی کے حصول کے لیے کیا کرتے تھے۔ ترمذی کتاب الدعوات میں حضرت عبد اللہؓ بن یزید الانصاری سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا مروی ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِّی فِیْمَا تُحِبُّ،وَمَازَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ

(ترمذی کتاب الدعوات)

ترجمہ:- اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت مجھے تیرے حضور فائدہ بخشے۔ اے اللہ! میری محبوب چیزیں جو تو مجھے عطا کرے ان کو اپنی محبوب چیزوں کی خاطر میرے لئے قوت کا ذریعہ بنا دے اور میری جو پیاری چیزیں تو مجھ سے علیحدہ کر دے ان کے بدلے اپنی پسندیدہ چیزیں مجھے عطا فرما دے۔

سامعین! اِسی پر بس نہیں بلکہ آپؐ اُن دعاؤں کو بھی دُہرایا کرتے تھے جو آپؐ کے پیشرو انبیاء نے محبت الٰہی کے لیے کیں۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اِس دُعا کو آپؐ نے اپنے روزمرہ کے معمولات کا حصہ بنا رکھا تھا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِی حُبَّکَ،اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ

(ترمذی کتاب الدعوات)

ترجمہ: اے اللہ! مَیں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں۔ اور اُس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور مَیں تجھ سے ایسے عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! اپنی محبت

میرے دل میں اتنی ڈال دے جو میری اپنی ذات، میرے مال، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہو۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ فَعَمِيَ عَلَيَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَآءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

اپنی تقریر میں اِس مضمون کو بڑھانے سے قبل یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عَشِقَ مُحمدٌ رَبَّہٗ کے الفاظ مکہ کے دشمنانِ اسلام کے ہیں جس کے معنی ہیں کہ محمد کو اپنے ربّ سے عشق ہے یا یوں کہہ لیں کہ محمد اپنے ربّ کا عاشق ہو گیا ہے۔ اپنے اللہ کا دیوانہ ہے۔ یہ اعتراف صرف ایک دو دشمنوں کے نہ تھے باقی تمام سردارانِ مکہ بھی اِس بات کے معترف تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر بات کرتا ہے تو اللہ سے اِس کی بات شروع ہوتی ہے اور اللہ پر ہی ختم ہوتی ہے۔ یہی کیفیت اس کی عبادات کی ہے۔

آپؐ کی نمازوں اور نوافل کو دیکھیں تو اِس دنیا سے نکل کر آپؐ ایک اور ہی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جہاں اللہ ہی اللہ تھا۔ آپؐ نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جس میں تیسرا اور آخری حصہ آپؐ نے اللہ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ احادیث میں ذکر ہے کہ آپؐ رکعات کو بہت لمبا کرتے جن میں سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران جیسی لمبی سورتوں کی تلاوت فرماتے۔ آپؐ کے اتنا لمبا کھڑا ہونے سے آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔ آپؐ کے رکوع و سجود بھی بہت طویل ہوتے۔ ایسے لگتا جیسے ہنڈیا سے پانی اُبلنے کی آواز آپؐ کے سینے سے آرہی ہو اور آپؐ سے جب کہا گیا کہ خدا نے آپؐ کو بخش دیا ہوا ہے تو پھر اتنی لمبی عبادات کیوں بجا لاتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا (مسلم، شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ 108 حدیث 251) کہ اگر خدا کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ اُس نے میری تمام کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور میرے استغفار کو قبول کیا ہے تو کیا مَیں اِن احسانات کا شکر ادا کرتے ہوئے لمبی نمازیں نہ پڑھوں۔

سامعین! حضورؐ کی عبادات کی بات چلی ہے تو ایک روایت عَشِقَ مُحمدٌ رَبَّہٗ کی تائید میں یہ صادق آئے گی کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضورؐ ہم سے باتیں کر رہے ہوتے مگر جوں ہی اذان کی آواز سنتے تو آپؐ نماز کے لیے فوراً جگہ چھوڑ دیتے اور ہمیں پہچانتے تک نہ تھے۔ آپؐ بیماری، صحت، غم اور خوشی میں نماز

مسجد میں جا کر ادا کرتے۔ اپنی آخری بیماری میں دو صحابہ کے کاندھوں کے سہارے نماز باجماعت کے لیے مسجد نبوی تشریف لائے۔ بخاری کتاب المغازی کی روایت کے مطابق آپؐ ارد گرد گھر کے افراد و خواتین سے بار بار پوچھتے کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے پھر غشی طاری ہو جاتی ذرا افاقہ ہوتا ہوش آتی تو پھر نماز کا پوچھتے۔ آپؐ کا زیادہ تر وقت مسجد میں گزرتا۔ حتٰی کہ جنگ اُحد میں جبکہ آپؐ زخمی تھے اور 70 صحابہ کی شہادت کا غم آپؐ کو نڈھال کیے ہوئے تھا آپؐ نے مسجد میں آکر نماز باجماعت ادا فرمائی۔

ذکرِ الٰہی کو دیکھیں تو آپؐ کا انگ انگ اللہ کی تسبیح و تحمید اور ذکرِ الٰہی میں ڈھوبا ہوا تھا اور آپؐ اپنے دوستوں کو بھی اس کی تحریک کرتے۔ ایک روز زوجہ مطہرہ حضرت جویریہؓ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر مصلّے پر بیٹھی ذکرِ الٰہی کر رہی تھیں۔ آنحضورؐ، آپؐ کو ذکرِ الٰہی میں مصروف دیکھ کر باہر تشریف لے گئے اور اُس وقت واپس گھر تشریف لائے جب سورج کافی بلند ہو چکا تھا اور حضرت جویریہؓ ابھی بھی مصلّے پر بیٹھی ذکرِ الٰہی میں مصروف تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے جویریہؓ! مَیں جب تمہارے پاس سے گیا تھا مَیں نے چار کلمات تین بار پڑھے جو اجر و ثواب کے حوالہ سے تمہارے اس ذکر سے کہیں زیادہ وزنی ہیں۔ پھر آپؐ نے یہ پڑھا۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، عَدَدَ خَلْقِهٖ، وَرِضَا نَفْسِهٖ، وَزِنَةَ عَرْشِهٖ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (مسلم، ابن ماجہ)

ترجمہ: اللہ پاک ہے اُس قدر جس قدر اُس کی مخلوق ہے۔ اللہ پاک ہے اُس قدر جس قدر اُس کی ذات یہ بات پسند کرتی ہے۔ اللہ پاک ہے اُس قدر جس قدر اُس کے عرش کا وزن ہے۔ اللہ پاک ہے اسقدر جس قدر اُس کے کلمات کی سیاہی ہے۔

پھر دو کلمات کے متعلق فرمایا کہ یہ دو کلمے زبان پر بہت ہلکے ہیں اور وزن میں بہت بھاری ہیں وہ یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

(بخاری کتاب التوحید)

ترجمہ: اللہ ایک ہے اپنی حمد کے ساتھ اور اللہ پاک ہے بہت عظمت والا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ دو کلمات الہام ہوئے درود کے ایک حصے کے ساتھ جو کہ یہ ہیں۔

حضورؑ فرماتے ہیں۔

”جس طرح خدا تعالیٰ نے مصائب سے نجات پانے کے لیے بعض اپنے نبیوں کو دعائیں سکھلائی تھیں مجھے بھی خدا نے الہام کر کے ایک دعا سکھلائی۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

عَشِقَ مُحمدٌ رَبَّہٗ کو ذکرِ الٰہی کے حوالے سے مزید یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ آپ ؐ یہ دُعا ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے اور صحابہؓ کو بھی تلقین کرتے۔

حضرت معاذؓ بن جبل کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ہر نماز میں اور ایک روایت کے مطابق ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھنے کی تلقین فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

(ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ)

سرور خاصانِ حق، شاہِ گروہ عاشقان
آنکہ روحش کرد طے ہر منزلِ وصلِ نگار

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 23)

ترجمہ: وہ خاصانِ حق کا سردار اور عاشقانِ الٰہی کی جماعت کا بادشاہ ہے جس کی روح نے معشوق کے وصل کے ہر درجے کو طے کر لیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذات کے عاشق زار اور دیوانہ ہوئے اور پھر وہ پایا جو دنیا میں کبھی کسی کو نہیں ملا۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے اس قدر محبت تھی کہ عام لوگ بھی کہا کرتے تھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر عاشق ہو گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 524، ایڈیشن 1988ء)

سامعین! اللہ تعالیٰ سے محبت اور عشق کے انداز ہی آپؐ کے نرالے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مقابل کسی کا نام برداشت نہ کرتے تھے۔ حتّٰی کہ ایک دفعہ کسی نے آپؐ کو مخاطب ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ! یہ کام ایسے ہی ہوا جیسا کہ اللہ نے اور آپؐ نے چاہا۔ آنحضورؐ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا۔ اِسی حدیث کا حوالہ دیے کر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے احبابِ جماعت کو خطوط لکھنے کے حوالے سے توجہ دلائی تھی کہ مجھے یہ نہ لکھا کریں کہ اللہ کے فضل اور آپ کے دعاؤں سے۔ مَیں تو ادنیٰ آدمی ہوں مَیں تو اپنے اللہ سے دُعا کر سکتا ہوں فرمائش کر سکتا ہوں۔

اِسی پر بس نہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان کُنی کی حالت میں اپنی بیگمات کو کہا کہ دیکھو! یہود و نصاریٰ پر اللہ لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ گویا اپنی عمر کے آخری حصہ میں جبکہ انسان اپنی جائداد یا ورثہ کے حوالہ سے پسماندگان کو نصائح کرتا ہے آپؐ اپنے مادی اور روحانی پسماندگان کو شرک سے دُور رہنے کی نصیحت فرمارہے ہیں اور عملاً یہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھو! میرے بعد میری قبر پر سجدے نہ کرنا۔ اصل سجدہ کی جگہ اللہ تعالیٰ ہے اور وفات کے وقت بھی محبت الٰہی کے الفاظ ہی آپؐ کی زبانِ مبارک سے جاری تھے اور کہہ رہے تھے اللھم رفیق الاعلی۔ اللھم رفیق الاعلی

سامعین! اپنے اللہ کی خاطر غیرت بھی محبت الٰہی کا حصہ ہے۔ جنگِ اُحد میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی اور دشمنوں نے تکبر میں آکر اعلان کروادیئے اور مسلمانوں سے سے پوچھنے لگے کہ۔ کیا تم میں محمد ہے؟ کیا تم میں ابو بکر ہے؟ کیا تم میں عمر ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مصلحتاً خاموش رہنے کا ارشاد فرمایا۔ مسلمانوں کی طرف سے خاموشی دیکھ کر ابو سُفیان نے اپنے بُت کی بلندی کا اعلان اِن الفاظ میں کر دیا اُعْلُ ھُبَلْ! اُعْلُ ھُبَلْ یہ فقرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں کو چھوا ہی تھا کہ غیرتِ توحید نے جوش مارا اور صحابہؓ سے جوش کے ساتھ مخاطب ہو کر فرمایا کہ جواب کیوں نہیں دیتے تمہارے خدا کے مقابل پر ھبل بُت کی سربلندی کا اعلان ہو رہا ہے فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ اللہ اللہ سب سے بڑا، بلند اور اعلیٰ شان والا ہے۔ ابو سفیان نے پھر دوسرے بُت کا نام لیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو! اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔

(بخاری کتاب المغازی)

معزز سامعین! اللہ تعالیٰ سے محبت اور اُس کی خاطر عزت رکھنے کے کون کون سے واقعہ کا ذکر کروں مگر وقت کی حد اِس میں آڑے آ رہی ہے۔ صرف ایک واقعہ بیان کر کے اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔
فتح مکّہ کے روز جب انکساری کی وجہ سے آپؐ کا سر اونٹ کے کجاوے کے ساتھ لگ کر جھکا ہوا تھا لیکن خانہ کعبہ کے 360 بُتوں کو توڑنے کے لیے آپؐ کا جوش دیدنی تھا۔ پورے جذبہ سے اللہ اکبر کہتے ہوئے آپؐ نے ہر بُت کو زور سے توڑا۔

(بخاری کتاب المغازی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ربّ سے عشق کے بارہ میں فرماتے ہیں:
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذات کے عاشق زار اور دیوانہ ہوئے اور پھر وہ پایا جو دنیا میں کبھی کسی کو نہیں ملا۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے اس قدر محبت تھی کہ عام لوگ بھی کہا کرتے تھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب پر عاشق ہو گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 524، ایڈیشن 1988ء)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:
”مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر)۔ یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اِس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذرّیتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا

اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اِسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اِسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اِسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں‘‘۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خالص توحید کے قیام کے لئے دنیا میں مبعوث فرمایا تھا۔ اور بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے ایسے انتظامات فرمادیئے کہ آپؐ کے دل کو صاف، پاک اور مصفّٰی بنا دیا۔ بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اندر اپنی محبت اور شرک سے نفرت کا بیج بو دیا۔ بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آپؐ کی والدہ کو اُس نور کی خبر دے دی جس نے تمام دنیا میں پھیلنا تھا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ یہ رؤیا جو حضرت آمنہ نے دیکھا تھا، کس طرح سچ ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی مکمل شریعت آپؐ پر اپنے وقت پر نازل ہوئی۔ اور وہ نور دنیا میں ہر طرف پھیلا۔ خدائے واحد کی محبت کا ایک جوش تھا جس نے آپؐ کی راتوں کی نیند اور دن کا چین وسکون چھین لیا تھا۔ اگر کوئی تڑپ تھی تو صرف ایک کہ کس طرح دنیا ایک خدا کی عبادت کرنے لگ جائے، اپنے پیدا کرنے والے خدا کو پہچاننے لگ جائے۔ اس پیغام کو پہنچانے کے لئے آپؐ کو تکلیفیں بھی برداشت کرنا پڑیں، سختیاں بھی جھیلنی پڑیں۔ لیکن یہ سختیاں، یہ تکلیفیں آپؐ کو ایک خدا کی عبادت اور خدائے واحد کا پیغام پہنچانے سے نہ روک سکیں۔‘‘

(خطبہ جمعہ 4 فروری 2005ء)

عمیر بن وہب نے مکہ کے ایک سردار صفوان بن امیہ کے ساتھ مل کر مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اس وقت ان دونوں کے سوا کوئی ان کے پاس موجود نہ تھا۔ اس قتل کے ارادہ سے جب عمیر مدینہ پہنچے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش ہوئے تو حضورؐ نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ بدر میں میرا بیٹا قید ہوا ہے اس کو چھڑوانے آیا ہوں۔ لیکن ہمارے آقا و

مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا جس کی محبت میں آپ کا ہر لمحہ گداز تھا وہ آپؐ کو حقیقت سے آگاہ کر چکا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”عمیر نے جونہی مسجد نبوی کے دروازے پر اپنی اونٹنی بٹھائی تو حضرت عمر کی ان پر نظر پڑی کہ عمیر تلوار ہاتھ میں لئے اتر رہا ہے۔ حضرت عمر نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ خدا کا دشمن عمیر بن وہب ضرور کسی برے ارادے سے یہاں آیا ہے۔ پھر حضرت عمر فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے ہجرہ مبارک میں گئے اور عرض کیا اے پیغمبر خدا خدا کا یہ دشمن عمیر بن وہب ننگی تلوار لئے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے میرے پاس اندر لے آؤ۔...... آپ نے فرمایا عمیر قریب آؤ چنانچہ عمیر قریب آیا...... عمیر نے کہا میں اپنے اس قیدی یعنی اپنے بیٹے کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں جو آپ لوگوں کے قبضہ میں ہے .... آپ نے فرمایا اس کی ننگی تلوار دیکھ کے پھر اس تلوار کا کیا مطلب ہے۔ عمیر نے کہا خدا اس تلوار کا ناس کرے کیا آپ نے ہمیں کسی قابل چھوڑا ہے۔ اس تلوار نے پہلے کونسا ہمارا ساتھ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے سچ سچ بتاؤ تم کس مقصد سے آئے ہو۔ آپ کو یقین نہیں آیا اس کی بات پہ۔ عمیر نے کہا میں واقعی اس کے سوا اور کسی ارادے سے نہیں آیا کہ اپنے قیدی کے متعلق آپ سے بات کروں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ ایک دن تم اور صفوان بن امیہ حطیم کے پاس بیٹھے تھے اور قریش کے ان مقتولوں کی باتیں کر رہے تھے جن کو جنگ بدر میں قتل کر کے گڑھے میں ڈالا گیا ہے اس وقت تم نے صفوان سے کہا تھا کہ اگر مجھ پر ایک قرض نہ ہوتا اور اپنے بیوی بچوں کی فکر نہ ہوتی تو میں جا کر محمد کا قتل کر دیتا۔ صفوان نے میرے قتل کی شرط پر تمہارا قرض اتارنے اور بیوی بچوں کی ذمہ داری لے لی تھی۔ عمیر فوراً بول اٹھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے بتا دی تھیں اس طرح ہوا۔ یہ سنا تو اس روایت میں یہ لکھا ہے کہ فوراً بول اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یارسول اللہ آپ کے پاس آسمان سے جو خبریں آیا کرتی ہیں اور آپ پر جو وحی نازل ہوتی ہے ہم اس کو جھٹلایا کرتے تھے اور جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے تو اس وقت حطیم کے پاس میرے اور صفوان کے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا اور نہ ہی کسی اور کو ہماری اس گفتگو کی خبر ہے۔ اس لئے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کو اور کوئی اس کی خبر نہیں دے سکتا پس حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اسلام کی طرف

ہماری رہنمائی اور ہدایت فرمائی اور مجھے اس راہ پر چلنے کی توفیق بخشی۔ اس کے بعد عمیر نے کلمہ شہادت پڑھا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو اور اس کو قرآن پاک پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو رہا کر دو۔ صحابہ نے فوراً ہی حکم کی تعمیل کی۔"

(خطبہ جمعہ 29 ستمبر 2023ء)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"پس یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام جس کو قائم کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا کرنے کے لئے آپؐ پیدا ہوئے تھے۔ ایک اعلیٰ انسان اور عبدرحمن کا مقام جو کسی کو ملا وہ سب سے اعلیٰ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ اور بندے کی پہچان اپنی ذات کی پہچان اور خدا تعالیٰ کی ذات کی پہچان کرانے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ توحید کے قیام کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ اور ساری زندگی اسی میں آپؐ نے گزاری۔ اور یہی آپ کی خواہش تھی کہ دنیا کا ہر فرد ہر شخص اس توحید پر قائم ہو جائے۔ اور اس زمانے میں بھی آپؐ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پہچان اس تعلیم کی رو سے ہمیں کروائی۔ پس ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کے نام کی غیرت کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں تبھی ہم حقیقت میں لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھنے والے کہلا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔"

(خطبہ جمعہ 4 فروری 2005ء)

بلغَ	العُلا	بِكَمَالِهِ
كشفَ	الدُجى	بِجَمَالِهِ
حَسُنَتْ	جَميعُ	خِصالِهِ
صلُّوا	عَليهِ	وآلِهِ

❁❁❁❁

﴿10﴾ ﴿مشاہدات۔517﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن اور روز مرہ کے معمولات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:163)

تو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مَرنا اُس اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

مَیں غلاموں کے غلاموں کا غلام
مَیں بھلا کس منہ سے لوں احمدؐ کا نام
میم کے پردے میں ہے جس کا مقام
اس پہ ہوں لاکھوں درود، اربوں سلام
"سالکاں را نیست غیر از وَے اِمام
رہرواں را نیست جُز وَے رہبرے"

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رہن سہن اور روز مرہ کے معمولات۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم میانہ قد کے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دونوں کاندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا یعنی سینہ بہت چوڑا اور کشادہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال کانوں کی لَو سے زیادہ اَور کندھوں کے اوپر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بال نہ تو گھنگرالے تھے اور نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرِ خمدار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مانگ نکالا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سر پر تیل لگایا کرتے تھے۔ سر کی پگڑی کے نیچے اکثر کپڑا رکھا کرتے تھے جو تیل زدہ ہو جاتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم وضو کرنے کے بعد جب سر کے بالوں میں کنگی کرتے تو دائیں طرف سے کرتے اور جب جوتا پہنتے تو دایاں جوتا پہلے پہنتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بال کالے تھے مگر عمر کے ساتھ چند بال سفید ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تیل لگاتے تو وہ سفید بال چکنائی کی وجہ سے چھپ جایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک اور ریشِ مبارک میں 14 سے زائد سفید بال شمار نہیں کیے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سفیدی در آئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ یہ بھی روایت ملتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کبھی کبھار خضاب یا مہندی کا استعمال بھی کر لیا کرتے تھے۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم رات کو تین تین بار دونوں آنکھوں میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اِثْمَد لگایا کرو یہ بصارت کو جلا بخشتا ہے اور بال اگاتا ہے۔ اِثْمَد ایک سیاہی مائل کا ایک قسم کا پتھر ہے جسے باریک پیس کر سرمہ بنایا جاتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کپڑوں میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ قمیص تھی جس کی آستین کلائی اور ہاتھ کے جوڑ تک ہوتی تھی اور چادر میں پسندیدہ دھاری دار یمنی چادر تھی۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سرخ لباس زیب تن فرمائے ہوئے دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کی چمک گویا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب نیا لباس زیب تن فرماتے جیسے عمامہ، قمیص یا چادر تو آپ یہ دعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْهِ اَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ۔ اے اللہ! تو ہی تمام تعریف کا مستحق ہے کیونکہ تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا۔ میں تجھ سے اس کی خیر چاہتا ہوں اور وہ خیر جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اور میں تجھ سے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس شر سے بھی جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔ حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو دو سبز چادروں میں ملبوس دیکھا۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے زعفران میں رنگی دو چادریں زیب تن کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفید لباس پہنا کرو۔ تمہارے زندہ بھی یہ پہنے اور اپنے مردوں کو بھی اس میں کفناؤ کیونکہ یہ تمہارا بہترین لباس ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ سفید رنگ کا لباس پاک صاف ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک رومی جُبہ زیب تن فرمایا جس کی آستین تنگ تھی۔

سامعین! جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے رہن سہن کا تعلق ہے۔ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر روٹی تناول نہیں فرمائی ماسوائے اجتماعی کھانے کے موقع پر۔ نجاشی بادشاہ نے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ رنگ کے سادہ موزوں کا تحفہ بھجوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے انہیں پہن کر وضو کیا اور ان پر مسح فرمایا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چمڑے کے جوتے تھے جن پر دو فیتے تھے اور ان کے تسمے دہرے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر بالوں کے چمڑے والے جوتے پہنا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان جوتوں پر پیوند لگے ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرمایا نیز دائیں طرف سے جوتا پہننے اور بائیں طرف سے اتارنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حتی الوسع ہر کام دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے۔ اپنی کنگھی کرنے، جوتا پہننے میں اور وضو کرنے میں بھی دایاں پہلو مد نظر رکھتے۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی یعنی حبشہ کے علاقے کا تھا۔ اسی انگوٹھی سے آپؐ مہر لگاتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عجم کے نام جو خطوط لکھے تھے ان پر اسی انگوٹھی سے مہر لگائی کیونکہ عجمی صرف وہ خط قبول کرتے تھے جس پر مہر ہو اس انگوٹھی کا نقش ”محمد رسول اللہ“ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے اور بیت الخلا میں جاتے اپنی انگوٹھی اتار کر جاتے تھے۔ یہی وہ مبارک انگوٹھی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی جو اویس نامی کنویں میں گر گئی تھی۔

پیارے بھائیو! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کے اوپر کا حصہ چاندی کا تھا۔ لکھا ہے کہ احد کے روز حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خَود (ایک قسم کا سر کی حفاظت کے لئے ہتھیار) پہن رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ رنگ کا عمامہ پہنا کرتے تھے۔ جس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیوند لگی چادر اور ایک موٹی اِزار صحابہ کو دکھلائی اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان دو میں وفات پائی۔ آپ کی ازار پنڈلیوں تک ہوتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر حسین نہیں دیکھی گویا آفتاب کی چمک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر بہہ رہی ہوتی تھی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے زیادہ تیز چلنے والا کوئی نہیں دیکھا گویا زمین آپ کے لیے سمٹتی چلی جاتی تھی۔ ہم بڑی جدوجہد کرتے ہوئے آپ کے ساتھ چلتے اور آپ بڑے اطمینان سے چل رہے ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک آپ چلتے تو مضبوطی سے پاؤں اٹھا کر چلتے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ڈھلوان سے اتر رہے ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بیٹھنے کا طریق یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مسجد میں گوٹھ مار کر بیٹھتے تھے۔ حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عاجزی سے بیٹھے دیکھا تو میں رُعب کی وجہ سے کانپنے لگی۔ آپؐ بالعموم تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے مگر ٹیک لگا کر آپؐ کچھ نہ کھاتے۔ آپؐ نے یمنی منقش والی چادر سے نماز بھی پڑھائی۔ مگر ایک موقع پر آپؐ نے ایسی قمیض کسی کو تحفہ کر دی جس پر نقش تھے جو نماز میں توجہ اللہ کی طرف سے ہٹا رہی تھی۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آخری بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات ہوئی دیکھا زرد رنگ کی پٹی سر مبارک پر بندھی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے کہا کہ اے فضل! اس پٹی کو مضبوطی سے باندھ دو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کندھوں کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور نماز پڑھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی جو سرخ خدود کی شکل میں کبوتری کے انڈے جیسی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کا تحفہ رد نہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس عطر کی ایک ڈبیا ہوتی تھی جس میں سکہ نامی ایک مشہور عطر ہوتا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکثر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ پھول اور دودھ کا تحفہ بھی رد نہ فرماتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ آپ جلدی جلدی بات نہ کرتے تھے بلکہ فصیح و بلیغ کلام فرماتے۔ جو ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا گیا ہو اور ہر ایک کو سمجھ آجائے۔ آپ صلی اللہ علیہ ہ وسلم اپنی بات کو بالعموم تین مرتبہ دہراتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم، اللہ کے نام سے بات کا آغاز فرماتے اور اللہ ہی کے نام پر اختتام فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نہ تو سخت مزاج تھے اور نہ ہی کمزور اور بے حیثیت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نعمت کی تعظیم فرماتے کھانے پینے کی چیزوں میں نقص نہ نکالتے۔ کسی کی طرف اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے کرتے نہ کہ ایک انگلی سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ ہنسی تبسم کی حد تک ہوتی۔ زور کا قہقہہ نہ لگاتے۔ آپ کے دندانِ مبارک ایسے لگتے جیسے بادل سے گزرنے والے اولے ہوتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طبیعت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرمالیا کرتے تھے۔ جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ دو کانوں والے کہہ کر پکارا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی عمیر نے ایک سرخ چڑیا پال رکھی تھی جس کا نام نغیر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نغیر کے مرجانے پر عمیر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ کہ اے ابو عمیر! تیرے نغیر نے کیا کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں سواری کے لیے تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس شخص نے کہا یارسول اللہ! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔ کیا اونٹ اونٹنیوں ہی کے بچے نہیں ہوتے؟۔ ایک دفعہ ایک بوڑھی خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور جنت میں داخلے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا جنت میں تو کوئی بوڑھی عورت نہیں جائے گی۔ جس پر وہ روتی ہوئی واپس ہونے لگی تو فرمایا اسے بتادو کہ وہ جنت میں بوڑھی ہونے کی حالت میں داخل

نہیں ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔اِنَّآ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا (الواقعہ:36-37) کہ ہم نے ان کے ازواج کو نہایت اعلی طریق پر پیدا کیا ہے۔ پس ہم نے انہیں کنواری بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سوتے وقت اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر دعا کرتے۔رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تُبْعَثُ کہ اے میرے رب! مجھے اس دن اپنے عذاب سے بچانا جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔ایک روایت میں ہے کہ آپ بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا، وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ کہ اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ میں مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف زندہ ہو کر جانا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے معمولات میں سے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ بستر پر لیٹتے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پھونک مارتے اور تینوں قل پڑھتے اور جس قدر ممکن ہوتا اپنے جسم پر دونوں ہاتھ تین دفعہ پھیرتے۔

سامعین! جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی عبادت کا تعلق ہے لکھا ہے کہ آپ نماز میں اتنا کھڑا ہوتے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاؤں متورم ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مشقت کیوں فرماتے ہیں۔ تو فرمایا کہ جب خدا نے میرے تمام کردنی اور ناکردنی گناہ معاف فرمادیے ہیں تو میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز یعنی نماز تہجد کبھی تیرا رکعت مع وتر ہوتی تھی اور اکثر 11 رکعات مع وتر ہوتے۔ باقی فرض نمازوں کی سنتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر گھر سے پڑھ کے جاتے۔ فجر سے قبل دو رکعت، ظہر سے قبل دو اور بعد میں دو رکعت، مغرب کی فرض نماز کے بعد دو اور عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت سنتیں ادا فرماتے۔ یوں یہ کل دس رکعت ہوتی اور فرماتے مجھے اپنے گھر میں نماز (سنتیں) پڑھنا مسجد میں فرض نماز پڑھنے سے زیادہ پسند ہے۔ اسی طرح ضحیٰ کے وقت چار اور چاشت کے وقت چار نفل بھی پڑھنا مسنون ہے۔ اس کی وضاحت ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال آفتاب کے بعد چار رکعتیں پڑھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں جو ظہر کی نماز پڑھے جانے تک بند نہیں ہوتے۔ اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس گھڑی میری کوئی نیکی (یا نیک عمل کے الفاظ

استعمال فرمائے) آسمان کی طرف جائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سوموار اور جمعرات کا نفلی روزہ رکھا کرتے اور فرماتے کہ ان دو دنوں کو اعمال، خدا کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس حال میں میرے اعمال پیش ہوں کہ میں روزے سے ہوں۔ ایک روایت میں ہر ماہ تین روزے رکھنے کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل زیادہ پسند تھے جن میں باقاعدگی اختیار کی جائے۔ ایک جگہ ذکر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل زیادہ پسند تھا جس پر مداومت اختیار کی جائے خواہ وہ تھوڑا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو سے قبل مسواک کرنا پسند تھا اور نماز میں تلاوت کے دوران جہاں رحمت کا ذکر ہوتا وہاں رک کر رحمت طلب فرماتے اور جب عذاب کی آیت سے گزرتے تو وہاں اللہ کی پناہ مانگتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرات ٹھہر ٹھہر کے کرتے۔ الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر رک جاتے پھر الرحمن الرحیم پڑھ کے ٹھہرتے اور پھر مالك یوم الدین پڑھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی گریہ وزاری کے متعلق درج ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں روتے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سینے سے ایسی آواز نکلتی جیسے ہنڈیا ابلنے کی آواز ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔

سامعین! آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میری تعریف میں مبالغہ سے کام نہ لو۔ جیسے نصاریٰ نے عیسی ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں اس لیے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بیماروں کی عیادت فرماتے، جنازوں میں شامل ہوتے، گدھے پر سواری کر لیا کرتے، غلام کی دعوت قبول فرماتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بد خلق تھے، نہ بدگو، نہ بازاروں میں شور کرنے والے تھے، نہ بدی کا بدلہ بدی سے دیتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرما دیتے اور درگزر فرماتے تھے۔ نیز فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کسی کو نہ مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش خلق اور نرم مزاج تھے۔ نہ تند خو اور نہ ہی سخت دل تھے۔ نہ شور کرنے والے تھے نہ ہی بدگوئی کرتے، نہ عیب لگاتے اور نہ ہی بخیل و حریص تھے۔

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز بچا کر نہ رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ قبول فرمالیتے اور بڑھ کر اس کا بدلہ عطا فرماتے۔

سامعین! شمائل نبیؐ میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسماء کے بارے میں لکھا ہے کہ جس سے بھی آپ کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ ہ وسلم نے فرمایا۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں، میں ماحی (کفر کو مٹانے والا) ہوں۔ میں حاشر ہوں یعنی میرے قدموں میں لوگوں کا حشر ہوگا، میں عاقب ہوں یعنی ایسا نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، میں نبی الرحمہ ہوں، میں نبی التوبہ ہوں، میں مقفٰی ہوں یعنی جس کی پیروی کی جائے اور میں نبی الملاحم ہوں (جس سے جنگیں کی گئیں۔)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر کے سادہ ماحول کا نقشہ ایک حدیث کی روشنی میں یوں بیان فرمایا ہے کہ

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمتع دنیاوی کا یہ حال تھا کہ ایک بار حضرت عمرؓ آپؐ سے ملنے گئے، ایک لڑکا بھیج کر اجازت چاہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اندر آئے تو آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مکان سب خالی پڑا ہے اور کوئی زینت کا سامان اس میں نہیں ہے ایک کھونٹی پر تلوار لٹک رہی ہے یا وہ چٹائی ہے جس پر آپؐ لیٹے ہوئے تھے اور جس کے نشان اسی طرح آپؐ کی پشت مبارک پر بنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھ کر رو پڑے۔ آپؐ نے پوچھا اے عمر! تجھ کو کس چیز نے رُلایا؟ عمرؓ نے عرض کی کہ کسریٰ و قیصر تو تنعّم کے اسباب رکھیں اور آپ جو خدا تعالیٰ کے رسول اور دو جہاں کے بادشاہ ہیں اس حال میں رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! مجھے دنیا سے کیا غرض؟ میں تو اس مسافر کی طرح گزارا کرتا ہوں جو اونٹ پر سوار منزل مقصود کو جاتا ہو۔ ریگستان کا راستہ ہو اور گرمی کی سخت شدت کی وجہ سے کوئی درخت دیکھ کر اس کے سایہ میں سستا لے اور جونہی کہ ذرا پسینہ خشک ہوا ہو وہ پھر چل پڑے۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 51 ایڈیشن 1988ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

”تو یہ ہیں وہ عظیم اخلاق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے اعلیٰ معیار تک تمہاری عقل و سوچ پہنچ ہی نہیں سکتی۔ وہ سوچ سے باہر ہیں اور جب وہ ایک مومن کی سوچ سے باہر ہو جائیں تو ایک ایسا آدمی جو مومن نہیں ہے، اس کی سوچ تو ان تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ وہ تو ہر ایسے پہلو کی اپنی سوچ کے مطابق اپنی ہی تشریح کرے گا اور اگر کرے گا بھی تو اگر اچھائی کی طرف بھی جائے تو اس کا ایک محدود دائرہ ہو گا۔ ہمیں بہر حال یہ حکم ہے کہ تم بہر حال اپنی استعدادوں کے مطابق ان اخلاق کی پیروی کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ کی اس زبر دست گواہی کے باوجود کہ آپؐ عظیم خلق پر قائم ہیں اور اللہ کا قرب پانے کے لئے، آپؐ کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 25/ فروری 2005ء)

سامعین! میں تقریر کے آخر پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت بیان کرنے لگا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے آنے والے موعود نبی کی تین علامتیں سن رکھی تھیں۔ نمبر ایک وہ صدقہ نہ کھائے گا نمبر دو وہ تحفہ قبول کرے گا اور نمبر تین اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہو گی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے تینوں علامتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھ لیں تو ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ مگر چونکہ آپ رضی اللہ عنہ یہود کے غلام تھے اس لیے یہود سے اجازت لینی ضروری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر آپ رضی اللہ عنہ نے یہود سے مکاتبت کر لی مگر یہود نے یہ شرط رکھ دی کہ آپ رضی اللہ عنہ ہمارے لیے یعنی یہود کے لیے 300 کھجور کے درخت لگائیں۔ ان کی نگہداشت کریں۔ یہاں تک کہ وہ پھل لانے لگیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے 300 درخت لگانے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی۔ خود گڑھے کھودے اور اپنے دست مبارک سے پودے لگائے۔ آپ صلی اللہ علیہ ہ وسلم کی برکت سے تمام پودوں نے جلد از جلد نشو نما پائی اور اسی سال پھل بھی لے آئے ماسوائے ایک درخت کے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لگایا

تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اکھیڑ کر دوبارہ لگایا تو وہ بھی آپ کی برکت سے چل پڑا اور پھل دینے لگا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(اس تقریر کی تیاری میں کتاب شمائل النبیؐ از نور فاؤنڈیشن سے مدد لی گئی ہے)

(کمپوزڈ بائی: عطیۃ العلیم۔ ہالینڈ)

﴿11﴾ ﴿مشاہدات۔513﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کھانے اور تناول کرنے کے آداب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا

(الاحزاب:22)

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

حسینان عالم ہوئے شرمگیں
جو دیکھا وہ حسن اور وہ نور جبیں
پھر اِس پر وہ اخلاق اکمل تریں
کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خلق کامل زہے حسن تام
عَلَیْكَ الصَّلَاۃُ عَلَیْكَ السَّلَامُ

معزز سامعین! آج مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کھانے اور اکل و شرب کے طریق پر گفتگو کرنی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سِرکہ کا سالن بہت پسند تھا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ سِرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مُرغی کا گوشت حباری یعنی پرندوں کا گوشت بھی کھالیا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کچھ ساتھیوں کے ساتھ مرغ کا گوشت کھانے لگے تو ایک شخص نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ مَیں نے اِسے گند میں منہ مارتے دیکھا ہے اور مجھے اِس سے

کراہت ہو گئی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اِس شخص کو قریب بُلایا اور فرمایا مَیں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مُرغ کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ زیتون کا تیل کھایا کرو اور اس کی چکنائی استعمال کرو کیونکہ یہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔ لکھا ہے کہ آپؐ کو کدّو بھی پسند تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ مَیں سالن میں سے کدّو کو الگ الگ کر کے آپؐ کے سامنے رکھنے لگا کیونکہ کدّو آپؐ کو بہت پسند تھا۔ حضرت انسؓ سے ہی ایک اور روایت یُوں مروی ہے کہ ایک دعوت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیالے کے اطراف سے کدّو چُن چُن کر تناول فرما رہے تھے۔ پس اُس دن سے مَیں بھی کدّو پسند کرنے لگا ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور شہد بھی بہت پسند تھا۔ آپؐ بُھنا ہوا گوشت بھی بخوشی تناول فرماتے۔ ایک دفعہ دستی کا گوشت آپؐ کو پیش کیا گیا جو آپؐ نے اپنے دانتوں سے کاٹ کر کھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ چُھری سے کاٹ کاٹ کر خود بھی کھایا اور صحابہؓ کو بھی کاٹ کر کھانے کے لئے دیا۔ چونکہ آپؐ کو دستی کا گوشت بہت پسند تھا اِس کی وجہ یہ تھی کہ یہ جلدی پک جاتا ہے۔ اِسی لیے خیبر میں ایک یہودن نے دستی کے گوشت میں ہی زہر ملا کر آپؐ کو دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بہترین گوشت پُشت کا گوشت ہے۔

سامعین! سِرکہ کی بات اوپر گزر چکی ہے۔ حضرت اُمِّ ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور کھانے کا پوچھا۔ مَیں نے عرض کی کہ خشک روٹی اور سِرکہ کے سوا کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ لے آؤ! وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس میں سرکہ ہو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "ثرید" بھی بہت پسند تھا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ عائشہؓ کو دوسری عورتوں پر وہی فضیلت ہے جو ثرید کو باقی کھانوں پر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا کہ حضورؐ نے ایک دفعہ پنیر کا ٹکڑا تناول فرما کر وضو کیا جبکہ بکری کا شانہ تناول فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ آپؐ نے حضرت صفیہؓ سے شادی پر ولیمہ کھجور اور ستّو سے کیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت حسنؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جعفرؓ، حضرت سلمیٰؓ کے پاس آئے اور وہ کھانے کی فرمائش کر دی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔ حضرت سلمیٰؓ نے کہا وہ آپ کو پسند نہیں آئے گا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کھایا کرتے تھے۔

اِن اصحاب نے کہا کہ کیوں نہیں! آپ ہمارے لئے تیار کریں۔ چنانچہ حضرت سلمیٰؓ نے جَو پیس کر زیتون کے تیل میں پکائے۔ کچھ مرچیں اور گرم مصالحہ بھی اِس میں ڈالا اور پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ کھانا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا اور اِس کا کھانا آپؐ کو بہت مرغوب تھا۔ صحابیات کے گھروں میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تو اُن میں اکثر کو استطاعت ہوتی تو وہ بکری ذبح کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کیا کرتے تھے۔ حضرت اُمّ منذرؓ بیان کرتی ہیں کہ اُن کے ہاں ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت علیؓ بھی ہمراہ تھے۔ میرے گھر میں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے۔ جن سے آپ تناول فرمانے لگے اور حضرت علیؓ کو اِن کھجوروں کے کھانے سے یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اُٹھے ہو اس لئے اِسے نہ کھاؤ یہ تمہارے لئے مناسب نہیں۔ حضرت اُمّ منذرؓ بیان کرتی ہیں کہ جب مَیں نے چقندر اور جَو کا کھانا تیار کر کے پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ! اِس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حِیس یعنی کھجور، گھی اور پنیر سے تیار شدہ کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش فرمایا۔ ایک دفعہ آپؐ نے جَو کی روٹی کے اوپر کھجور رکھ کر کھائی اور فرمایا یہ اس کھجور اِس کا سالن ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا ہوا کھانا پسند تھا۔

سامعین! اب کچھ باتیں آپؐ کے تناول فرمانے کے طریق کے متعلق ہو جائیں۔ شمائل النبیؐ میں لکھا ہے کہ آپؐ کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو تین دفعہ چاٹ لیا کرتے تھے۔ بعض روایات میں تین انگلیوں کا ذکر آتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کھاتے وقت تین انگلیوں کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ یعنی شہادت اور اس کے ساتھ بڑی انگلی اور انگوٹھا۔ نیز فرمایا جہاں تک میرا تعلق ہے مَیں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔

جہاں تک آپؐ کے بھوک رکھ کر کھانے سے متعلق طریق ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آلِ محمدؐ نے متواتر دو دن پیٹ بھر کے جَو کی روٹی نہیں کھائی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ اور آپؐ کے گھر والے مسلسل کئی راتیں خالی پیٹ گزار دیتے تھے اور رات کھانے کے لئے کچھ نہ پاتے اور اکثر آپ کی روٹی جَو کی روٹی ہوتی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی میدہ کی روٹی نہ کھائی۔ جَو کے آٹے کو بیگمات پھٹک کر چھلکے اور تنکے وغیرہ اڑا دیتیں اور پھر آٹا گوندھ کر روٹی بناتیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی وفات کے بعد ایک دفعہ جب حضرت عائشہؓ کے گھر میں گندم پیسنے کی مشین آئی تو آپؓ کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ باریک آٹے کی روٹی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں میسر نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ نے مزید فرمایا کہ جب بھی مَیں دن میں دو دفعہ کھانا کھاتی ہوں تو مجھے رونا آجاتا ہے کیونکہ خدا کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور گوشت پیٹ بھر کر نہ کھایا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی متواتر دو دن جَو کی روٹی بھی سیر ہو کر تناول نہ فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں میز یعنی Dinning Table تو ہوا نہیں کرتے تھے۔ چمڑے کے دستر خواں ہوتے۔ جس پر کھانا آپؐ کو پیش کیا جاتا۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے وقت بِسْمِ اللّٰہ پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ نے بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی وَبَرَکَۃِ اللّٰہ کی دُعا صحابہ کو سکھلائی اور فرمایا کہ اگر کھانا کھاتے وقت بِسْمِ اللّٰہ نہ پڑھی جائے تو اِس کے ساتھ شیطان کھانے لگتا ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص کھانا کھانے سے قبل بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا بھول جائے تو وہ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ پڑھ لے یعنی اللہ کے نام کے ساتھ اس کے شروع اور آخر میں۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ کو فرمایا کہ اے بیٹے! قریب آؤ۔ اللہ کے نام کے ساتھ دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ یہ بھی احادیث میں مسنون طریق ملتا ہے کہ آپؐ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمْنَا وَسَقَانَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کی دُعا پڑھتے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، ہمیں پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپؐ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھا لیا جاتا تو آپؐ کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مَوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا یعنی تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ بہت زیادہ اور پاکیزہ حمد جس میں برکت رکھی گئی ہے جسے اے ہمارے رب! نہ چھوڑ سکتا ہے اور نہ اس سے استغناء کیا جاسکتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں برکت بھی دیکھنے کو ملتی معجزے بھی دیکھنے کو ملتے۔ ایک فرد کا کھانا دو تین بندوں کے لئے کفایت کر جاتا۔ ایک دفعہ ایک کافر آپؐ کے ہاں ٹھہرا۔ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ آپؐ کے اخلاق سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ اگلے دن مسلمان ہو گیا۔ اُس نے اگلے دن صرف ایک بکری کا دودھ پیا جس پر آپؐ نے فرمایا کافر سات آنتوں سے جبکہ مومن ایک آنت سے کھاتا یا پیتا ہے۔

سامعین! جہاں تک پھلوں کا تعلق ہے۔ آپؐ کو تازہ ککڑی، تازہ تربوز، تازہ خربوزہ، تازہ کھجور پسند تھیں۔ نئے پھل پر آپؐ دُعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت دے ہمارے لئے شہر میں برکت نازل فرما اور ہمارے صاع اور مُدّ (ناپنے کے پیمانے) میں بھی برکت ڈال۔ حضرت انسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک پیالہ دکھایا اور فرمایا۔ مَیں نے حضورؐ کو اس پیالہ میں تمام مشروبات جیسے پانی، نبیذ یعنی پھلوں کا شربت، شہد اور دُودھ پلایا کرتا تھا۔

آپؐ ٹھنڈا اور میٹھا مشروب پسند فرماتے تھے۔ محفل میں جب دودھ آتا تو خود تناول فرما کر دائیں ہاتھ میں بیٹھے ساتھی سے تقسیم کرنا شروع فرماتے۔ جو بھی آپؐ کی دعوت کرتا یا دودھ وغیرہ پینے کے لئے لاتا تو آپؐ اُس کے لئے یوں دُعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَاَطْعَمْنَا خَیْرًا مِنْھَا کہ اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت نازل فرما اور اس سے بہتر ہمیں کھلا اور دودھ پلانے والے کے لئے یوں دُعا دیتے اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا وَزِدْنَا مِنْهُ۔

کہ اے اللہ! ہمارے لئے اس میں برکت رکھ دے اور ہمیں یہ اور زیادہ دے۔ پانی پیتے تین بار سانس ضرور لیتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”جب دنیا میں وہ نور آیا جس کو اللہ تعالیٰ نے سراجِ منیر کہا۔ جس نے تمام دنیا کو روحانی روشنی عطا کرنی تھی اور کی۔ جس نے خدا تعالیٰ کی حکومت دنیا میں قائم کرنی تھی اور کی۔ جس نے برسوں کے مُردوں کو روحانی زندگی دینی تھی اور دی۔ جس نے دنیا کو امن اور سلامتی عطا کرنی تھی اور عطا کی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (سورۃ الانبیاء: 108) اور ہم نے تجھے دنیا کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ جو صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ چرند پرند سب کے لئے رحمت ہے۔ جو صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی رحمت تھا اور ہے اور جس کی تعلیم تا قیامت ہر ایک کے لئے رحمت ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ماننے والوں کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول میں تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے کہ: ” لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا (سورۃ الاحزاب: 22)۔ ترجمہ: یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول

میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔"پس اس اُسوۂ حسنہ پر چلنے کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں کہلا سکتا۔"

(خطبہ جمعہ یکم دسمبر 2017ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(اس تقریر کی تیاری کے لئے "شمائل النبیؐ" از نور فاؤنڈیشن سے مدد لی ہے)

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿12﴾ ﴿مشاہدات۔519﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قناعت و سادگی

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے :

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران:15)

یعنی لوگوں کو (عام طور پر) پسند کی جانے والی چیزوں کی یعنی عورتوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے محفوظ خزانوں اور خوبصورت گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کی محبت اچھی شکل میں دکھائی گئی ہے۔ یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ (تو) وہ (ذات) ہے جس کے پاس نہایت عمدہ ٹھکانہ ہے۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سَيِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَجْهِ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ
لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قناعت و سادگی۔

سادہ طرزِ زندگی در حقیقت اسلام کا وہ پیغام ہے، جو انسان کی فلاح اور کامرانی کا ضامن ہے۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو زندہ رہنے اور اطمینان اور سکون سے زندگی بسر کرنے کے لیے جو کچھ میسّر ہے، اُس پر قناعت کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ جب انسان سادہ طرز زندگی کا راستہ چھوڑ دیتا ہے تو وہ حرص و ہوس اور خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اور آج دنیا کے مختلف معاشروں میں ڈپریشن، بے اطمینانی اور مسائل کا جو انبار نظر آتا ہے اُس کی وجہ قناعت پسندی کے جذبے کا مفقود ہونا ہے، عہدہ و منصب اور مال و دولت کی

حرص وہوس نے آدمی کو خواہشات کا غلام بنا دیا ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف سادگی اور سادہ طرز زندگی سے گُریز ہے اور اِسی مکروہ جذبے سے معاشرے میں چوری، ڈکیتی، قتل وغارت گری اور دیگر جرائم کا بڑھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: ”حرص و طمع سے بچو کہ اس نے تم سے پہلوں کو برباد کیا، اسی نے اُنہیں آمادہ کیا کہ اُنھوں نے خون بہایا (قتل وغارت گری کی) اور حلال کو حرام سمجھا۔“

(صحیح مسلم)

جب کہ ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے ارشاد فرمایا:

”حرص سے بچو، کیوں کہ اس نے اگلوں کو اس پر آمادہ کیا کہ اُنھوں نے (بے گناہوں کا) خون بہایا۔ اس نے اُنہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ اُنھوں نے حرام کو حلال جانا۔“

(حاکم المستدرک)

اسلام سادگی اور سادہ طرزِ زندگی کا دین ہے، اسلامی ثقافت اور اسلامی طرزِ معاشرت میں سادگی اور سادہ طرزِ زندگی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اُسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، وہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پینے، اوڑھنے، اُٹھنے، بیٹھنے کسی چیز میں تکلّف نہ تھا۔ کھانے میں جو حلال اور پاکیزہ رزق سامنے آتا، تناول فرماتے، پہننے کو جو سادہ لباس مل جاتا، پہن لیتے۔ زمین پر جہاں جگہ ملتی چٹائی بچھا کر بیٹھ جاتے اور سو جاتے۔

(شمائلِ ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہؐ)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا فرماتے تھے کہ

”اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں زندہ اُٹھا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔“

(ترمذی)

ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر قانع اور سادگی پسند تھے اُس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے آپؐ کو اللہ نے نبی بنایا اُس وقت سے لے

کر وصال تک چھنا ہوا آٹا نہیں دیکھا۔ پوچھا گیا کہ بغیر چھنے ہوئے آٹے کو آپ لوگ کیسے کھاتے تھے تو بیان کرتے ہیں کہ ہم جَو کو پیستے تھے اور آٹے کو منہ سے پھونک مارتے تھے۔ جس سے بھوسا اُڑ جاتا اور بقیہ کی روٹی پکاتے اور کھا لیتے تھے۔

(صحیح بخاری عن سھل بن سعد کتاب الاطعمۃ باب النفخ فی السعیر)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔ اس پر میں نے پوچھا پھر آپ زندہ کس چیز پر رہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم کھجوریں کھاتے اور پانی پیتے تھے سوائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری ہمساؤں کے پاس دودھ دینے والے جانور تھے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا دودھ تحفۃً بھیجتے تھے، جو آپؐ ہمیں پلا دیتے تھے۔

(بخاری کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریص علیھا باب فضل الھبۃ)

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہوا ہے کہ سارا دن بھوک میں گزر جاتا حتیٰ کہ آپؐ کو اتنی مقدار میں ردّی کھجوریں بھی میسر نہ آتیں کہ جن سے اپنی بھوک مٹا لیتے"۔

(صحیح مسلم کتاب الزھد عن نعمان بن بشیر)

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے روٹی کے ایک ٹکڑے پر کھجور رکھی ہوئی تھی اور فرما رہے تھے کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے۔

(ابوداؤد کتاب الایمان باب الرجل یحلف ان لا یتأدم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی چادر پہن کر نماز پڑھی جس میں نقش تھے۔ آپؐ نے اس کے نقشوں کو ایک نظر دیکھا۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا: میری اس دھاری دار لوئی کو ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور ابو جہم کی انجبانی لوئی لے آؤ کیونکہ اس نے مجھے میری نماز سے بے توجہ کر دیا۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب اذا صلّٰی فی ثوب لھا اعلام)

سامعین! حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی کا یہ عالَم تھا کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے ایرانی ہمسائے نے دعوت پر بلایا۔ آپؐ نے بلا تکلف فرمایا کہ کیا میری اہلیہ عائشہؓ کو بھی ساتھ دعوت ہے؟اس نے کہا:"نہیں" آپؐ نے فرمایا:"پھر میں بھی نہیں آتا۔" دو تین دفعہ کے تکرار کے بعد ایرانی نے آکر کہا کہ ٹھیک ہے! حضرت عائشہؓ بھی آجائیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ خوش خوش اس کے گھر کی طرف چلے۔

(مسند احمد جلد 3 صفحہ 123 مطبوعہ بیروت)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ مَیں تکلّف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔(صٓ:87)۔ آپؐ کے تکلف اور تصنّع سے پاک اللہ کی اِس گواہی کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی گواہی بھی یہی ہے۔ آپؐ فرماتے تھے"میں تو ایک سادہ سا انسان ہوں۔ عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا اور اٹھتا بیٹھتا ہوں۔" حضرت عائشہؓ نے بھی یہی گواہی دی۔ جب آپؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیسے رہتے تھے؟ فرمانے لگیں"عام انسانوں کی طرح رہتے تھے اور گھریلو کاموں میں اہل خانہ کی مدد فرماتے تھے۔اپنے کام خود کر لیتے تھے۔"

(بخاری کتاب الاذان باب من کان فی حاجۃ اھلیہ)

زکوٰۃ کے اونٹوں پر نشان لگانے کے لئے خود انہیں داغ لیتے تھے۔

(بخاری کتاب الزکاۃ باب وسم الامام ابل الصدقۃ)

سادگی اور قناعت آپس میں جُڑے ہوئے ہیں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ قناعت ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اسی طرح اپنے صحابہ کو بھی یہ تلقین فرماتے تھے کہ اپنے سے اوپر نظر نہ رکھو بلکہ اپنے سے کم تر کو دیکھو یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ اللہ کی نعمت کو حقیر نہ جانو اور شکر ادا کر سکو۔ آپؐ فرماتے تھے کہ جس شخص نے دلی اطمینان اور جسمانی صحت کے ساتھ صبح کی اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے۔ اس نے گویا ساری دنیا جیت لی اور ساری نعمتیں اسے مل گئیں۔ آپؐ کا بستر یا گدا چمڑے کا تھا جس کے اندر کھجور کے پتے اور ان کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے بستر کے بچھونے کی دو تہوں کی بجائے چار تہیں لگا دیں آپؐ نے پوچھا کہ آج رات کیا بچھایا تھا؟ جب بتایا گیا زیادہ آرام کے لئے

کپڑے کی چار تہیں کر دی تھیں۔ فرمایا پہلے جیسا ہی بچھایا کرو وہی ٹھیک ہے۔ آج رات تو اس کے آرام نے مجھے تہجد کی نماز سے روک دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سادہ لباس زیب تن فرماتے تھے اور حسب ضرورت اس میں پیوند وغیرہ لگا کر پہننے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنی تمام زندگی نہایت سادگی سے گزار دی ایک کھدر کی موٹی چادر اور تہ بند میں اپنے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

سامعین! ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ چٹائی پر لیٹنے کے نشان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر دیکھ کر رونے لگے اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپؐ اللہ کے معزز ترین انسان ہیں آپؐ کا یہ حال ہے جب کہ قیصر وکسریٰ ریشم کے بچھونے رکھتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمارے لئے آخرت ہو۔ کھانے میں سادگی اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ فرماتے تھے کہ دل کرتا ہے ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھالوں۔ جس دن بھوکا ہوں اپنے ربّ سے تضرّع اور دعا کروں اور سیر ہو کر اللہ کا شکر بجالاؤں۔

(ترمذی)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی زمانہ میں تو خاص طور پر آپؐ کی خوراک اور غذا بہت سادہ تھی۔ بہت قناعت سے گزارا ہوتا تھا۔ کھانے میں حضورؐ کی سادگی کا اندازہ آپؐ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے کہ انسان کے لئے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں۔ آدمی کے لئے اتنے لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ سیدھی کر دیں۔ اگر آدمی کی خواہش اس سے زیادہ کی ہو تو پھر پیٹ میں ایک حصہ کھانے کے لئے رکھے، ایک پینے کے لئے اور ایک سانس کے لئے۔

(ابن ماجہ)

نیز لکھا ہے کہ آپؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور آپؐ نے گھر میں کبھی کھانا خود سے نہیں مانگتے تھے نہ ہی اس کی خواہش کرتے تھے۔ اگر گھر والے کھانا دے دیتے تو آپؐ تناول فرمالیتے اور جو کھانے پینے کی چیز پیش کی جاتی قبول فرمالیتے۔

(ابن ماجہ)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک ایک دن میں دو مرتبہ سیر ہو کر روٹی اور تیل زیتون استعمال نہیں کیا۔ ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا تین دن کے بعد تیرے باپ نے یہ پہلا لقمہ کھایا ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ کے متعلق فرمایا! ''سرکہ کتنا عمدہ سالن ہے اور ایک دفعہ فرمایا یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خوشی اور غمی کے موقع پر ہمیشہ سادگی اختیار فرمائی چنانچہ حضرت فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو بنیادی ضرورت کے لئے ریشمی چادر۔ چمڑے کا گدیلا جس میں کھجور کے ریشے تھے۔ آٹا پیسنے کی چکی۔ مشکیزہ اور دو گھڑے جہیز میں دیئے تھے۔

سامعین! حضورؐ کے کھانے پینے میں سادگی اور قناعت کے حوالے سے بہت باتیں ہو چلیں۔ آئیں! آپ کے لباس اور رہن سہن میں سادگی کی باتیں کر لیں۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُون کے موٹے کپڑے پہنتے، چمڑے کے سادہ جوتے استعمال کرتے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری بھی سادہ ہوتی تھی۔ آپؐ گدھے یا خچر پر سوار ہونے میں کوئی عیب نہ سمجھتے تھے بلکہ خود یہ جانور پالے بھی ہوئے تھے۔ سواری کے پیچھے کسی کو بٹھانے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔ یہ آپؐ کی کمال سادگی تھی۔ شہر مدینہ کے لوگوں نے بہت دفعہ یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رسول خداؐ خچر یا اونٹ پر سوار ہیں اور کبھی بزرگ صحابہ میں سے حضرت ابو بکرؓ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہیں تو کبھی حضرت عثمانؓ کبھی حضرت علیؓ تو کبھی زید بن حارثہؓ بچوں میں سے حسنؓ و حسینؓ، اسامہؓ بن زید اور انسؓ بن مالک۔ عورتوں میں سے کبھی ازواج مطہرات اونٹنی پر ساتھ سوار ہوتیں۔

ایک دفعہ آپؐ خزرج کے سردار سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے انہوں نے ازراہ ادب واپسی پر اپنی سواری دی اور اپنے بیٹے قیس کو ساتھ کر دیا کہ حضورؐ کو چھوڑ آؤ۔ حضورؐ نے قیسؓ سے فرمایا کہ اپنی سواری کے آگے تم بیٹھو۔ انہوں نے ازراہ ادب کچھ پس و پیش کی تو حضورؐ نے بے تکلفی سے فرمایا کہ یا تو سواری کے آگے بیٹھو یا پھر واپس چلے جاؤ۔ احادیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ سواری کے ساتھ پیدل چل رہے ہوتے، کسی اور کو سواری پر سوار کیا ہوتا۔

آپؐ کی سواری کا پالان اور گدیلا بھی نہایت سادہ ہوتا تھا۔ حجۃ الوداع آپؐ کی زندگی کا آخری حج تھا۔ اس سے پہلے خیبر، مکہ، حنین وغیرہ کی زبردست فتوحات آپؐ حاصل کر چکے تھے۔ آپؐ چاہتے تو بہتر سے بہتر چیز استعمال میں لا سکتے تھے۔ مگر اس وقت دنیا نے یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ آپؐ ایک اونٹ پر سوار تھے۔ جس کا پالان بوسیدہ ہو چکا تھا۔ حج کے موقع پر نہایت انکساری سے آپؐ یہ دعا کر رہے تھے۔ ”اے اللہ! یہ حج قبول کرنا، اسے ایسا مقبول حج بنانا جس میں ریا ہو نہ شہرت کی کوئی غرض۔“ حج کے دوران اپنے لئے کوئی امتیازی سلوک پسند نہ فرمایا۔ آپؐ کے لئے منیٰ میں آرام کی خاطر الگ خیمہ لگانے کی خواہش کی گئی تو فرمایا کہ منیٰ میں جو پہلے پہنچ جائے پڑاؤ کا پہلا حق اسی کا ہے۔

(ابن ماجہ)

قناعت کے اس خوبصورت نمونہ کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے یہ دعا کیا کرتے تھے۔ ”اے للہ! جو تو نے مجھے عطا کیا ہے اُس پر مجھے قانع کر دے اور اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جو چیز مجھے حاصل نہیں اُس میں میرے لئے بہتر قائمقامی فرما۔“

(مستدرک حاکم جلد 2 صفحہ 356)

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا۔ آپؐ نے اس کے کھانے کے لئے گھر میں دیکھا تو سوائے روٹی کے ایک ٹکڑے کے کچھ نہ پایا۔ آپؐ نے اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے اور وہ لے کر آگئے اور فرمایا ”اللہ کا نام لے کر کھالو۔“ اس نے کھایا اور کچھ بچ رہا۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا آپؐ بہت نیک انسان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ شخص بھی فاقہ سے تھا کہ سیر ہو کر صدق دل سے شکریہ ادا کیا۔ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور بے تکلفی کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ بے اختیار آپؐ کی تعریف کرنے لگا۔ الغرض غیروں نے بھی آپؐ کی سادگی پر رشک کیا ہے۔ سابق عیسائی راہبہ پروفیسر کیرن آرمسٹرانگ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

”محمدؐ نے اپنی ذات میں ایک نہایت سادہ اور قناعت والی زندگی گزاری۔ اس وقت بھی جب آپؐ عرب کے طاقتور سردار بن گئے۔ آپؐ آسائش پسند نہ تھے۔ اکثر آپؐ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا۔ پہننے کے لئے آپؐ کے پاس بیک وقت کپڑوں کا ایک جوڑا ہوتا تھا اور جب آپؐ کے اصحاب نے کوئی امیرانہ

لباس پہننے کی درخواست کی تو آپؐ نے قبول نہیں فرمائی بلکہ موٹے کھردرے کپڑے جو عام لوگ پہنتے تھے پسند فرمائے۔ جب آپؐ کے پاس تحائف یا مال غنیمت آتا تو آپؐ اسے غربا میں تقسیم فرمادیتے اور مسیحؑ کی طرح آپؐ مسلمانوں کو بتایا کرتے کہ غریب امیر سے پہلے آسمان کی حکومت میں داخل ہوں گے"

(Muhammad A Biography of Prophet by Karen Armstrong page 93)

لین پول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی کے بارہ میں یہ شہادت دیتا ہے۔

"اخلاق وعادات میں وہ حد درجہ سادہ تھے۔ البتہ اپنے معمولات میں وہ بہت محتاط تھے۔ ان کا کھانا پینا، ان کا لباس اور فرنیچر وغیرہ وہی معمولی درجہ کا تھا اور ہمیشہ وہی رہا جب کہ وہ اپنی طاقت وحکومت کی معراج تک پہنچے...وہ بیماروں کی عیادت کرتے، کوئی جنازہ ملتا تو پیچھے چلتے، غلام کی دعوت کو بھی قبول کر لیتے، اپنے کپڑوں کی مرمت خود کر لیتے، بکریوں کا دودھ خود دوہ لیتے اور دوسروں کا ہمہ تن انتظار کر لیتے...وہ اپنی ازواج کے ساتھ ایک قطار میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے معمولی مکانوں میں رہتے تھے...وہ آگ خود جلا لیتے، فرش کی جھاڑو دے لیتے۔ تھوڑا بہت کھانا جو کچھ بھی گھر میں موجود ہوتا، اس میں وہ لوگ ہمیشہ شریک ہوتے جو وہاں موجود ہوتے، ان کے گھر کے باہر ایک چھپر (صُفّہ) تھا جہاں ایسے متعدد غریب افراد موجود رہتے جن کی گزر بسر کا تمام تر انحصار انہی کی فیاضی پر منحصر تھا۔"

(نقوش رسول نمبر صفحہ 42)

سامعین! پس جو شخص اپنے نفس کو اپنے اُوپر غالب نہیں آنے دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر خوش رہتا ہے وہ قانع کہلاتا ہے۔ قناعت ایک ایسا وصف ہے جو کہ مومن کی شان ہے۔ وہ سادگی کو اختیار کرتے ہوئے اسراف سے دور بھاگتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کو اپنی ضروریات اور حالات کے تابع کرتا ہوا صبر کا دامن پکڑے رکھتا ہے اور دُنیاداری کی دوڑ میں شامل نہیں ہوتا۔ وہ اعتدال پسند اور افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راہ لیتا ہے جو کہ عین اسلامی راہ ہے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قانع کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللهُ بِمَا آتَاهُ۔

(كِتَاب الزَّكَاة، باب فِي الْكَفَافِ وَالْقَنَاعَةِ)

یعنی کامیاب ہو گیا وہ شخص جس کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب ہوئی، اُس کو اُس کی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے رزق دیا اور اُس نے اُس پر قناعت کی۔

ایک اور جگہ آپؐ نے ایک مانگنے والے نوجوان کو ان الفاظ میں نصیحت کی: "جو غنی بننا چاہے گا اللہ عزوجل اسے غنی بنا دے گا۔ جو سوال کرنے سے بچے گا اللہ عزوجل اُسے سوال کرنے سے بچائے رکھے گا اور جو اللہ عزوجل کے دیے ہوئے پر قناعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے کافی مقدار میں دے گا۔"

(سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، بَابُ مَنِ الْمُلْحِفُ)

اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فلاح پا گیا جس نے اس حالت میں فرمانبرداری اختیار کی جبکہ اس کا رزق صرف اس قدر ہو کہ جس میں بمشکل گزارہ ہوتا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے قناعت بخشی ہو۔"

(ترمذی کتاب الزھد)

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قانع اور سادہ زندگی گزارنے والا بنا دے اور مادہ پرستی کی نفسانی خواہشات سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(اِس تقریر کی تیاری میں اُسوہ انسانِ کامل از حافظ مظفر احمد صاحب سے مدد لی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

﴿13﴾ ﴿مشاہدات۔518﴾

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور قناعت

(ازروئے افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(العنکبوت:65)

اور یہ دنیا کی زندگی غفلت اور کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔ کاش کہ وہ جانتے۔

بَلَغَ	الْعُلٰى	بِكَمَالِهٖ
كَشَفَ	الدُّجٰى	بَجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ	جَمِيْعُ	خِصَالِهٖ
صَلُّوْا	عَلَيْهِ	وَآلِهٖ

معزز سامعین! مجھے آج حاضرین کے سامنے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے افاضات کی روشنی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور قناعت کو بیان کرنا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور قناعت کے متعلق فرماتے ہیں۔

”آپؐ کی یہ عاجزی اور سادگی ہی تھی جس کی وجہ سے ناواقف نئے آنے والے لوگ جب آتے تھے اور آپؐ مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے تو پہچان نہیں سکتے تھے کیونکہ سادہ اور بے تکلف مجلس ہوا کرتی تھی اور نیا

آنے والا شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ ایسی ہی ایک مجلس کا روایت میں یوں ذکر آتا ہے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو وہ دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ شدت کی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو آپؐ کے ہم عمر ہی تھے۔ اہل مدینہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے اکثر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے قبل نہ دیکھا تھا۔ لوگ آپ کی طرف آنے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ کی وجہ سے آپ کو نہ پہچانتے تھے۔ آپ اس قدر سادگی اور عاجزی کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ سب لوگ ابو بکر کو رسول اللہ سمجھنے لگے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ محسوس کیا تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی چادر سے سایہ کرنے لگے جس سے لوگوں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام تاریخ الھجرۃ۔ قدومہ ﷺ قباء)

پھر ایک اور روایت میں آتا ہے کہ شریک بن عبد اللہ بن ابو نمر روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک بار ہم مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور اونٹ کو مسجد میں بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر پوچھنے لگا تم میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت لوگوں میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے کہا یہ گورے رنگ کے شخص جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تب وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا: کیا آپؐ عبد المطلب کے بیٹے ہیں؟۔ آپ نے اس سے کہا ہاں مَیں ہی ہوں۔ وہ کہنے لگا (آگے پھر سوال شروع ہو گئے) کہ مَیں آپؐ سے پوچھنا چاہتا ہوں اور سختی سے پوچھوں گا کہ آپ اپنے دل میں بُرا نہ مانیے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس طرح جی چاہے پوچھو۔ تب اس نے کہا، آپ کی سادگی کا ذکر ہو چکا ہے، آپ کے سوال وجواب کا ذکر بھی کر دیتا ہوں کہ آپؐ کو آپؐ کے ربّ اور اگلے لوگوں کے ربّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو سب لوگوں کی طرف بھیجا ہے؟۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم! پھر کہنے لگا میں آپ کو قسم دیتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ رات اور دن میں پانچ نمازیں پڑھیں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا

ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ سال بھر میں اس مہینے یعنی رمضان میں روزے رکھو؟۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم ہاں۔ پھر کہنے لگا میں آپؐ کو قسم دیتا ہوں۔ کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم میں سے جو مالدار لوگ ہیں ان سے زکوٰۃ لے کر ہمارے محتاجوں میں بانٹ دو؟۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم ایسے ہی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا آپ جو تعلیم لے کر آئے ہیں میں اس پر ایمان لایا اور مَیں اپنی قوم کے لوگوں کا جو یہاں نہیں آئے ہوئے بھیجا ہوا نمائندہ ہوں۔ میرا نام زمام بن ثعلبہ ہے اور میں بنو سعد بن بکر کا بھائی ہوں۔

(بخاری کتاب العلم باب القراءۃ والعرض علی المحدث)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ سفر میں تھے، راستہ میں کھانا تیار کرنے کا وقت آیا تو ہر ایک نے اپنے اپنے ذمہ کچھ کام لئے۔ کسی نے بکری ذبح کرنے کا کام لیا، کسی نے کھال اتارنے کا، کسی نے کھانا پکانے کا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنگل سے لکڑیاں لے کر آؤں گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کافی ہیں، ہم لے آتے ہیں۔ آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: مَیں جانتا ہوں لیکن مَیں یہ امتیاز پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو ناپسند کرتا ہے جو اپنے ساتھیوں میں امتیازی شان کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہو۔

(شرح العلامۃ الزرقانی الفصل الثانی فیما اکرمہ اللہ تعالیٰ بہ من الاخلاق الزکیۃ)

پھر سادہ زندگی اور قناعت کی طرف اپنے بچوں کو بھی توجہ دلاتے رہتے تھے۔ ایک تو پہلے اس امر پہ ایک حدیث بیان کی گئی کہ کس طرح اس کا بچوں پہ اثر ہوا۔ ایک اس حدیث میں آپؐ نے براہ راست نصیحت فرمائی اور نصیحت بھی اپنی انتہائی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو فرمائی۔ اس کا روایت میں یوں ذکر آتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں تکلیف ہو گئی اور ان دنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کے پاس گئیں لیکن آپؐ کو وہاں نہ پایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملیں اور آنے کی وجہ بتائی۔ جب حضورؐ باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنے کا ذکر کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے

گھر آئے، رات کا وقت تھا، کہتے ہیں کہ ہم بستروں پر لیٹ چکے تھے تو حضورؐ کے تشریف لانے پر ہم اٹھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا نہیں لیٹے رہو۔ پھر آپؐ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے۔ کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ حضور کے قدموں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہارے سوال سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ جب تم بستروں پر لیٹنے لگو تو 34 دفعہ اللہ اکبر کہو، 33 بار سبحان اللہ اور 33 بار الحمدللہ کہو۔ یہ تمہارے لئے نوکر سے بہتر ہے، ملازمین رکھنے سے بہتر ہے۔

(مسلم کتاب الذکر باب التسبیح اول النہار وعند النوم)

آپؐ نے اپنی لاڈلی بیٹی کے ہاتھ کے زخموں کو دیکھ کر باپ کی شفقت اور پیار سے مغلوب ہو کر ان کی اس وقت کی وہ ضرورت پوری نہیں کی۔ بلکہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کہ یہ دنیا کی چیزیں عارضی فائدے کی چیزیں ہیں اور تم جس کا میرے ساتھ خونی رشتہ بھی ہے اس وجہ سے سب سے زیادہ قرب کا رشتہ بھی ہے، روحانی رشتہ بھی ہے، خونی رشتہ بھی ہے تو تمہاری بھلائی کے لئے یہ میں کہتا ہوں کہ ان دنیاوی آسائشوں پر نظر نہ رکھو بلکہ سادگی اور قناعت کو اختیار کرو۔ تمہارے ہاتھوں کے یہ زخم اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں۔ اللہ کے فضلوں کو مزید سمیٹنے کے لئے اس طرح سادہ زندگی بسر کرو، اپنے کام کو ہاتھ سے کرو اور اس کے ساتھ ساتھ تکبیر، تسبیح اور تحمید جو بتائی ہے وہ کرو۔ یہ زیادہ بہتر ہے اور اللہ کا قرب دلانے والی چیز ہے اُس کی نسبت جس کا تم مطالبہ کر رہی ہو یعنی ایک غلام کا۔ ویسے بھی اس وقت اور بھی ضرورت مند تھے ان کو شائد ان سہولتوں، ان غلاموں کی زیادہ ضرورت ہو۔ آپ ہر قسم کے اسوہ کی مثالیں اپنی ذات اور اپنے گھر سے قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ یہ چیزیں اپنے لئے نہ لو بلکہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت کی طرف تمہیں نظر رکھنی چاہئے اور وہی دنیا و آخرت میں تمہارا بہترین سرمایہ ہو گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر سادہ ماحول کا نقشہ ایک حدیث کی روشنی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمتع دنیاوی کا یہ حال تھا (یعنی دنیاوی چیزوں اور مال کا) کہ ایک بار حضرت عمرؓ آپؐ سے ملنے گئے، ایک لڑکا بھیج کر اجازت چاہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جب حضرت عمرؓ اندر آئے تو آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مکان

سب خالی پڑا ہے اور کوئی زینت کا سامان اس میں نہیں ہے۔ ایک کھونٹی پر تلوار لٹک رہی ہے یا وہ چٹائی ہے جس پر آپؐ لیٹے ہوئے تھے اور جس کے نشان اسی طرح آپؐ کی پشت مبارک پر بنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھ کر رو پڑے۔ آپؐ نے پوچھا: اے عمر! تجھ کو کس چیز نے رُلایا؟۔ (حضرت) عمرؓ نے عرض کی کہ کسریٰ اور قیصر تو تنعّم کے اسباب رکھیں (یعنی ان کے پاس ہر قسم کی چیزیں اور نعمتیں موجود ہیں) اور آپ جو خدا تعالیٰ کے رسول اور دو جہان کے بادشاہ ہیں اس حال میں رہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! مجھے دنیا سے کیا غرض؟ مَیں تو اس مسافر کی طرح گزارہ کرتا ہوں جو اونٹ پر سوار منزل مقصود کو جاتا ہو۔ ریگستان کا راستہ ہو اور گرمی کی سخت شدت کی وجہ سے کوئی درخت دیکھ کر اس کے سایہ میں سستا لے اور جونہی کہ ذرا پسینہ خشک ہوا ہو وہ پھر چل پڑے“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 51)

چنانچہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا ایک گدیلہ تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور ایک دوسری روایت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر والا بستر بالوں سے بنی ہوئی چادر پر مشتمل تھا جسے دوہرا کر دیا جاتا تو آپ اس پر سو جاتے تھے۔ ایک رات ہم نے اس کی چار تہیں کر دیں تو جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا رات کو تم نے میرے بستر پر کیا بچھایا تھا۔ اس پر ہم نے چادر کی چار تہیں کرنے کا ذکر کیا۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا بستر جیسے پہلے ہوتا تھا ویسے ہی کر دو۔ اس بستر پر سونے نے آج رات مجھے نماز سے روک دیا تھا۔

(الشفاء للقاضی عیاض۔ الباب الثانی۔ الفصل الثانی والعشرون۔ الزھد فی الدنیا)

پھر سادگی کی ایک اور مثال، اگر کوئی غریب آدمی بھی آپ کو دعوت پر بلاتا تو آپ ضرور جاتے اور غریب کے تحفے کی بھی قدر کرتے۔ چنانچہ آپؐ فرمایا کرتے تھے، ایک روایت میں آتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر مجھے بکری کے پائے کی دعوت پر بھی بلایا جائے تو میں دعوت پر جاؤں گا اور اگر مجھے بکری کا پایہ بھی تحفہ میں دیا جائے تو مَیں اسے قبول کروں گا۔

(بخاری کتاب النکاح باب من اجاب الی کراعٍ)

یہ بات آپؐ کی غریبوں اور مسکینوں سے محبت کا بھی اظہار کرتی ہے اور یہ محبت اس لئے بھی تھی کہ خدا تعالیٰ بھی غریبوں اور مسکینوں سے محبت کرتا ہے۔ اس لئے آپؐ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے کہ مجھے بھی یہ مسکینی کی حالت نصیب ہو۔ پھر آپ کی جو خوراک تھی کتنی سادہ اور معمولی ہوا کرتی تھی اس کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ بھانجے ہم دیکھتے رہتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں دو دو ماہ تک آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔ اس پر میں نے پوچھا خالہ! پھر آپ لوگ زندہ کس چیز پر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم کھجوریں کھاتے اور پانی پیتے تھے۔ سوائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے انصاری تھے ان کے دودھ دینے والے جانور تھے وہ رسول اللہ کو ان کا دودھ تحفۃً بھیجتے تھے جو آپؐ ہمیں پلا دیتے تھے۔

(بخاری کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا باب فضل الھبۃ)

پھر آپ کی سادہ خوراک کے بارے میں روایت آتی ہے۔ سہل بن سعدؓ سے روایت ہے ان سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چھنے ہوئے آٹے کی چپاتی کھائی ہے؟۔ سہلؓ نے جواب دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تادم آخر کبھی چھنے ہوئے آٹے کی چپاتی نہیں دیکھی۔ اس پر مَیں نے پوچھا کیا تمہارے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھلنیاں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے لے کر وفات تک چھلنی نہیں دیکھی۔ ابو حازم کہتے ہیں مَیں نے سہل سے پوچھا آپ بغیر چھانے کے جَو کا آٹا کس طرح کھاتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم کوٹنے کے بعد اسے پھونکیں مار لیتے اور اس طرح جو اڑنا ہوتا وہ اڑ جاتا اور باقی کو ہم بھگو کر کھا لیتے۔

(بخاری کتاب الاطعمۃ باب ما کان النبی ﷺ واصحابہ یاکلون)

باوجود اس کے کہ آپ ایک طرح سے حکومت کے سربراہ بھی تھے، آپؐ حکومتی معاملات کسی دربار یا تخت پر بیٹھ کر نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ مسجد نبویؐ ہی آپؐ کا تخت و دربار تھا۔ یا سفر پر ہوتے تو جو بھی جگہ میسر آ جاتی وہیں دربار لگ جاتا۔ لیکن اس کے باوجود اس دربار کا رعب لوگوں کے دلوں پر دنیاوی بادشاہوں کے درباروں سے زیادہ ہوتا تھا۔

چنانچہ ایک روایت میں ذکر آتا ہے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جب آپؐ سے بات کرنے لگا تو وہ کانپنے لگ گیا۔ اس پر آپؐ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تسلی رکھو میں کوئی بادشاہ تو نہیں۔ میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔

(سنن ابن ماجه کتاب الاطعمة باب القديد)

یہ خداداد رعب کسی تخت و تاج کو نہیں چاہتا تھا بلکہ سادگی اور عاجزی میں ہی اس کا حسن تھا۔"

(خطبہ جمعہ 12 اگست 2005ء)

سامعین! پھر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سادگی اور قناعت فرماتے ہیں۔

"ایک مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ ان عارضی سامانوں کے پیچھے پھرتا رہے۔ دنیا کے پیچھے پھرنا تو کافروں کا کام ہے، غیر مومنوں کا کام ہے، تمہارا مطمح نظر تو اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت ہونا چاہئے۔ لیکن بدقسمتی سے اس خوبصورت اور پاکیزہ تعلیم کے باوجود مسلمانوں نے دنیا کو ہی مطمح نظر بنالیا ہے اور حرص اور ہوس انتہا تک پہنچ چکی ہے۔ دجال کے دجل کی ایک یہ بھی تدبیر تھی جس سے مقصد مسلمانوں کو دین سے پیچھے ہٹانا تھا اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے ہیں اور قناعت اور سادگی کو بھلا دیا گیا ہے اور ہوا و ہوس کی طرف زیادہ رغبت ہے اور امیر سے امیر تر بننے کی دوڑ لگی ہے۔ پس ان حالات میں خاص طور پر احمدیوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ہر طبقہ کے احمدی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قناعت اور سادگی کو اپنائیں۔ تو دین کی خدمت کے مواقع بھی میسر آئیں گے، دین کی خاطر مالی قربانی کی بھی توفیق ملے گی، اپنے ضرورت مند بھائیوں کی خدمت کی بھی توفیق ملے گی، ان کی خدمت کر کے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی بھی توفیق ملے گی اور دنیا کے کاموں میں فنا ہونے سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی عبادات بجالانے کی بھی توفیق ملے گی اور آخر کو انسان نے اللہ تعالیٰ کے حضور ہی حاضر ہونا ہے، اسی طرح زندگی چلتی ہے۔ ایک دن اس دنیا کو چھوڑنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہی بہترین جگہ ہے اور یہ بہترین جگہ اس وقت حاصل ہو گی جب دنیاداری کو چھوڑ کر میری رضا کے حصول کی کوشش کرو گے اور میرے احکامات پر عمل کرو گے... جب تک انسان میں قناعت پیدا نہ ہو، سادگی پیدا نہ ہو وہ ہمیشہ مالی لحاظ سے اپنے

سے بہتر کو دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے۔ اگر قناعت ہو گی تو اس کو کوڑی کی بھی پرواہ نہیں ہو گی کہ فلاں کے پاس کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس بات پر عمل کرے گا کہ نیکیوں میں اپنے سے بہتر کو دیکھو اور رشک کرو اور پھر نیکیوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور ہمیشہ یہ سامنے رہے گا کہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی ہے اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کی کوشش کرنی ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 اپریل 2004ء)

ایک موقع پر حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سادگی اور قناعت اختیار کرنے کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

”بعض دفعہ انسان سوچتا ہے کہ یہ بھی میری ضرورت ہے یہ بھی میری ضرورت ہے لیکن جب قناعت کی عادت پڑ جائے تو ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی جنہیں پہلے وہ بہت اہم سمجھتا تھا اور اس طرح بچت کی بھی عادت پڑ جاتی ہے اور ایک احمدی کو بچت کی عادت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی خاطر مالی قربانی کی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔ پھر ایک نیکی سے دوسری نیکیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے دلی اطمینان اور جسمانی صحت کے ساتھ صبح کی اور اس کے پاس ایک دن کی خوراک ہے اس نے گویا ساری دنیا جیت لی اور اس کی ساری نعمتیں اسے مل گئیں۔

(ترمذی کتاب الزھد باب فی الزھاد فی الدنیا)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارہ میں فرماتے ہیں:

”جس قدر انسان کشمکش سے بچا ہوا ہو اسی قدر اس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں، کشمکش والے کے سینہ میں آگ ہوتی ہے اور وہ مصیبت میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی میں بھی یہی آرام ہے کہ کشمکش سے نجات ہو۔ کہتے ہیں ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا راستے میں ایک فقیر بیٹھا تھا جس نے بمشکل اپنا ستر ہی ڈھانکا ہوا تھا۔ اس نے لنگوٹ یا جانگیہ پہنا ہو گا۔ اس نے اس سے پوچھا کہ سائیں جی! کیا حال ہے؟۔ فقیر نے اسے جواب دیا کہ جس کی ساری مرادیں پوری ہو گئی ہوں اس کا حال کیا ہوتا ہے۔ اس گھوڑ سوار کو تعجب ہوا کہ تمہاری ساری مرادیں کس طرح پوری ہو گئی ہیں۔ فقیر نے کہا جب ساری مرادیں ترک کر

دیں تو گویا سب حاصل ہو گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ جب یہ سب حاصل کرنا چاہتا ہے تو تکلیف ہی ہوتی ہے لیکن جب قناعت کر کے سب کچھ چھوڑ دے تو گویا سب کچھ ملنا ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 326)

ایک روایت میں آتا ہے حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ "حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ ذکر کر کے کہ آج لوگوں کے پاس کتنی دولت اور جائیداد ہے (حضرت عمرؓ کے زمانے میں کافی فراوانی ہو گئی تھی) فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہوا ہے کہ سارا دن بھوک میں گزر جاتا حتیٰ کہ آپؐ کو اتنی مقدار میں ردی کھجوریں بھی میسر نہ آتیں کہ جن سے اپنی بھوک مٹا لیتے"

(صحیح مسلم کتاب الزھد عن نعمان بن بشیر)

(خطبہ جمعہ 30 اپریل 2004ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

﴿14﴾		﴿مشاہدات۔510﴾

آنحضورؐ۔ مہمان نوازی اور تواضع کے اخلاق کے آئینہ میں

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا۔ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ

(ہود:70)

اور یقیناً ابراہیم کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے خوشخبری لے کر آئے۔ انہوں نے سلام کہا، اس نے بھی سلام کہا اور ذرا دیر نہ کی کہ ان کے پاس ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ

وَ اَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِنْ كُلِّ عَیْبٍ

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

(قصیدہ حسان بن ثابت)

کہ تجھ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی تجھ سے زیادہ خوبصورت بچہ کسی عورت نے جنا ہے۔

آپؐ ہر عیب و نقص سے پاک بنائے گئے گویا کہ آپؐ اپنی مرضی سے اور جس طرح آپ نے چاہا اس عالم میں تشریف لائے۔

معزز سامعین! آج مجھے جس اہم پہلو پر روشنی ڈالنے کو کہا گیا ہے وہ ہے۔ آنحضورؐ۔ مہمان نوازی اور تواضع کے اخلاق کے آئینہ میں۔

مہمان نوازی ایک ایسا وصف اور خُلق ہے جو ابتدائے دنیا سے آنے والے تمام انبیائے کرام میں پایا اور دیکھا گیا اور آپ تمام انبیاء، اولیاء نے اپنے عمل سے بھی اس وصف کو اپنایا اور اپنے ماننے والوں اِس کے اپنانے کی تلقین بھی کرتے رہے۔ مذاہب سے باہر مختلف قوموں میں بھی یہ خُلق پایا جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل عرب، مہمان نوازی کے حوالے سے مشہور تھے۔ اسی طرح بعض اور قومیں جہاں اور بہت سے اخلاق کے حوالے سے مشہور ہوئیں وہاں وہ مہمان نوازی کی وجہ سے دنیا میں جانی پہچانی ہیں جیسے عربوں کا ذکر تو مَیں اوپر کر آیا ہوں۔ ہمارے پٹھان بھائیوں کی مہمان نوازی مانی جاتی ہے۔ ہمارے افریقین بھائی باوجود غربت اور افلاس کے مہمان نوازی کے لئے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔ مجھے اس وقت مہمان نوازی اور تواضع کے لیے آقا و مولیٰ خاتَم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شمائل اور مناقب سے مہمان نوازی کے اس عظیم وصف اور خلق کے حوالہ سے کچھ بیان کرنا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عرب قوم سے تعلق رکھتے تھے اس لیے آپ نے یہ وصف پیدائشی طور پر اپنی قوم سے لیا تھا اور اس کی شہادت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُس وقت دی جب آپ کے شوہر نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ پریشانی کے عالم میں گھر تشریف لائے اور سردی کی کپکپاہٹ سے حضرت خدیجہؓ سے بار بار کہا کہ زَمِّلُونِی زَمِّلُونِی کہ مجھے کمبل اوڑھو سردی لگ رہی ہے۔ تب حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا آپؐ تو اکرامِ ضیف اور مہمان نوازی کرتے اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

(بخاری کتاب بدء الوحی)

سامعین! یہاں پر میری تقریر دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے اوّل آپؐ کے دَورِ اوّل یعنی نبوت سے قبل کے اکرامِ ضیف اور تواضع کے واقعات اور دوم۔ نبوت کا اعزاز پانے کے بعد آپؐ کی مہمان نوازی کے واقعات۔ مجھے اپنے مقررہ وقت کے اندر رہتے ہوئے نبوت کے بعد کے چند واقعات بیان کرنے ہیں۔ مَیں آغاز کرتا ہوں نبوت کے دَور کے اولین دَور سے جب آپؐ نے اپنے عزیز رشتہ داروں کو کوہِ صفا میں دعوت اسلام کے لیے بُلایا تو وہ نہ آئے، بعض آکر بغیر پیغام سُنے چلے گئے تو آپؐ نے مہمان نوازی کا کامیاب حربہ آزمانے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت علیؓ کو یکے بعد دیگرے کھانے کی دو دعوتوں کے انتظام کرنے کی

ہدایت فرمائی۔ آپؐ نے ان دعوتوں میں پیغام حق پہنچایا اور یوں دعوت الیٰ اللہ کے لیے تواضع اور مہمان نوازی کا اصول کارگر ثابت ہوا۔

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ کے پاس ایک مہمان آیا جو ابھی اسلام کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوا تھا۔ اُس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر ایک بکری کا دودھ دوہ کر پیش کیا گیا۔ وہ تمام کا تمام پی گیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر دوسری بکری کا دودھ پیش کیا گیا۔ وہ اس کا بھی اور بعد میں مزید پانچ بکریوں کا دودھ بھی پی گیا۔

(تفسیر طبری)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خُلق سے وہ شخص اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اسلام لے آیا اور اگلے روز اسلام کی نعمت سے مالا مال ہو کر جب دربار رسولؐ میں حاضر ہوا تو اسے پھر دودھ پیش کیا گیا تو اُس نے صرف ایک بکری کے دودھ پر اکتفاء کیا۔ تب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایک آنت سے پیتا ہے اور کافر سات آنتوں سے اور بعض روایات میں ایک آنت سے کھانے کے الفاظ مروی ہیں۔

(ترمذی کتاب الاطعمہ)

اگر مہمان زیادہ ہو جاتے تو آپؐ صحابہ میں تقسیم فرماتے۔ ایک دفعہ تقسیم ہونے کے بعد کچھ مہمان بچ گئے۔ جنہیں آپؐ اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ حضرت عائشہؓ جو گھر میں تھا لے آئیں۔ وہ ان مہمانوں کو دیا۔ پھر آپؐ نے دوبارہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا کچھ اور ہے تو آپؓ وہ دودھ لے آئیں جو آپؓ نے حضورؐ کے لیے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ ان مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ایک روایت میں یہ مہمان پانچ تھے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 426)

سامعین! مہمان نوازی کے حوالہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وصف بطور نمونہ ہم مسلمانوں کے لیے یہ چھوڑا ہے کہ آپؐ نہ صرف اپنی طاقت سے بڑھ کر مہمانوں کی مہمان نوازی فرماتے بلکہ اپنے مبارک ہاتھوں سے مہمانوں کو کھانا بھی خود مہیا فرماتے۔ حبشہ سے ایک وفد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اُن کی تواضع فرماتے رہے۔ صحابہؓ نے آگے بڑھ

کر عرض کی کہ یارسول ؐاللہ! ہم جو ہیں خدمت کرنے والے آپؐ آرام فرمایں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں! ان لوگوں نے میرے اُن لوگوں کی خدمت کی ہے جو یہاں سے مشکل وقت میں ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے۔ میں ان کی خود خدمت کروں گا۔

(سیرت الحلبیہ جلد 3 صفحہ 49)

ایک اور موقع پر بُھنی ہوئی ران گھر سے مہمانوں کے لئے آئی تو آپؐ چھری سے خود کاٹ کاٹ کر مہمانوں کو پیش فرمانے لگے۔

(ابو داؤد کتاب الصلوۃ)

پیارے بھائیو! مہمان نوازی ایک ایسا خلق ہے کہ جس کو اس کی عادت ہو جائے وہ ایسے مواقع ڈھونڈ ڈھونڈ کر، تلاش کر کے مہیا کرتا ہے جس میں مہمان نوازی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاسکے۔ بالخصوص اللہ کا فرستادہ جس کو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بھی حاصل ہو اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے اپنے پیروکار کے حالات بھی چہرہ شناسی کی بنیاد پر پہچان لیتا ہو کہ میرے اس صحابی کو اس وقت بھوک لگی ہے اور میرے اس پیروکار کو اس وقت فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ آنحضورؐ کے ہاں دھونی رمابیٹھے تھے اور ذریعہ معاش کی کوئی فکر نہ تھی۔ ایک دفعہ آپؓ نے شدید بھوک کی حالت میں ایک آیت پڑھ کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے اس کے معانی پوچھے۔ آپؓ دونوں معانی بتا کر چل دئے مگر جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معنی پوچھے تو آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ سے دریافت فرمایا۔ کیا بھوک لگی ہے؟ اثبات میں جواب پا کر آپؐ حضرت ابوہریرہؓ کو گھر لے گئے اور جا کر دودھ سے ضیافت فرمائی۔ بلکہ ایک روایت میں اصحاب صفہ کو بلوا کر ان کو بھی دودھ پلایا۔

(بخاری کتاب الرقاق)

سامعین کرام! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تو اکرام ضیف کرتے ہی تھے۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو بھی ضیافت کی چاس ایسی پلائی کہ وہ بھی اُن راہوں پر قدم مارنے لگے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کی تھی۔ ایک دفعہ قحط کے دنوں میں ایک مہمان دربار نبویؐ میں آگیا۔ حضورؐ نے اپنے تمام گھروں میں پیغام بھجوا بھیجا کہ کچھ ہے مہمان کے لیے؟ ہر گھر سے یہی پیغام ملا کہ سوائے پانی کے اور کچھ نہیں۔ پھر آپؐ

صحابہؓ سے مخاطب ہوئے کہ کوئی ہے جو آج رات اِس مہمان کی ضیافت کرے۔ حضرت ابو طلحہؓ حامی بھر کے اُس مہمان کو جب گھر لے گئے تو بچوں کے لیے کچھ پک رہا تھا۔ آپؓ نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو پیار سے سُلا دو اور جو پک رہا ہے وہ مہمان کے لیے لے آؤ۔ پکنے والا کھانا صرف ایک بندے کے لئے کافی تھا۔ میاں بیوی نے مشورہ کر کے گھر میں جلتی ہوئی لالٹین بجھا دی اور مہمان کے ساتھ بیٹھ کر اپنے منہ سے ایسی آوازیں نکالنے لگے جیسے کوئی کھانا کھا رہا ہو اور یوں مہمان کو یہ تاثر دیا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہم پیالہ ہم نوالہ ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثار صحابیؓ کے ایثار اور مہمان نوازی کا یہ نمونہ دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ آپؐ نے فرمایا کہ آج رات آپ میاں بیوی کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ بھی تم دونوں کے اخلاص و ایثار اور محبت کا یہ نمونہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور وہ آیت نازل ہوئی کہ پاک باطن اور ایثار پیشہ مخلص اور مومن اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔

(بخاری کتاب المناقب)

معزز سامعین! دعوت الی اللہ اور اکرامِ ضیف کی بات چلی ہے تو مَیں یہاں ایک وہ واقعہ بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے کہ:

”ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبی کو اختیار کیا۔ کوئی شخص عیسائی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ حضرت نے اس کی بہت تواضع و خاطر داری کی۔ وہ بہت بھوکا تھا۔ حضرت نے اس کو خوب کھلایا کہ اس کا پیٹ بہت بھر گیا۔ رات کو اپنی رضائی عنایت فرمائی۔ جب وہ سو گیا تو اس کو بہت زور سے دست آیا کہ وہ روک نہ سکا۔ (اس بیچارے کا پیٹ خراب ہو گیا) اور رضائی میں ہی کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے سوچا کہ میری حالت کو دیکھ کر کراہت کریں گے۔ شرم کے مارے وہ نکل کر چلا گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سے عرض کی کہ جو نصرانی عیسائی تھا وہ رضائی کو خراب کر گیا ہے... حضرت نے فرمایا کہ وہ مجھے دو تا کہ مَیں صاف کروں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ہم جو حاضر ہیں، ہم صاف کر دیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ میرا مہمان تھا، اس لئے میرا ہی کام ہے اور اٹھ کر پانی منگوا کر خود ہی صاف کرنے لگے۔ وہ عیسائی جب کہ ایک کوس نکل گیا تو اس کو یاد آیا کہ اس کے پاس جو سونے کی صلیب تھی وہ چارپائی پر بھول آیا ہوں۔ اس لئے وہ واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت اس کے پاخانہ کو

رضائی پر سے خود صاف کر رہے ہیں۔ اس کو ندامت آئی اور کہا کہ اگر میرے پاس یہ ہوتی تو مَیں کبھی اس کو نہ دھوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شخص کہ جس میں اتنی بے نفسی ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 370-371 جدید ایڈیشن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" میرے اصول کے موافق اگر کوئی مہمان آوے اور سبّ و شتم تک بھی نوبت پہنچ جاوے تو اس کو گوارا کرنا چاہئے (یعنی سخت الفاظ بھی استعمال کرے) کیونکہ وہ مریدوں میں تو داخل نہیں ہے (اگر غیر آتا ہے تو) ہمارا کیا حق ہے کہ اس سے وہ ادب اور ارادت چاہیں جو مریدوں سے چاہتے ہیں۔ یہ بھی ہم ان کا احسان سمجھتے ہیں کہ نرمی سے بات کریں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیارت کرنے والے کا تیرے پر حق ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ مہمان کو اگر ذرا سا بھی رنج ہو تو وہ معصیت میں داخل ہے"۔

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 79-80 جدید ایڈیشن)

سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

" پھر میزبانی سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی یاد بھی تازہ ہو جاتی ہے اور آپؐ کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے آقا کی اتباع میں جو نمونے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور ان سے بھی ہماری رہنمائی ہوتی رہتی ہے اس لئے یہ یاددہانی کرواتا ہوں۔ مہمان نوازی ایک ایسا وصف ہے جس کا خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کے ذکر میں فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا۔ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ھود:70)"اور یقینا ابراہیم کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے خوشخبری لے کر آئے۔ انہوں نے سلام کہا، اس نے بھی سلام کہا اور ذرا دیر نہ کی کہ ان کے پاس ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔" پس مہمان نوازی یہی ہے کہ اپنے عمل سے کسی قسم کا ایسا اظہار نہ ہو کہ مہمان آ گیا تو مصیبت پڑ گئی۔ بلکہ مہمان کو پتہ بھی نہ چلے اور اس کی خاطر مدارات کا سامان تیار ہو جائے۔ جو بہترین کھانا میسّر ہو، جو بہترین انتظام سامنے ہو وہ مہمان کو پیش کر دیا جائے۔ رہائش کا جو بہترین انتظام مہیا ہو سکتا ہے، مہمان کے

لئے مہیا کیا جائے۔ اس آیت سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ضرور اتنی خاطر داری ہو کہ ایک دو مہمان آئے ہیں تو بے تحاشا کھانا تیار کیا جائے، بچھڑے کی مہمان نوازی کے بغیر اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا یا زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا چاہئے۔ اُس زمانے میں وہ لوگ بھیڑ بکریاں پالنے والے تھے، بازار تو تھے نہیں کہ بازار گئے اور چیز لے آئے، بھیڑیں موجود تھیں اور وہی فوری طور پر میسر آسکتی تھیں تو اصل چیز اس میں یہ ہے کہ مہمان سے بغیر پوچھے کہ کھانا کھاؤ گے یا نہیں اس کی مہمان نوازی کے سامان تیار کر لئے جائیں۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مورخہ 20/ جولائی 2007ء)

سامعین! حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان نوازی کا معیار اس قدر بلند تھا کہ جو دوسروں کے مقابلے میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا اور نبوت کے دعوے کے بعد تو یہ مہمان نوازی ایک ایسی اعلیٰ شان رکھتی تھی کہ جس کی مثال ہی کوئی نہیں ہے۔

اس بارہ میں آپؐ کے اُسوہ حسنہ کو دیکھیں تو صرف وہاں یہ نہیں ہے کہ سلامتی بھیجنے کی باتیں ہو رہی ہیں بلکہ کھانے پینے کی مہمان نوازی کے علاوہ بھی یا استقبال کرنے کے علاوہ بھی ایسے ایسے واقعات ملتے ہیں جن کے معیار اعلیٰ ترین بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کو کھانے کا انتظام کے احسن رنگ میں کرنے سے ہی صرف عزت نہیں بخشی بلکہ مہمان کے جذبات کا خیال بھی رکھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کا خیال بھی رکھا اور اس کے لئے قربانی کرتے ہوئے بہتر سہولیات اور کھانے کا انتظام بھی کیا۔ اس کے لئے خاص طور پر اپنے ہاتھ سے خدمت بھی کی اور اس کی تلقین بھی اپنے ماننے والوں کو کی کہ یہ اعلیٰ معیار ہیں جو مَیں نے قائم کئے ہیں۔ یہ میرا اسوہ اس تعلیم کے مطابق ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر اتاری ہے۔ تم اگر مجھ سے تعلق رکھتے ہو تو تمہارا یہ عمل ہونا چاہئے۔ تمہیں اگر مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے تو اس تعلق کی وجہ سے، اس محبت کی وجہ سے، میری پیروی کرو اور یہ مہمان نوازی اور خدمت بغیر کسی تکلف، کسی بدل اور کسی تعریف کے ہو اور خالصتاً اس لئے ہو کہ خدا تعالیٰ نے یہ اعلیٰ اخلاق اپنانے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہمارا مقصود اور مطلوب ہونا چاہئے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ پہلے دن تم مہمان کی خوب خاطر کرو، اچھی طرح مہمان نوازی کرو اور تین دن تک عام مہمان نوازی بھی ہونی چاہئے کیونکہ یہ مہمان کا حق ہے اور فرمایا کہ اگر تمہیں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے تو پھر مہمان کی عزت و تکریم کرو۔

پس مہمان نوازی بھی ایک اعلیٰ خلق ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی دیتا ہے ویسے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی جو تم کرتے ہو اس کا اجر پاؤ گے۔ لیکن یہ نیکی ایسی ہے کہ جب خوش دلی سے کی جائے، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کو کھینچنے والی بنتی ہے اور ایمان میں مضبوطی کا باعث بنتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی ایک تو مہمان نوازی کے جذبہ سے ہوتی تھی لیکن ایک یہ بھی مقصد ہوتا تھا کہ اگر کوئی کافر مہمان یا دوسرے کسی مذہب کا مہمان ہے تو وہ آپؐ کے اعلیٰ اخلاق اور مہمان نوازی دیکھ کر یہ سوچے کہ جس تعلیم کے یہ علمبردار ہیں، جس تعلیم کے یہ پھیلانے والے ہیں یہ اسی تعلیم کا اثر ہوگا کہ اتنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اور یوں اس مہمان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اور آپؐ یہ مہمان نوازی کرتے بھی اس لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف توجہ پیدا ہو تاکہ اس کی دنیا کے ساتھ ساتھ عاقبت سنور جائے۔ پس آپؐ کی مہمان نوازی صرف ظاہری خوراک کے لئے نہیں ہوتی تھی جس سے مہمان کی ظاہری بھوک مٹے بلکہ روحانی خوراک مہیا کرنے کے لئے بھی ہوتی تھی تاکہ اس کی آخرت کی زندگی کے بھی سامان ہوں اور یہی تعلیم آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو دی کہ تمہارے ہر کام کے پیچھے خدا تعالیٰ کی رضا ہونی چاہئے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 جولائی 2009ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مہمان نوازی ایک ایسا خلق ہے جو انبیاء اور ان کی جماعتوں کا ایک خاص وصف ہے۔ پس دینی جماعت ہونے کے لحاظ سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہمارے اندر مہمان نوازی کی صفت ایک خاص رنگ رکھتی ہو اور یہ جو وصف ہے یہ اَور نمایاں ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی جب زیادہ مہمان آنے شروع ہو گئے تو آپؐ صحابہ میں مہمان بانٹ دیا کرتے تھے اور صحابہ بڑی خوشی سے مہمانوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور جب صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہمانوں سے ان کی رات گزرنے اور صحابہ کی

مہمان نوازی کے بارے میں پوچھتے تھے، حال احوال پوچھتے تھے، خدمت کا حال پوچھتے تھے تو ہر ایک کا یہی جواب ہوتا تھا کہ ہم نے ایسی خدمت کرنے والے میزبان نہیں دیکھے جنہوں نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 357 حدیث 15644 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

پس یہ اسوہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کی وجہ سے صحابہ نے ہمارے سامنے اور ہمارے لیے قائم فرمایا اور اس زمانے میں جب ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا ہے تو آپ علیہ السلام نے بھی ہمیں اس نمونے پر چلنے کی تلقین فرمائی جس کے نمونے صحابہؓ نے قائم فرمائے تھے۔''

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 6 اگست 2021ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: سلمان طارق خان)

﴿15﴾ ﴿مشاہدات۔520﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلوق سے ہمدردی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الفتح:30)

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کفار کے مقابل پر بہت سخت ہیں (اور) آپس میں بے انتہا رحم کرنے والے۔

حسینان عالم ہوئے شرمگیں
جو دیکھا وہ حسن اور وہ نور جبیں
پھر اس پر وہ اخلاق اکمل تریں
کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خلق کامل زہے حسن تمام
علیک الصلوٰۃ علیک السلام

معزز سامعین! آج اِس مبارک محفل میں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلوق سے ہمدردی پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی اسے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے اور اس میں یہ اہلیت اور استعداد رکھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ظلی طور پر اپنا سکے۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 711)

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات میں اپنی مخلوق سے محبت اور اس سے ہمدردی کو نمایاں طور پر رکھا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ مشکلات اور مصائب سے نہ صرف اُسے بچاتا بلکہ مخلوق کو اپنے لئے آسانیاں پیدا کرنے کی تلقین فرماتا ہے اس کی دعاؤں کو سنتا اور اُن کے لئے سہولتیں مہیا فرماتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق سے محبت اور ہمدردی کا اظہار یوں فرمایا ہے

الخَلقُ عيالُ اللّٰهِ، فأحبُّ الخلقِ إلى اللّٰهِ مَن أحسنَ إلى عِيَالِهِ

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 712)

کہ تمام مخلوق اللہ کی عیال یعنی خاندان ہے پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سے وہ شخص بہت پسند ہے جو اُس کے عیال یعنی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور اُس کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ بائبل میں اللہ کو باپ کہا گیا ہے جس کا ایک خاندان ہوتا ہے۔ مخلوقات میں جانور، چرند پرند اور حشرات الارض بھی آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کے لئے الگ سے گفتگو ہوگی۔ یہاں آج مجھے انسانوں سے ہمدردی، محبت اور حسن سلوک کا ذکر کرنا ہے چونکہ کُل عالم کی مخلوق کے سردار اور سید القوم تو سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اس وقت مجھے اس پہلو کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے چند واقعات بیان کرنے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آغاز سے ہی مخلوقِ خدا سے محبت رکھنے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ نبوت سے قبل حِلفُ الفضول کے نام سے مکہ میں قریش کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا۔ جس کے تحت کمزور اور حقدار لوگوں کو ان کا حق دلوایا جاتا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے ممبر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے تحت مظلوموں کی مدد کرنا مجھے اُونٹوں کی دولت سے بھی بڑھ کر معلوم ہوتی ہے اور آج بھی مجھے اس معاہدے کا واسطہ دے کر جو بھی مدد کی درخواست کرے گا تو مَیں ضرور اُس کی مدد کروں گا۔

(سیرت النبی لابن ہشام جزو اوّل صفحہ 133)

نبوت ملنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پہلی وحی آئی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت پریشان ہوئے اور گھر پہنچ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ کہا تو

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ سے مخاطب ہو کر جو الفاظ کہے وہ تاریخِ اسلام میں سُنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اور بیوی کی خاوند کے حق میں ایسی گواہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس پہلو کو چار چاند لگا دیتی ہے آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

وَاللّٰهِ لاَ يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا ،إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الكَلَّ وَتَكسِبُ المَعدُومَ ، وَتَقْرِى الضَّيْفَ ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ

(بخاری بدءالوحی)

کہ اللہ کی قسم! کہ وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں، غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ دنیا سے ناپید اخلاق اور نیکیاں قائم کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے اور حقیقی مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔

اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک واقعہ آپ سامعین کے سامنے رکھنا چاہوں گا۔ دشمنِ اسلام ابو جہل نے ایک اَراشی نامی قریش سے اونٹ خرید کر رقم ادا نہ کی جب اَراشی کی تمام اُمیدیں دم لینے لگی تو اُس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ابو جہل کے خلاف مدد طلب کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حِلف الفضول کے معاہدے کے تحت اُس کے ساتھ ہو لئے اور ابو جہل کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر اس اَراشی کے لیے اونٹ کی رقم طلب فرمائی۔ ابو جہل، حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مطالبہ سن کر اندر گیا اور اَراشی کی رقم لا کر اُس کے سپرد کر دی۔ اِس پر ابو جہل کے ساتھیوں نے اس پر لعن طعن کی کہ تم تو ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خِلاف اُکساتے رہتے تھے۔ خود یہ کام کر کے ہماری ناک کٹوا دی ہے۔ اس پر ابو جہل بولا کہ جونہی میں نے محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کی آواز سُنی مجھ پر سخت رعب طاری ہو گیا اور میں نے کیا دیکھا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے دونوں اطراف دو خونخوار اونٹ ہیں جو مجھ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھ پر حملہ کر دیتے۔

(ابن ہشام جلد اول صفحہ 389)

سامعین! اپنے مقتدیوں سے محبت کا یہ عاَلم تھا کہ آپؐ نے فرمایا کہ امام نماز باجماعت کو لمبا نہ کرے۔ اپنے پیچھے بوڑھوں اور کمزوروں کا خیال رکھا۔ بچہ اگر روئے تو نماز چھوٹی کر دو۔ اور فرمایا کہ مَیں اگر اُمت پر

گراں خیال نہ کرتا تو میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا۔ نیز فرمایا کہ اُمت پر گراں خیال نہ کرتا تو انہیں نمازِ عشاء زیادہ تاخیر سے پڑھنے کا حکم دیتا۔ روزہ میں سحری دیر تک اور افطاری جلد کرنے کا ارشاد فرمایا تا ایک مومن زیادہ دیر مشکل میں نہ رہے۔ ضرورت مند کے متعلق یہ ہدایت دی کہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی لونڈی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن ایک بھیڑیا ریوڑ پر حملہ کر کے ایک بکری اٹھا کر لے گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے غصہ میں اپنی اس لونڈی کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت گراں گزری اور معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ناراض ہوئے جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مشورہ کر کے اسے آزاد کر دیا۔ اِسی طرح حضرت عُبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی لونڈی کو دو ریال دے کر کچھ خرید کرنے کے لیے بھیجا جو اُس سے گم ہو گئے جو اِس وجہ سے رو رہی تھی کہ اب مالک مجھے مارے گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عِلم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسے دو ریال مہیا کر دیے۔ تب بھی وہ پھر بھی روتی رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا اب کیوں روتی ہو تو لونڈی نے کہا کہ تاخیر بہت ہو گئی ہے وہ تب بھی مجھے ماریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین اُٹھے اور اِس بچی کے ساتھ ہو لیے اور اُسے گھر تک چھوڑنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر دیکھا اور لونڈی ہمراہ تھی تو بہت پریشانی ہوئی اور لونڈی کو آزاد کر دیا۔

سامعین! آئیں! ہمدردی مخلوق کا ایک دلچسپ واقعہ سنیں ایک دفعہ ایک غریب شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رمضان میں روزے کی حالت میں اپنی عورت سے مباشرت کر بیٹھا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو مہینے مسلسل روزے رکھو۔ اُس نے عرض کی کہ حضورؐ! ایک روزہ میں تو صبر ہو نہیں سکا ساٹھ روزے کیسے رکھوں گا۔ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ اُس نے کہا اس کی بھی مجھے استطاعت نہیں۔ اسی اثنا میں کھجوروں کا ایک ٹکرا تحفتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا

اسے لے جاؤ اور غرباء میں صدقہ کر دو۔ وہ شخص بولا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! پورے محلے میں مجھ سے زیادہ غریب بھی اور کوئی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا تم خود ہی رکھ لو۔

(بخاری)

آپ غرباء کو دعوتوں پر بلاتے اور فرمایا کرتے تھے وہ دعوت بہت بُری ہے جس میں صرف اُمراء کو بلایا جائے اور غرباء کو شامل نہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غریب اور مفلس نوجوان صحابہ کی شادیاں بھی خود فرمادیتے اور بچیوں کی صورت میں جہیز اور بچوں کی صورت میں ولیمہ کا انتظام فرماتے۔

ایک حدیث قُدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی وہ شخص بولے گا کہ اے اللہ! تو کب بیمار تھا کہ میں تیری عیادت کرتا۔ اللہ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔ پھر اللہ اِبن آدم سے مخاطب ہو کر فرمائے گا کہ اے اِبن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے نہ کھلایا وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا تو تو خود رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اگر تم اسے کھانا کھلاتے تو گویا مجھے کھلاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ ابن آدم سے کہے گا کہ میں پیاسا تھا مگر تم نے مجھے پانی نہ پلایا وہ کہے گا کہ خدایا! تو کب پیاسا تھا کہ میں تجھے پانی پلاتا۔ اللہ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ پیاسا تھا اگر تُم اسے پانی پلاتے تو گویا مجھے پلاتے کیونکہ میں وہاں موجود تھا۔

(مسلم کتاب البر والصلہ)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خُود اپنے صحابہ کی عیادت فرماتے۔ مُناسب دوا وغیرہ مہیا فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دَم درود اور دُعا سے عِلاج فرماتے۔ فاتحہ سے بھی کئی بار علاج فرمایا اور یہ دعا کرتے

أَذْهِبْ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ اشْفِ وَأَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً كَامِلاً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

کہ اے لوگوں کے رب! اس کی بیماری دور کر تو ہی شفا عطا کرنے والا ہے۔ شفا دے تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا عطا فرما جو کوئی بیماری نہ چھوڑے۔

(بخاری)

حضورؐ عیادت پر مریض کو شہد اور دودھ وغیرہ تحفۃً دیتے تھے۔ کھجوریں بھی عنایت فرماتے اور کہتے کہ اُونٹ کے دودھ میں شفا ہے۔ ہر روز صبح سات کھجوریں ناشتے میں استعمال کرنے سے انسان کئی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی عیادت کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور فرماتے یہ ایک مسلمان بھائی کا حق ہے بلکہ ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ قریب سے گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا آخر انسان تو تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو تکلیف میں دیکھتے، بخار میں دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور دعا بھی کرتے اور دوائی بھی مہیا فرماتے اور بیماری کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ تحفتاً دیتے۔ الغرض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمدردی مخلوق میں بہترین نمونے قائم فرمائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”دیکھ کے ہی پتہ لگ جاتا تھا کہ یہ شخص نرم خو، نرم دل ہے۔ جو حسن دور سے دیکھنے پر ہر ظاہری حُسن کو ماند کر دیتا تھا۔ کوئی بھی حسین چہرہ دیکھنے میں اس چہرے کے مقابلے کا نہیں تھا۔ یہ حسن صرف ایسا حسن نہیں تھا جو دور سے ہی حسین نظر آتا ہو کہ واسطہ پڑنے پر کچھ اور نکلے۔ بلکہ اس حسین چہرے سے جب ملاقات کا موقع پیدا ہوتا تھا تو آپؐ کے اعلیٰ اخلاق، آپ کی نرم اور میٹھی زبان اس حسن کو چار چاند لگا دیا کرتے تھے اور حضرت اُمّ معبدؓ نے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کا بڑا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے کہ قریب سے دیکھنے سے انتہائی شیریں زبان اور عمدہ اخلاق والے تھے۔“

(خطبہ جمعہ 25 فروری 2005ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: حُبَۃُ الکہ یم۔ لندن)

﴿16﴾ ﴿مشاہدات۔521﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مُخلص دوست

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ

(التوبہ:128)

یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا۔ اسے بہت سخت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اٹھاتے ہو (اور) وہ تم پر (بھلائی چاہتے ہوئے) حریص (رہتا) ہے۔ مومنوں کے لئے بے حد مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں
محمدؐ است فرو زندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا
خدا نما ست وجودش برائے عالمیاں

(کتاب البریّہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 157 حاشیہ)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی دونوں جہانوں کا امام اور چراغ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی زمین وزماں کا روشن کرنے والا ہے۔ مَیں خوفِ خدا کی وجہ سے اُسے خدا تو نہیں کہتا مگر خدا کی قسم! اس کا وجود اہل جہاں کے لئے خدا نما ہے۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک مُخلص دوست

ایک انسان کی سیرت، اُس کے اخلاق وشمائل کو جن مختلف حیثیتوں سے پرکھا اور دیکھا جاسکتا ہے۔ اُن میں سے ایک دوستی، یاری، خیر خواہی، رفاقت اور پیری مریدی ہے۔ کہتے ہیں۔ دوست وہ ہے جو مصیبت میں کام آئے۔ خوشحالی میں تو ہر کوئی دوست ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں دوست کے لئے ولِی، صدیق اور رفیق کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ولی کا لفظ اللہ تعالی نے اپنے لئے مختص کرر کھا ہے یعنی جہاں اللہ تعالی کے دوست بننے کا ذکر ہے وہاں ولی کا لفظ استعمال کیا ہے اور رفیق کے لئے اللہ تبارک و تعالی نے سورۃ النساء آیت 70 میں بتایا کہ انبیاء، صدیق، شہید اور صالح بہترین دوست ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالی خود ولی تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے لئے صدیق، رفیق اور بہترین دوست تھے۔

جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ انسان کے برتاؤ اور مزاج کا امتحان اُس وقت ہوتا ہے، جب وہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ ہو، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ اللہ نے اس کو اپنے ہم عمر اور ہم عصروں کے مقابلے میں بلند مقام و مرتبے سے نواز دیا ہو۔ جو لوگ کم ظرف ہوتے ہیں، وہ ایسے مواقع کو اپنی بڑائی کے اظہار اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ جہاں زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بہترین اسوہ ہے، وہاں آپؐ اپنے دوستوں کے ساتھ سلوک و برتاؤ میں بھی بہترین نمونہ ہیں۔ آپؐ اپنے ساتھیوں سے محبت کا اظہار اور ان کی خوبیوں کا اعتراف فرماتے، ان کے خصوصی وصف اور امتیازی مقام کو سرعام بیان کرتے۔ جیسے آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ اہل زمین میں میرے وزیر ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ حیا کرنے والے ہیں۔ ایک اور حضرت علیؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کو اپنا حواری قرار دیا۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو اپنا محرم راز بنایا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو امینِ امت کہا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں فرمایا کہ جو بات ان کو پسند ہے میں نے بھی اس کو اپنی امت کے لیے پسند کیا۔

سامعین! آپؐ اپنے رفقاء سے گہرا رابطہ رکھتے تھے، ایسا تعلق جیسے گھر کے افراد کا ایک دوسرے سے ہوتا ہے اور آپؐ کا برتاؤ ایسا دل موہ لینے والا ہوتا تھا کہ ہر ساتھی کو گمان ہوتا تھا کہ آپؐ کو سب سے زیادہ محبت

مجھ ہی سے ہے۔ اسی دوستانہ رفاقت کا اثر تھا کہ آپؐ اپنے رفقاء کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہتے۔
حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میرے پاس سے گزر ہوا، آپؐ نے مجھے اشارہ کیا، میں آپؐ کے پاس آگیا، آپؐ نے میرا ہاتھ تھام لیا، ہم دونوں چلے، یہاں تک کہ بعض ازواج مطہراتؓ کے حجروں کے پاس تشریف لائے، آپؐ اندر چلے گئے، پردہ گرا دیا، پھر مجھے حاضری کی اجازت دی، میں بھی اندر داخل ہوا، آپؐ نے دریافت فرمایا کھانے کی کوئی چیز ہے؟۔ عرض کیا گیا: ہاں! اور روٹی کے تین ٹکڑے لائے گئے، ایک ٹکڑا آپؐ نے اپنے سامنے رکھا، ایک میرے سامنے، تیسرے کے دو حصے کر دیے، آدھا خود رکھا، آدھا مجھے عنایت فرمایا، پھر دریافت کیا: کوئی سالن بھی ہے؟ جواب ملا: نہیں! صرف سرکہ ہے، آپؐ نے فرمایا: لاؤ۔ یہ بہت اچھا سالن ہے۔
اسی طرح آپؐ بے تکلف اپنے صحابہ کی دعوت قبول فرماتے تھے، اگر دوسرے صحابہ بھوکے ہوں، تو جو بھی میسر ہوتا، ان میں سب کو شامل فرماتے، غزوۂ خندق کے موقع سے بڑی تنگی تھی، صحابہ کرامؓ فاقے سے دوچار تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت بھی یہی تھی، اس موقع پر حضرت جابرؓ نے تنگی کے باوجود آپؐ کے لیے تھوڑا سا کھانا بنایا اور دعوت پیش کی، ان کا منشا تھا کہ صرف آپؐ تشریف لائیں، لیکن آپؐ نے تمام صحابہؓ کو دعوت دے دی، حضرت جابرؓ اس صورتِ حال سے پریشان ہو گئے، لیکن ان کی اہلیہ نے اطمینان دلایا کہ جب آپؐ نے صورتِ حال سے واقف ہونے کے باوجود سب کو دعوت دی ہے تو ان شاء اللہ کمی نہیں ہو گی، چنانچہ یہی ہوا کہ آپؐ کی برکت سے تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔ آپؐ تمام معاملات میں اپنے رفقاء کے ساتھ شریک رہتے تھے، تقریبات میں بھی، کھانے پینے میں بھی، خوشی اور غم میں بھی، اسی لیے آپؐ کا اپنے صحابہؓ سے بے حد قریبی تعلق تھا۔
سامعین! آپؐ کی زندگی خود قناعت کے ساتھ گزرتی اور کئی کئی وقت فاقے کی نوبت آجاتی، لیکن اس کے باوجود آپؐ اپنے ساتھیوں کی مالی اعانت کا بھی خیال رکھتے، کوئی تحفہ آتا تو اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتے، یہاں تک کہ رمضان المبارک میں آپؐ کا جود وسخا تیز ہوا سے بھی بڑھ جاتا۔ ایک موقع پر حضرت عمرؓ سے کچھ سامان خریدا، اور ان ہی کے صاحب زادے حضرت عبد اللہؓ کو ہدیہ کر دیا۔ یہ عطا کرنے کے مختلف طریقے تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ آپؐ کے پاس کثرت سے مالِ غنیمت آتا، مختلف علاقوں کے محصولات

آتے، لیکن کوئی چیز آپؐ کے پاس باقی نہیں رہتی۔ ایک دن چند درہم بچ گئے، تو آپؐ بے چین تھے، حضرت عائشہؓ نے آپؐ کی بے چینی دیکھ کر خیال کیا کہ شاید کوئی تکلیف ہو گی، آپؐ نے فرمایا: نہیں! میں اس لیے بے قرار ہوں کہ کہیں اس حال میں میری موت نہ آجائے کہ یہ سکّے میرے پاس موجود ہوں۔ خاص طور پر نو مسلموں سے آپؐ اتنا گر اں قدر تعاون فرماتے کہ خود انہیں بھی حیرت ہوتی۔ آپؐ ساتھیوں سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے اور آپؐ کی بے تکلفی کو دیکھتے ہوئے آپؐ کے ساتھی رفقاء بھی آپؐ سے مزاح کرتے تھے۔ جیسے غزوۂ تبوک کے موقع سے حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، سلام کیا، آپ نے جواب دیا اور فرمایا: اندر آجاؤ، حضرت عوف ابن مالکؓ نے ازراہِ مزاح عرض کیا : اللہ کے رسولؐ! کیا پورا کا پورا آجاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: پورے پورے آجاؤ۔ ایک بار آپؐ نے حضرت صہیبؓ کو کھجور کھاتے ہوئے دیکھا، حالاں کہ ان کی آنکھ میں تکلیف تھی، آپؐ نے فرمایا: تمہاری آنکھ میں تکلیف ہے، پھر بھی کھجور کھاتے ہو؟ حضرت صہیبؓ نے عرض کیا: جس طرف تکلیف نہیں ہے، اس طرف سے کھاتا ہوں۔ آپؐ ان کے اس بے ساختہ جواب پر ہنس پڑے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک زاہر نامی دوست دیہات سے آیا کرتے تھے اور دیہات کی چیزوں کا تحفہ آپؐ کو پیش کرتے تھے۔ حضورؐ بھی اِن کو واپسی پر سامان واسباب دے کر رخصت فرماتے تھے، آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا: زاہر! ہمارے دیہاتی ساتھی ہیں اور ہم ان کے شہری ساتھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، وہ خوش شکل بھی نہ تھے۔ ایک دن جب وہ اپنا سامان بازار میں بیچ رہے تھے، آپؐ ان کے پاس تشریف لائے اور پیچھے سے اِن کی آنکھیں بند کرلی۔ جب اِس دوست نے دیکھا کہ میرے سے اتنا پیار کرنے والا کون ہو سکتا ہے تو حضورؐ فرمانے لگے : کون ہے جو اس غلام کو خرید لے؟ حضرت زاہر نے عرض کیا: اللہ کے رسولؐ کے علاوہ کون مجھے خریدے گا۔ مَیں تو ایک کھوٹا مال ہوں۔ فرمایا۔ تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو، تم تو اللہ کے پاس بہت قیمتی ہو۔

(مسند احمد)

سامعین! آپؐ اپنے دوستوں اور صحابہ کی دلداری بھی بہت کرتے تھے۔ آپؐ کسی کی بھی نہ خود دل آزاری کا باعث بنتے اور نہ کسی اَور کو اِس بات کی اجازت دیتے۔ ایک بار حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ مسواک

توڑنے کے لیے ایک درخت پر چڑھے، ان کی پنڈلیاں بہت پتلی تھیں، ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے ہوا ان کو اڑا لے جائے گی، لوگ ہنسنے لگے، آپؐ نے دریافت فرمایا: کیوں ہنستے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ان کی پتلی پتلی پنڈلیوں کی وجہ سے۔ آپؐ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اللہ کی ترازو میں ان کا وزن اُحد پہاڑ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

آپؐ اپنے صحابہ کی ضرورتوں کا پورا خیال رکھتے۔ ایک صاحب کی کھجوروں کی فصل خراب ہوگئی اور ان پر بہت سارا قرض ہو گیا، آپؐ نے اپنے رفقاء سے فرمایا، ان کی مدد کرو، لوگوں نے مدد کی۔ آپؐ کے رفقاء میں سے کسی کو تکلیف پیش آتی تو ان کی تسلی اور دل داری کا پورا اہتمام فرماتے۔ ایک صاحب اپنے چھوٹے بچے کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے، آپؐ بچے سے پیار کرتے۔ بچے کا انتقال ہو گیا، اس صدمے سے ان کے والد حاضر نہ ہو سکے، آپؐ کو ان کے بیٹے کی وفات کی خبر دی گئی۔ آپؐ نے اُس بچے کے والد سے ملاقات کر کے تعزیت کی، پھر آپؐ نے فرمایا: تمہیں یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زندگی گزارتا یا یہ کہ تم جنت کے کسی دروازے پر آؤ اور تم دیکھو کہ وہ تم سے پہلے پہنچ چکا ہے اور تمہارے لیے دروازہ کھول رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ دوسری بات مجھے زیادہ محبوب ہے، آپؐ نے فرمایا: یہ چیز تم کو حاصل ہو گئی۔

ایک مرتبہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تھے کھانے کے انتظام کے لئے ڈیوٹیاں تقسیم ہونے لگیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میں ایندھن کے لئے لکڑیاں جمع کروں گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: آپؐ کا کام ہم کر دیں گے۔ ارشاد فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ میری طرف سے کفایت کر دو گے، لیکن مجھے پسند نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کے مقابلے میں امتیاز اور بڑائی اختیار کروں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے ہیں، جو اپنے ساتھیوں میں بڑے بنتے ہوں۔ آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرح رہتے تھے کہ گویا آپؐ ان ہی میں سے ایک ہیں۔ آپؐ انصار کے ہاں تشریف لے جاتے، ان کے بچوں کو سلام کرتے، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور انہیں دعائیں دیتے تھے۔ پھر ایک روایت ہے کہ آپؐ مسلمانوں میں سے غریب لوگوں کے پاس تشریف لے جاتے، ان سے ملاقات کرتے، ان کے بیماروں کی عیادت فرماتے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے تھے۔

سامعین! جہاں آپؐ اپنے صحابہ کی مادی ضرورتوں کا اور دل داری و حسن سلوک کا لحاظ رکھتے تھے، وہیں ان کی دینی تربیت پر بھی متوجہ رہتے تھے، آپؐ نے ایک صاحب کو تیز تیز نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پوری توجہ سے ان کی نماز کا جائزہ لیا اور پھر ان کو اعتدال و میانہ روی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تلقین کی۔

سامعین! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مربی بھی تھے دوست بھی۔ آپ ان کے درمیان گھل مل جایا کرتے اور آپس میں تکلف کے ماحول کی بجائے دوستانہ فضا بنی رہتی۔

آپ کے ایک صحابی عبد العزیٰؓ تھا بچپن میں یتیم ہو گئے تھے، چچانے پرورش کی اور ان کی مالی حالت کو درست کیا۔ آپؓ نے ایک دن اپنے چچا سے اسلام قبول کرنے بارے پوچھا۔ چچانے نہ مخالفت کی بلکہ جو دیا ہوا تھا وہ سب لے لیا حتّٰی کہ جسم سے چادر اور تہبند بھی لے لی۔ آپؓ اپنی ماں سے ستر پوشی کے کپڑے لے کر دربارِ رسولؐ میں حاضر ہو کر اہل صفہ میں شامل ہو گئے۔ دن بھر بڑے شوق و ذوق سے قرآن پڑھتے۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے کہا "لوگ نماز پڑھتے ہیں اور یہ اعرابی اس قدر بلند آواز سے قرآن پڑھتا ہے کہ دوسروں کی قرات میں خلل ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو یہ تو خدا اور اس کے رسول کے لیے سب کچھ چھوڑ کر آیا ہے۔ تبوک کے موقع پر آپؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ میں بھی راہ خدا میں شہید ہو جاؤں۔ آپؐ نے ایک درخت کی چھال منگوائی ان کے بازو پر باندھی اور دعا کی کہ "الٰہی! دشمنوں پر ان کا خون حرام کر" عبد اللہ نے کہا یارسول اللہ! میں تو شہادت کا طالب ہوں۔ آپؐ نے فرمایا "جہاد کی نیت سے راستے میں بخار آ گیا اور مر جاؤ تب بھی تم شہید ہی رہو گے۔ چنانچہ راستے میں ہی آپؓ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی تدفین کا حال بلال بن حارث اس طرح بیان کرتے ہیں "رات کا وقت تھا بلال کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ ابو بکر و عمر ان کی لاش لحد میں رکھ رہے ہیں، اللہ کے رسول بھی قبر میں اترے ہیں۔ ابو بکر و عمر سے کہہ رہے تھے "اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو" اور اللہ کے رسول نے اپنے ہاتھ سے قبر پر اینٹ رکھی پھر دعا کی۔ الٰہی! آج رات تک میں اس سے خوش رہا ہوں، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

ربیعہؓ بن کعب جنہوں نے ایمان لا کر اپنے آپ کو اللہ کے رسول کی خدمت میں وقف کر دیا تھا۔ آپؓ کی شادی کا واقعہ بھی بہت ایمان افروز ہے جس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے اِس نو مبائع صحابی سے

دوستی کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو بار آپؓ سے شادی کا پوچھا۔ پہلے تو یہ انکار کرتے رہے۔ پھر آپؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میرے سے پوچھا۔ تو فوراً میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ کے رسول مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ دین و دنیا میں میرے لیے کیا بہتر ہے اور میری مالی حالت سے بھی خوب واقف ہیں تو میں نے عرض کیا ہاں اے اللہ کے رسول! برضا ورغبت تیار ہوں۔ آپؐ یہ سن کر خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا تم فلاں کے گھر جاؤ، اہل خانہ کو سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اللہ کا رسول تمہیں حکم دیتا ہے کہ ربیعہ کو اپنا داماد بناؤ۔ میں گیا اہل خانہ کو حضورؐ کا پیغام سنایا۔ وہ بغیر کسی پس و پیش کے تیار ہو گئے۔ میں واپس بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہا کہ وہ آپ کے حکم سنتے ہی مجھے داماد بنانے کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر یارسول اللہ! میں اب اپنی بیوی کو مہر کہاں سے دوں؟ یہ سن کر آپ مسکرائے اور بنو اسلم کے سردار بریدہ کو حکم دیا کہ ربیعہ کے لیے سونے کی ڈلی کا انتظام کرے۔ اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ یہ سونے کی ڈلی لے جاؤ اور اہل خانہ کو کہنا یہ آپ کی بیٹی کا مہر ہے۔ انہوں نے اس مہر کو خوشی سے قبول کر لیا۔ میں نے آپ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں اب ولیمہ کہاں سے کروں۔ آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ بنو اسلم کے سردار بریدہ سے آپؐ نے فرمایا بریدہ! اپنے قوم کے اس فرد کی خوشی میں شریک ہوتے ہوئے ایک مینڈھے کا انتظام کرو تا کہ ولیمہ ہو سکے۔ بریدہ نے ایک موٹا تازہ مینڈھا خرید کر آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر آپؐ کے ارشاد پر حضرت عائشہؓ نے آٹے کا انتظام فرمایا۔ یوں شادی ہوئی اور دعوتِ ولیمہ میں آپؐ نے بخوشی شرکت فرمائی۔

سامعین! حضرت حذیفہ بن یمان جو خاندانی اعتبار سے مکی، پیدائشی اعتبار سے مدنی تھے مسلمان ماں باپ کے آغوش میں تربیت پائی اور ایمان کی دولت پائی۔ بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سننے اور آپؐ کے اوصاف حمیدہ معلوم کرنے کا انتہائی شوق تھا۔ ہر دم یہی فکر رہا کرتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوں۔ جب حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو دست بستہ عرض کی کہ حضورؐ! میں مہاجر ہوں یا انصاری؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "چاہو مہاجر کہلاؤ یا انصاری تمہیں مکمل اختیار ہے۔ انہوں نے کہا میں انصاری بننا پسند کروں گا۔ جنگ احد میں آپ کے والد حضرت یمان پہچانے نہ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ جب رسول اللہ کو حقیقت حال کا علم ہوا تو آپؐ نے

حضرت حذیفہؓ کو ان کے باپ کی دیت دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت حذیفہؓ نے کہا یا رسول اللہ! میرے والد شہادت کی تمنا رکھتے تھے۔ ان کی تمنا پوری ہوئی۔ پھر کہنے لگے الٰہی! تو گواہ رہنا میں نے یہ دیت مسلمانوں کے لیے وقف کر دی۔ اس بات نے آپ کا ایک مقام پیدا کر دیا۔

سامعین! حضرت ابوسفیانؓ بن حارث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص چچازاد بھائی آپؐ کے ہم عمر تھے۔ آپ نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے آپؐ کے خاص دوست تھے مگر جب آپؐ نبوت سے سرفراز ہوئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے سامنے حق کی دعوت پیش کی آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو ابوسفیان بن حارث کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور آپؐ کو تکلیف پہنچانے کا ہر حربہ استعمال کیا۔ مگر جنگ حنین کے موقع پر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ابوسفیان بن حارث سر بکف میدان میں نکل آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کا مورچہ سنبھال لیا دائیں ہاتھ میں تلوار سے آپؐ کا دفاع کر رہے تھے۔ بائیں ہاتھ سے آپ کے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ جب اللہ کے رسول نے حضرت ابوسفیان بن حارث کو اپنا دفاع کرتے ہوئے دیکھا تو حضرت عباس جو گھوڑے کی لگام سنبھالے ہوئے تھے سے پوچھا یہ کون ہے، انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث ہے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے یہ دعا کی۔ ''الٰہی! اس کی ہر دو عداوت معاف کر دے جو اس نے میرے ساتھ روا رکھی تھی''

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔ ابوسفیان بن حارث پہلے ہی سے مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر پوچھا ''تم جانتی ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا میرا چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث ہے۔ یہ مسجد میں سب سے پہلے آتا ہے اور سب کے بعد جاتا ہے اور راستے میں چلتے ہوئے اپنی نگاہیں زمین پر گاڑے رکھتا ہے آنکھ اٹھا کر اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا۔

حضرت جریر بن عبد اللہ علی، آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، حجرہ مبارک میں بہت سے صحابہ موجود تھے اس لیے حضرت جریرؓ دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ آپؐ نے اپنی چادر مبارک لپیٹ کر حضرت جریرؓ کی طرف پھینک دی اور فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت جریر چادر مبارک کو اپنے سینے سے لگایا بوسہ دیا۔ پھر

آپؐ کو واپس کر دیا۔ احتراماً اس پر نہیں بیٹھے اور عرض کیا کہ آپؐ نے میری عزت افزائی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو بھی عزت عطا فرمائے۔

پیارے بھائیو! حضرت ابو بکرؓ، بلالؓ، زید بن حارثہؓ جو مکی دَورِ ابتلاء کے ساتھی تھے، مکہ کی عظیم الشان فتح کے وقت ان ساتھیوں کو رسول کریمؐ نے فراموش نہیں کیا۔ اس روز آپؐ کی شاہی سواری کے دائیں ابو بکرؓ تھے تو بائیں بلالؓ اور زیدؓ اگرچہ فوت ہو چکے تھے مگر ان کے بیٹے اسامہؓ کو آپؐ نے اپنی سواری کے پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ اس طرح وفاؤں کے جلو میں یہ قافلہ مکے میں داخل ہوا۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے خدام کی خدمات کا خاص احترام ہوتا تھا۔ چنانچہ اپنی زندگی کی شاندار فتح غزوۂ خیبر سے واپس آتے ہوئے جب اُحد مقام پر پہنچے تو اُحد کے شہید آپؐ کو یاد آئے جن کے خون سے یہ وادی لالہ رنگ ہوئی تھی۔ فرمایا: اُحد کو ہم سے محبت ہے اور ہمیں اُحد سے۔ مراد اہل احد سے تھی۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ شہدائے اُحد کی شہادت کے آٹھ سال بعد (یعنی اپنی وفات کے سال) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہیدوں پر جا کر دعا کی۔ ایسے لگتا تھا جیسے آپؐ زندوں کے ساتھ مُردوں کو بھی الوداع کہہ رہے ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ابو بکرؓ اپنے بوڑھے باپ ابو قحافہ کو ہمراہ لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ سے حسن سلوک اور کمال عجز و انکسار ملاحظہ ہو، فرمایا: اپنے بزرگ اور بوڑھے باپ کو آپ گھر میں ہی رہنے دیتے اور مجھے موقع دیتے کہ مَیں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کمال ادب سے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کا زیادہ حق بنتا تھا کہ چل کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں بجائے اس کے کہ حضورؐ بنفس نفیس تشریف لے جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے بٹھا کر ابو قحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: اب اسلام قبول کر لیجئے۔ ابو قحافہ کا دل تو رسول اللہؐ کی محبت بھری باتوں سے پہلے ہی جیتا جا چکا تھا۔ اُن کو انکار کا یارا کہاں تھا۔ انہوں نے فوراً سر تسلیم خم کیا۔

سامعین! جب مکہ کی عظیم الشان فتح سے خدا کا رسولؐ اور مومنین خوش ہو رہے تھے عین اس وقت کچھ عشاق رسولؐ 'انصارِ مدینہ' کے دلوں میں یہ وسوسے جنم لینے لگے کہ اُن کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی فتح

کے بعد کہیں اپنے وطن میں ہی مستقل قیام نہ فرمالیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی انصار کی ان قلبی کیفیات سے اطلاع فرمائی۔ آپؐ نے انصار مدینہ کا ایک الگ اجتماع کوہ صفا پر طلب فرمایا اور ان سے مخاطب ہوئے کہ کیا تم لوگ یہ باتیں کر رہے ہو کہ محمدؐ پر اپنے وطن اور قبیلے کی محبت غالب آگئی ہے؟ انصار نے سچ سچ اپنے خدشات بلاکم و کاست عرض کر دیے۔ تب خدا کے رسولؐ نے اطمینان دلاتے ہوئے بڑے جلال سے فرمایا کہ اگر مَیں ایسا کروں تو دنیا مجھے کیا نام دے گی؟ مجھے بتاؤ تو سہی کہ بھلا دنیا مجھے کسی اچھے نام سے یاد کرے گی؟ اور میرا نام تو محمدؐ ہے یعنی ہمیشہ کے لیے تعریف کیا گیا۔ تم مجھے کبھی بے وفا نہیں پاؤ گے۔ بے شک مَیں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ وہ وطن جو مَیں نے خدا کی خاطر چھوڑا تھا اب مَیں لَوٹ کر کبھی اس میں واپس نہیں آسکتا ہوں۔ اب مَیں تمہارا جیون مرن کا ساتھی بن چکا ہوں۔ میرے مکہ میں رہ جانے کا کیا سوال، اب تو سوائے موت کے مجھے کوئی اَور چیز تم جیسے وفاداروں اور پیاروں سے جدا نہیں کر سکتی۔

پس یہ تھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ سے دوستی اور محبت بھری رفاقت۔ جس کا یہ نتیجہ تھا کہ ہر صحابیؓ کا دل آپؐ کی محبت سے لبریز تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اپنے دوستوں، بے تکلف ساتھیوں، ہم عمروں اور رفقائے کار کے ساتھ خوش گوار برتاؤ کی ایک بہترین مثال ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

﴿17﴾ ﴿مشاہدات۔507﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں سے حسنِ سلوک

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف:200)

ترجمہ: عفو اختیار کر اور معروف کا حکم دے اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کر۔

نبوت کے تھے جس قدر بھی کمال
وہ سب جمع ہیں آپ میں لا محال
صفات جمال اور صفات جلال
ہر اک رنگ ہے بس عدیم المثال
لیا ظلم کا عفو سے انتقام
عَلَیْكَ الصَّلَاةُ عَلَیْكَ السَّلَامُ

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں سے حسنِ سلوک“

اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی آخری شرعی کتاب قرآن کریم نازل فرما کر دین اسلام کو مکمل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو جہاں قرآن کی عملی تصویر ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہمارے لئے اسوہ حسنہ بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ مجھے اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان اخلاق کا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے مقابلے پر بھی خوب ظاہر ہوا۔

اس وقت مَیں آپ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اِسی پہلو یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمنوں سے حسنِ سلوک پیش کروں گا جس نے نیک فطرت لوگوں کو تو آپ کے عشق ومحبت میں بڑھادیا اور منافقین کے گند سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرماکر اُن سے کنارہ کشی اختیار فرمائی اور جیسا کہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ تو دنیا پر ان لوگوں کی یعنی دشمنوں کی فطرت واضح ہو گئی۔

سامعین! ایک شخص فضالہ بن عُمیر فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب قتل کی نیت سے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے اس منصوبے کی خبر کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ لیا، بلایا تو وہ گھبرا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کس نیت سے آئے ہو۔ ظاہر ہے جب پکڑا گیا تو اس نے جھوٹ بولنا تھا، بہانے بنانے لگا۔ آپ مسکرائے اور پیار سے اسے اپنے پاس بلایا اور اس کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، بغیر کسی خوف کے کہ ہتھیار اس کے پاس ہے، کس نیت سے وہ آیا ہوا ہے۔ فضالہ کہتے ہیں کہ جب آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا تو میری تمام نفرت دور ہو گئی۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، تحطیم الاصنام صفحہ 747 دار الکتب العلمیۃ بیروت ایڈیشن 2001ء)

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے بھی ساری عمر اسلام کی عداوت میں گزاری تھی۔ مدینہ پر بار بار حملے کیے۔ حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکا اور پھر اس موقع پر جو معاہدہ کیا اسے توڑنے اور پامال کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ فتح مکّہ کے موقع پر امن کے اعلانِ عام کے باوجود ہتھیار نہ ڈالے بلکہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خالد بن ولید کے دستے پر حملہ کر کے حرم میں خونریزی کا موجب بنا۔ پھر اپنے جرائم کی معافی کی کوئی صورت نہ دیکھ کر یمن کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس کی بیوی اُمّ حکیم مسلمان ہو گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے اپنے خاوند کی امان کی طالب ہوئی۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امان نامہ لے کر اپنے خاوند کی تلاش میں اُس کے پیچھے گئی اور جا کر کہا کہ مَیں اُس عظیم انسان کے پاس سے آئی ہوں جو بہت ہی صلہ رحمی کرنے والا اور حُسنِ سلوک کرنے والا ہے، تم اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ عکرمہ کو اپنے جرائم کے خیال سے معافی کا یقین تو نہ آتا تھا مگر اپنی بیوی پر اعتماد کرتے ہوئے واپس

لَوٹ آیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا تو آپؐ نے کمال شفقت کا سلوک کیا اور دشمن قوم کے اس سردار کے اعزاز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر اپنی چادر اُس کی طرف پھینک دی جو امان عطا کرنے کے علاوہ احسان کا اظہار بھی تھا۔ عکرمہ نے عرض کیا کہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے معاف فرما دیا ہے۔ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا تو اُس کا سینہ کھل گیا اور آپؐ کی صلہ رحمی، حلیمی اور شانِ کریمی کا اظہار کرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 92 بیروت)

سامعین! ابوسفیان کی بیوی ہند نے اسلام کے خلاف جنگوں میں کفار کو اُکسانے اور بھڑکانے کا فریضہ خوب ادا کیا تھا۔ جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کی نعش کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا اور اُن کے ناک، کان اور دیگر اعضاء کاٹ کر لاش کا حلیہ بگاڑا اور کلیجہ چبا کر آتشِ انتقام کی آگ سرد کی۔ اس کے جرائم کی وجہ سے اسے بھی واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ فتح مکّہ کے روز ہند بھی نقاب اوڑھ کر آ گئی اور بیعت میں شامل ہو گئی لیکن بیعت کے دوران ہی بعض شرائطِ بیعت کے بارے میں استفسار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہچان گئے کہ ایسی دیدہ دلیری ہند ہی کر سکتی ہے۔ پوچھا کیا تم ہند ہو؟ کہنے لگی کہ یا رسول اللہ! اب تو مَیں دل سے مسلمان ہو چکی ہوں، جو کچھ پہلے گزر چکا آپؐ اس سے درگزر فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک فرمائے گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ دیکھیں کہ ہند کو بھی معاف فرما دیا۔ تب اُس کے دل کی کایا پلٹی۔ اُس نے گھر میں جا کر سارے بُت توڑ دیے۔ پھر دو بکرے ذبح کروا کے بھونے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھجوائے کہ آج کل جانور کم ہیں اس لیے یہ حقیر تحفہ پیش ہے۔ محسنِ اعظم جو کسی کے احسان کا بوجھ اپنے اوپر نہ رکھتے تھے، آپؐ نے ہند کے ریوڑ میں برکت کے لیے دعا کی۔ یہ دعا اس شان سے قبول ہوئی کہ ہند سے بکریاں سنبھالی نہ جاتی تھیں۔ وہ خود کہا کرتی تھی کہ یا رسول اللہؐ! ایک وقت تھا جب آپؐ کا گھر میری نظر میں دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل اور حقیر تھا مگر اب روئے زمین پر تمام گھرانوں سے معزز اور عزیز مجھے آپؐ کا گھر ہے۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 301 مطبوعہ بیروت)

سامعین! یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور ایک سریع الاثر زہر بہت بڑی مقدار میں بکری کی ران کے گوشت میں پکا کر سلام بن مشکم کی بیوی زینب کے ذریعے تحفۃً خدمتِ رسالت میں پیش کیا۔ آپؐ نے پہلا نوالہ ہی لیا تھا کہ آپؐ کو زہر کا احساس ہو گیا۔ ایک صحابی حضرت بشیرؓ نے لقمہ نگل لیا اور کچھ عرصے بعد اس زہر کے مہلک اثرات سے شہید ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب اور دوسرے یہود کو بلا کر پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو وہ کہنے لگی کہ ہم نے سوچا کہ اگر آپؐ سچے نہیں تو آپ سے نجات مل جائے گی ورنہ زہر آپؐ پر اثر نہیں کرے گا رسول کریمؐ نے بڑے جلال سے فرمایا خدا تعالیٰ تمہاری قتل کی تمام کوششوں کے باوجود تمہیں ہرگز میرے قتل کی طاقت نہیں دے گا۔

(السیرۃ المحمدیہ صفحہ 329)

اس عورت نے کہا کہ اب مجھ پر آپ کی سچائی کھل گئی ہے اور اُس نے وہیں اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو بھی معاف فرما دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الموت میں آخری سانس لے رہے تھے تو حضرت عائشہؓ سے فرمانے لگے اے عائشہ! میں اب تک اس زہر کی اذیت محسوس کر تا رہا ہوں جو خیبر میں یہودیوں نے مجھے دیا تھا اور اب بھی میرے بدن میں اس زہر کے اثر سے کٹاؤ اور جلن کی کیفیت ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ وفاتہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کی خاطر اپنے اوپر ہونے والی کسی زیادتی کا انتقام نہیں لیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ منافقین کے سردار عبد اللہ بن اُبَی نے ایک دفعہ مدینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی گرد اُڑنے پر آپؐ کو بُرا بھلا کہا اور دوسرے موقع پر آپؐ کو نعوذ باللہ مدینہ کا ذلیل ترین کہا۔ ان گستاخیوں کے باوجود آپؐ نے اُس کا جنازہ پڑھایا اور نعش کے لیے کرتہ عطا فرمایا۔

شوال 10 نبوی میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے گئے اور وہاں دس روزہ قیام کے دوران بہت سے رؤسا سے ملاقات کی۔ مگر سب نے تمسخر کیا بلکہ رئیس اعظم عبد یا لیل نے شہر کے آوارہ

لڑکے آپؐ کے پیچھے لگا دیئے جو شور کرتے ہوئے آپؐ پر پتھر برساتے۔ آپؐ کا بدن خون میں تربتر ہو گیا۔ تین میل تک یہ بدبخت گالیاں دیتے اور پتھر برساتے ہوئے چلے آئے۔ ایسے ظلم عظیم پر خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور خدا تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپؐ کے پاس بھیجا جس نے عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو تو پہلو کے دونوں پہاڑ ان لوگوں پر گرا کے ان کا خاتمہ کر دوں؟۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: نہیں نہیں، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں میں سے وہ لوگ پیدا کر دے گا جو خدائے واحد کی پرستش کریں گے۔

سامعین کرام! طائف کا ایک دور وہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے لئے پہنچے تو آپؐ کو لہولہان کر دیا گیا۔ دوسرا دور یہ تھا کہ 8 ہجری میں طائف اسلام کی قوت سے مرعوب ہو چکا تھا چنانچہ اہل طائف کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وفد کا رئیس عبد یالیل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی مرتبہ طائف میں قدم رکھا تھا تو وہی عبد یالیل جو آپؐ کی ایذاء رسانی میں پیش پیش تھا اور آج ایک وفد کا رئیس بن کر جھکی ہوئی گردن اور جھکی ہوئی آنکھ کے ساتھ حاضر دربار تھا۔ لیکن معلوم ہے اس بدترین بد تہذیب اور آزار رساں دشمن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا برتاؤ کیا اس کافر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سب سے مقدس مقام مسجد نبوی میں اتارا۔ صرف اسی کو نہیں اس کے ساتھیوں کو بھی صحن مسجد میں خیمے نصب کرا دیئے گئے اور یہ لوگ بلا تامل اس میں ٹھہرائے گئے اور ان کے ساتھ لطف و کرم کا برتاؤ کیا گیا۔

جب اس وفد کے لئے آپؐ نے خیمے نصب کرائے تو صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ پلید مشرک قوم ہے مسجد میں ان کا ٹھہرانا مناسب نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس آیت میں دل کی بلندی کی طرف اشارہ ہے جسموں کی ظاہری گندگی مراد نہیں اور نہ کوئی انسان ان معنوں میں پلید ہے کیونکہ سب انسان پاک ہیں اور وہ ہر مقدس سے مقدس جگہ پر جا سکتے ہیں۔

(احکام القران جلد 3 صفحہ 901)

سامعین! اس واقعہ سے جہاں آپؐ کی شجاعت، بلند عزم و ہمت اور بے نظیر صبر و استقلال پر روشنی پڑتی ہے وہاں آپؐ کی غیر معمولی محبت الٰہی اور اپنے دشمنوں سے حسن سلوک جیسے اعلیٰ خلق کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

ثمامہ بن اثال یمامہ کا رہنے والا تھا اور قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک با اثر رئیس تھا۔ وہ اسلام کی عداوت میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہمیشہ بے گناہ مسلمانوں کے قتل کے درپے رہتا تھا۔ آخر مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت اُس کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا بلکہ اپنے گھر سے کھانا اُسے دیتے رہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ثمامہ کو مسجد نبوی کے صحن میں ہی کسی ستون کے ساتھ باندھ دو۔ غرض یہ تھی کہ تا نمازوں کے روحانی نظاروں سے متاثر ہو کر وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز صبح ثمامہ کے قریب تشریف لے جاکر دریافت فرماتے کہ ''ثمامہ! اب کیا ارادہ ہے؟''۔ وہ جواب دیتا'' :اے محمدؐ! اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو آپؐ کو اس کا حق ہے کیونکہ میرے خلاف خون کا الزام ہے لیکن اگر آپ احسان کریں تو آپؐ مجھے شکر گزار پائیں گے اور اگر آپ فدیہ لینا چاہیں تو میں اس کے لئے تیار ہوں''۔ تین دن یہ سوال وجواب ہوتا رہا اور پھر آپؐ نے اُسے آزاد کرنے کا ارشاد فرمایا۔ وہ مسجد سے نکل کر ایک باغ میں گیا اور نہا دھو کر واپس آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک وقت تھا کہ مجھے تمام دنیا میں آپؐ کی ذات سے اور آپ کے دین اور آپ کے شہر سے سب سے زیادہ دشمنی تھی لیکن اب مجھے آپؐ کی ذات اور آپ کا دین اور آپ کا شہر سب سے زیادہ محبوب ہے۔

سامعین! رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی سلول کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ وہ ہر موقع پر اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔ ایک مرتبہ مدینہ آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصاری سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ راستے میں یہود، مشرکین اور مسلمانوں کی ایک مجلس میں عبد اللہ بن ابی سلول بھی موجود تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے آنے سے گرد اٹھی تو اُس نے منہ ڈھانپ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر پہنچے اور اُن سے اِس واقعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے مدینہ کے مخصوص حالات میں عبد اللہ بن ابیؑ سے درگزر کرنے کی درخواست کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو معاف کر دیا۔

(بخاری کتاب الاستیذان)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردار منافقین عبد اللہ بن ابیؑ سلول کے پاس سے گزرے وہ ٹیلوں کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا، ناک بھوں چڑھا کر اُس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کے نام سے پکار کر کہنے لگا کہ اس نے اپنی ساری غبار ہم پر ڈالی ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب عبد اللہ بن ابی کے (مخلص مسلمان) بیٹے عبد اللہ کو ملی تو وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپؐ چاہیں تو مَیں اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپؐ کے قدموں میں لا ڈالوں۔ آپؐ نے اسے فرمایا کہ ہمارا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم بہر حال تمہارے والد کے ساتھ نرمی اور احسان کا معاملہ کریں گے۔

(ہیثمی جلد 1 صفحہ 301)

ایک موقع پر اس نے برملا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت گستاخی کی۔ تو حضرت عمرؓ نے خدمت رسالت میں حاضر ہو کر اجازت چاہی کہ اُس کی گردن اڑا دیں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا: عمر جانے دو۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ لوگوں میں یہ چرچا ہو کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کرواتا پھرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اُس کو معاف فرمایا بلکہ اُس کا جنازہ بھی پڑھایا۔ جنازے کے ساتھ قبر تک تشریف لے گئے اور تدفین تک وہاں رہے۔

(بخاری کتاب الجنائز)

سامعین! ہبار ابن الاسود نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ پر اُس وقت نیزے سے قاتلانہ حملہ کیا تھا جب وہ مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے اونٹ پر سوار تھیں۔ وہ حاملہ تھیں اور اونٹ پر سے پتھریلی زمین پر گرنے کی وجہ سے اُن کا حمل ضائع ہو گیا اور آخر اُن کی یہ بیماری وفات پر منتج ہوئی۔ اس جرم کی بِنا پر ہبار کے لیے قتل کی سزا کا فیصلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فتح مکّہ کے روز وہ بھاگ کر کہیں چلا گیا۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لائے تو وہاں حاضر ہو کر معافی کا خواستگار ہوا کہ پہلے تو آپؐ کے ڈر سے فرار ہو گیا تھا مگر پھر آپؐ کے عفو و رحم کا خیال مجھے آپؐ کے پاس واپس لایا ہے۔ پھر اپنی زیادتیوں کا اقرار کر کے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے نہ صرف اُسے معاف فرمادیا اور فرمایا جا ھبار اللہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور سچی توبہ کرنے کی توفیق دی۔

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 22 صفحہ 431 مسند النساء ذکر سن زینب... حدیث 1051)

سامعین کرام! مختصر یہ ہے کہ مکّہ میں، طائف میں اور پھر مدینہ پہنچ کر بھی مشرکین اور یہود کے مظالم جاری رہے۔ عام مسلمانوں کو تو سرِعام شدید ایذائیں دی ہی جاتیں اور گلیوں میں گھسیٹتے ہوئے مارا پیٹا جاتا حتّٰی کہ بعض کو مار مار کر اندھا کر دیا گیا اور معصوم عورتوں کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں کپڑا ڈال کر کھینچا گیا، اونٹ کی اوجڑی سر مبارک پر اُس وقت ڈالی گئی جب آپ سجدہ ریز تھے، طائف کے غنڈوں نے پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ کئی سال شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا، قتل کی کوششیں کی گئیں اور ہر وہ ظلم توڑا گیا جو ممکن تھا۔ لیکن وہ رحمۃ للعالمینؐ ایسا تھا جس نے کبھی کسی تکلیف کا بدلہ نہیں لیا، ہمیشہ شفقت و عفو کا سلوک فرمایا بلکہ مسلمانوں کو جنگ کے دوران بھی یہی نصیحت فرمائی کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، راہبوں اور پادریوں پر حملہ نہ کیا جائے، درخت نہ کاٹے جائیں اور پانی کے ذخائر کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ جن کی دشمنی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ سے ہجرت کرنا پڑی اُن کو بھی فتح مکہ کے روز معاف فرمادیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”خدا کے مقربوں کو بڑی بڑی گالیاں دی گئیں۔ بہت بری طرح ستایا گیا۔ مگر ان کو اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ (الاعراف:200) کا ہی خطاب ہوا۔ خود اس انسان کامل ہمارے نبی کو بہت بری طرح تکلیفیں دی گئیں اور گالیاں، بدزبانی اور شوخیاں کی گئیں۔ مگر اس خلق مجسم ذات نے اس کے مقابلہ میں کیا کیا؟ ان کے لئے دعا کی اور چونکہ اللہ نے وعدہ کر لیا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کرے گا تو تیری عزت اور جان کو ہم صحیح وسلامت رکھیں گے اور یہ بازاری آدمی اس پر حملہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالف آپ کی عزت پر حرف نہ لا سکے اور خود ہی ذلیل و خوار ہو کر آپ کے قدموں پر گرے یا سامنے تباہ ہوئے۔“

(رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء صفحہ 99)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” کہنے کو تو یہ ایک عام سی بات ہے لیکن مسلسل ظلموں سے خود بھی اور اپنے صحابہ کو بھی گزرتے ہوئے دیکھنا، اور پھر جب طاقت آتی ہے تو عفو کا ایک ایسا نمونہ دکھانا جس کی مثال جب سے کہ دنیا قائم ہوئی ہے ہمیں نظر نہیں آتی، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی خاصہ ہے۔ پھر منافقین اور غیر تربیت یافتہ لوگوں کے مقابل پر آپؐ نے تحمل اور برداشت کا اظہار فرمایا۔ یہ بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھنے والا کوئی تاریخ دان ہو تو باوجود مذہبی اختلاف کے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ کی برداشت اور عفو اور ہر خلق کا نمونہ بے مثال تھا۔“

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 14 جنوری 2011ء)

سامعین! وہ لوگ جو اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس کی اشاعت تلوار کے زور سے ہوئی، سوچیں کہ وہ کونسی تلوار تھی جس نے دشمنانِ اسلام کے دلوں کو فتح کیا۔ بے شک یہ پیار و محبت اور عفو و درگزر کی تلوار تھی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿18﴾ ﴿مشاہدات۔508﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگی قیدیوں سے حسنِ سلوک

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۖ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا ۚ۬ ذٰلِکَ (محمد:5)

ترجمہ: پس جب تم ان لوگوں سے بھڑ جاؤ جنہوں نے کفر کیا تو گردنوں پر وار کرنا یہاں تک کہ جب تم ان کا بکثرت خون بہالو تو مضبوطی سے بندھن کسو۔ پھر بعد ازاں احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر آزاد کرنا یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

حسینانِ عالم ہوئے شرمگیں
جو دیکھا وہ حسن اور وہ نور جبیں
پھر اِس پر وہ اخلاق اکمل تریں
کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خلق کامل زہے حسن تام
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ السَّلَامُ

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگی قیدیوں سے حسنِ سلوک“

ہمیں تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ کسی بھی جنگ کے بعد فتح حاصل کرنے والی قوم کے ہاتھوں مفتوح قوم کو ذلیل کیا گیا۔ ان کے گھروں اور قلعوں کو مسمار کر دیا گیا۔ ان کے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا رہا۔ ان کے اموال اور جائیدادوں کو بے دریغ لوٹا گیا۔ کہیں ہمیں انسانی

کھوپڑیوں کے مینار دکھائی دیتے ہیں تو کہیں دلوں کو ہلا دینے والی ظلم و بربریت کی داستانیں سننے کو ملتی ہیں۔ لیکن اگر ہم اسلام کی تاریخ کو دیکھیں تو اس کے برعکس فتح مکہ کے موقع پر ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عظیم خُلق نظر آتا ہے جو مفتوح قوم کے ساتھ حسن سلوک، عفو، رحم اور احسان سے عبارت ہے۔ اس دن نہ کسی کو ہلاک کیا گیا اور نہ ہی کھوپڑیوں کے مینار بنائے گئے بلکہ اس کے بجائے رحم، عفو اور درگزر کے عظیم الشان مینار نظر آتے ہیں۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کے پیاسے دشمنوں کے ناقابل معافی جرائم سے درگزر کرتے ہوئے عام معافی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا: إِذْهَبُوْا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہ جاؤ! تم آزاد ہو آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔

سامعین! ہمارے سامنے جنگ بدر کی ایک مثال موجود ہے۔ جنگ بدر میں کافروں کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور 70 قیدی پکڑے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور مکہ سے دُور صرف اس مقصد کے لیے آئے تھے کہ مسلمانوں کی بیخ کنی کی جائے۔ اب مسلمانوں کے پاس موقع تھا کہ ان دشمنوں سے ان کی زیادتیوں کا گن گن کا بدلہ لیتے۔ لیکن نہ ان سے بدلہ لیا جاتا ہے اور نہ انہیں ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس دربار نبوی سے یہ حکم صادر ہوتا ہے کہ ان قیدیوں کے ساتھ نرمی اور شفقت کا سلوک کیا جائے اور ان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ صحابہ رسول جو اپنے آقا سے عشق کرتے تھے اور اُن کی طرف سے آنے والے ہر حکم اور نصیحت پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اس شان کے ساتھ اس حکم پر عمل کرتے ہیں کہ تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی۔

ایک قیدی ابوعزیز بن عمیر کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے انصار مجھے تو پکی ہوئی روٹی دیتے تھے لیکن خود کھجور وغیرہ کھا کر گزارہ کر لیتے تھے اور کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ ان کے پاس اگر روٹی کا چھوٹا ٹکڑا بھی ہوتا تھا تو وہ مجھے دے دیتے تھے اور خود نہیں کھاتے تھے اور اگر میں کبھی شرم کی وجہ سے واپس کر دیتا تو وہ اصرار کے ساتھ پھر مجھ کو دے دیتے تھے۔

(سیرت ابن ہشام جزء 1 صفحہ 394)

غزوۂ بدر کے اختتام کے بعد قیدیوں کو مدینہ لایا گیا اور رسیوں سے باندھ کر مسجد نبوی میں رکھا گیا، رات کو بعض قیدیوں کی کراہنے کی آواز سنائی دی، یہ آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے چین ہو گئے اور بقیہ رات آنکھوں میں کاٹی، جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رسیوں کے بند ڈھیلے کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے چھ ہزار قیدیوں کو چھ ہزار کپڑے کے جوڑے عطا فرمائے۔

(طبقات ابن سعد جزء 2 صفحہ 110)

غرضیکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے بعد بھی دشمنوں کے حقوق کا خیال رکھا کہ غیر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

سامعین! جیسا کہ خاکسار نے ابتداء میں قرآن کریم کی سورۃ محمد کی آیت 5 کی تلاوت کی تھی تو جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ ایک بنیادی آیت ہے جس میں قیدیوں کے ساتھ معاملہ کے تین طریق بیان کیے گئے ہیں۔

1۔ پہلا یہ کہ بطور احسان آزاد کر دیا جائے۔

2۔ دوسرا یہ کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

3۔ تیسرا یہ کہ جب جنگ مکمل طور پر ختم ہو جائے تو آزاد کر دیا جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں مذکور تینوں صورتوں پر عمل کر کے ہمیں قیدیوں کے ساتھ معاملات نبھانے کا نمونہ بتایا۔ اوّل تو آپ ازراہ احسان ہی قیدیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے جیسا کہ سریہ نخلہ میں 2 قیدیوں، غزوہ بنو مصطلق میں 19، سریہ جموم میں 10، سریہ عیص میں 9، سریہ ضمی میں 100، غزوہ حنین میں 6000، سریہ عیینیہ میں 63، سریہ بنوطے میں حاتم طائی کی بیٹی سنانہ پر احسان کرتے ہوئے پورے قبیلے کو آزاد کر دیا۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں کل چھ ہزار سے زائد قیدیوں کو ازراہ احسان آزاد فرمایا۔

جہاں تک فدیہ لے کر آزاد کرنے کی صورت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ یکمشت بھی لیا اور مکاتبت کے طور پر بھی اور فدیہ کی ایک صورت مسلمان قیدیوں کے ساتھ تبادلہ بھی تھا جیسا کہ ترمذی

کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں کے بدلہ ایک مشرک کو رہا کیا اور تیسری صورت جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ قیدیوں سے ان کی قابلیت کے مطابق کوئی خدمت بطور فدیہ لے کر آزاد کر دینا جیسا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا۔ فدیہ کی رقم چار ہزار سے ایک ہزار درہم تک تھی البتہ جو فدیہ کی رقم نہیں دے سکتے تھے ان کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو رہا ہو جائیں گے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اس بارے میں لکھا ہے کہ

"مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا کہ ان کے متعلق کیا کرنا چاہیے۔ عرب میں بالعموم قیدیوں کو قتل کر دینے یا مستقل طور پر غلام بنا لینے کا دستور تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی۔ اور پھر ابھی تک اس بارہ میں کوئی الٰہی احکام بھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ میری رائے میں تو ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ آخر یہ لوگ اپنے ہی بھائی بند ہیں اور کیا تعجب کہ کل کو انہی میں سے فدایانِ اسلام پیدا ہو جائیں مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ دین کے معاملہ میں رشتہ داری کا کوئی پاس نہیں ہونا چاہیے اور یہ لوگ اپنے افعال سے قتل کے مستحق ہو چکے ہیں۔ پس میری رائے میں ان سب کو قتل کر دینا چاہیے بلکہ حکم دیا جاوے کہ مسلمان خود اپنے ہاتھ سے اپنے اپنے رشتہ داروں کو قتل کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فطری رحم سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور قتل کے خلاف فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ جو مشرکین اپنا فدیہ وغیرہ ادا کر دیں انہیں چھوڑ دیا جاوے۔ چنانچہ بعد میں اسی کے مطابق الٰہی حکم نازل ہوا.... ہر شخص کے مناسب حال ایک ہزار درہم سے لے کر چار ہزار درہم تک اس کا فدیہ مقرر کر دیا گیا۔ اس طرح سارے قیدی رہا ہوتے گئے۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 367-368)

ان قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا جو قریش کے سرداروں میں سے تھا اور اس کی زبان بہت تیز اور کلام بہت پُر اثر تھا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقاریر کیا کرتا تھا۔ اب وہ قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اس کے اگلے دانت نکلوا دینے چاہئیں

تا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فتنہ انگیز تقاریر نہ کر سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو ناپسند فرمایا اور اسے معاف کر دیا اور فرمایا: عمر تمہیں کیا معلوم کہ خدا آئندہ اسے ایسے مقام پر کھڑا کرے جو قابل تعریف ہو۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر سہیل مسلمان ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اس نے متزلزل لوگوں کو بچانے کے لیے اسلام کی تائید میں نہایت پُر اثر خطبے دیے جس سے بہت سے ڈگمگاتے ہوئے لوگ بچ گئے۔

سامعین! ذرا غور فرمائیں۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں جنگی قیدیوں کو قتل کر دینے یا مستقلاً قید کر لینے کا رواج ہو۔ جہاں قیدیوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک ان کے دستور کا حصہ ہو اور مزید یہ کہ حضرت عمرؓ جیسے کبار صحابی ان قیدیوں کے قتل کے حامی بھی ہوں۔ ان ساری باتوں کے باوجود ہمیں رحمت عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عفو اس شان کے ساتھ ظہور میں آتا نظر آتا ہے کہ آپ ان قیدیوں کو نہ صرف فدیہ لے کر رہا کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ نرم اور پر شفقت سلوک کی نصیحت بھی فرماتے ہیں۔ اور جنگی قیدیوں کے ساتھ جو تیسرا معاملہ ہے کہ جنگ کے اختتام تک قید میں رکھا جائے تو فتح مکہ فتح مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد حرام میں داخل ہوئے، حجر اسود کو چوما اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس وقت آپؐ اونٹنی پر سوار تھے اور آپؐ کے ہاتھ میں ایک کمان تھی اس سے بیت اللہ کے گرد اور اس کی چھت پر موجود تین سو ساٹھ بتوں کو توڑ دیا ساتھ فرماتے جاتے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ پھر آپؐ نے کعبہ کی کنجی منگوائی اور اسے شرکیہ تصاویر سے پاک کیا اور وہاں نفل نماز ادا کی۔ اس سے فارغ ہو کر کعبہ کی چابی عثمان بن طلحہ اور اس کے خاندان کے ہی سپرد کر دی۔ جب باب کعبہ کے پاس تشریف لائے تو آپؐ کے تمام جانی دشمن آپؐ کے سامنے تھے۔ آپؐ نے اس جگہ عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا جو اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ اس خطبہ میں خونی دشمنوں کے لیے معافی اور مساوات انسانی کا اعلان تھا، کسی غرور کی بجائے فخر و مباہات کے خاتمہ کا اعلان تھا۔ یہ معرکہ آرا خطبہ بھی دراصل آپؐ کے اخلاق فاضلہ کا کمال اظہار تھا۔ اس خطاب کے بعد آپؐ نے فرمایا: ”اے مکّہ والو! اب تم خود ہی بتاؤ۔ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟“ اور پھر خود ہی نہایت عفوو کرم کا سلوک فرماتے ہوئے فرمایا ”اِذْ هَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" کہ جاؤ تم سب آزاد ہو صرف میں خود تمہیں معاف نہیں کرتا ہوں بلکہ اپنے رب سے بھی تمہارے لیے عفو کا طلب گار ہوں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ھشام جلد 4 صفحہ 94)

ساتھ ہی یہ احکام جاری فرمائے کہ جو شخص ہتھیار پھینک دے اسے قتل نہ کیا جائے، جو خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اسے قتل نہ کیا جائے، جو شخص ابو سفیان یا حکیم بن حزام کے گھر میں پناہ لے لے اسے بھی قتل نہ کیا جائے، معذور کا تعاقب نہ کیا جائے، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

(مسلم کتاب الجھاد والسیر باب فتح مکہ)

سامعین! عرب میں اپنے دشمنوں کی لاشوں کے ساتھ بہت بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کی باقاعدہ نذریں مانی جاتی تھیں۔ عہد نبویؐ میں اس تشدد پسندی کی مثال جنگ احد میں کفار مکہ کا مسلمان شہدا کے ناک کان کاٹ دینا اور ہندہ زوجہ ابو سفیان کا جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ سینے سے نکلوا کر چبانا ہے۔ یہ دردناک نظارہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کفّار نے خود اپنے عمل سے اپنے لیے اُس بدلے کو جائز بنا دیا ہے جس کو ہم ناجائز سمجھتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس وقت آپ کو وحی ہوئی کہ کفّار جو کچھ کرتے ہیں اُن کو کرنے دو تم رحم اور انصاف کا دامن ہمیشہ تھامے رکھو۔

(سیرت ابن ہشام جزء 3 صفحہ 196)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو ایسی اخلاق سوز اور وحشیانہ کارروائیوں سے منع فرمایا۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صدقہ پر ابھارتے تھے اور مثلہ (یعنی ناک، کان و دیگر اعضا کاٹنے) سے روکتے تھے۔

(ابوداؤد کتاب الجھاد بَابٌ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُثْلَةِ)

سامعین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور غلاموں تک کو یہ اجازت دی تھی کہ جو مذہب چاہو اختیار کرو۔ لیکن اسلام کی تبلیغ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسلام کی تعلیم کے بارے میں بتائو کیونکہ لوگوں کو پتہ نہیں ہے۔ یہ خواہش اس لئے ہے کہ یہ تمہیں اللہ کا قرب عطا کرے گی اور تمہاری ہمدردی کی خاطر ہی ہم تم سے یہ کہتے ہیں۔

چنانچہ ایک قیدی کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔ سعید بن ابی سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف مہم بھیجی تو بنو حنیفہ کے ایک شخص کو قیدی بنا کر لائے جس کا نام ثُمامہ بن اُثال تھا۔ صحابہ نے اسے مسجد نبویؐ کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ثمامہ! تیرے پاس کیا عذر ہے یا تیرا کیا خیال ہے کہ تجھ سے کیا معاملہ ہو گا؟۔ اس نے کہا میرا ظن اچھا ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کر دیں تو آپؐ ایک خون بہانے والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ انعام کریں تو آپ ایک ایسے شخص پر انعام کریں گے جو کہ احسان کی قدر دانی کرنے والا ہے۔ اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہے لے لیں۔ اس کے لئے اتنا مال اس کی قوم کی طرف سے دیا جا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اگلا دن چڑھ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائے اور ثمامہ سے پوچھا۔ کیا ارادہ ہے؟۔ چنانچہ ثمامہ نے عرض کی کہ میں تو کل ہی آپؐ سے عرض کر چکا تھا کہ اگر آپؐ انعام کریں تو آپ ایک ایسے شخص پر انعام کریں گے جو کہ احسان کی قدر دانی کرنے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہیں چھوڑا۔ پھر تیسرا دن چڑھا پھر آپ اس کے پاس گئے آپؐ نے فرمایا اے ثمامہ! تیرا کیا ارادہ ہے؟ اس نے عرض کی جو کچھ میں نے کہنا تھا وہ کہہ چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ تو ثمامہ کو آزاد کر دیا گیا۔ اس پر وہ مسجد کے قریب کھجوروں کے باغ میں گیا اور غسل کیا اور مسجد میں داخل ہو کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا مجھے دنیا میں سب سے زیادہ ناپسند آپ کا چہرہ ہوا کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب آپ کا چہرہ ہے۔ بخدا! مجھے دنیا میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ آپ کا دین ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ میرا محبوب ترین دین آپ کا لایا ہوا دین ہے۔ بخدا! میں سب سے زیادہ ناپسند آپؐ کے شہر کو کرتا تھا۔ اب یہی شہر میرا محبوب ترین شہر ہے۔

(بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ۔ وحدیث ثمامہ بن اُثال)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”دیکھیں! انسانی ہمدردی کی انتہا۔ آپ ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دشمن کے منہ پر زخم نہیں لگانا۔ کوشش کرنی ہے کہ دشمن کو کم از کم نقصان پہنچے۔ قیدیوں کے آرام کا خیال رکھنا ہے۔ غالباً جنگ بدر کے

ایک قیدی نے بیان کیا کہ جس گھر میں وہ قید تھا اس گھر والے خود کھجور پر گزارا کرتے تھے اور مجھے روٹی دیا کرتے تھے اور اگر کسی بچے کے ہاتھ میں بھی روٹی آجاتی تھی تو مجھے پیش کر دیتے تھے۔ اس نے ذکر کیا کہ مَیں بعض دفعہ شرمندہ ہوتا تھا اور واپس کرتا تھا لیکن تب بھی (کیونکہ یہ حکم تھا، اسلام کی تعلیم تھی) وہ باصرار روٹی مجھے واپس کر دیا کرتے تھے کہ نہیں تم کھاؤ۔ تو بچوں تک کا یہ حال تھا۔ یہ تھی وہ سلامتی کی تعلیم، امن کی تعلیم، ایک دوسرے سے پیار کی تعلیم، دوسروں کے حقوق کی تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں قائم کی اور بچہ بچہ جانتا تھا کہ اسلام امن وسلامتی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پھر کسی بھی قوم سے اچھے تعلقات کے لئے اس کے سفیروں سے حسن سلوک انتہائی ضروری ہے۔ آپؐ کا حکم تھا کہ غیر ملکی سفیروں سے خاص سلوک کرنا ہے۔ ان کا ادب اور احترام کرنا ہے اگر غلطی بھی ہو جائے تو صرف نظر کرنی ہے، چشم پوشی کرنی ہے۔ پھر اس امن قائم کرنے کے لئے فرمایا کہ اگر جنگی قیدیوں کے ساتھ کوئی مسلمان زیادتی کا مرتکب ہو تو اس قیدی کو بلا معاوضہ آزاد کر دو۔ تو یہ احکام ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ اسلام کی جنگیں برائے جنگ نہ تھیں بلکہ اسلام کے لئے، اللہ تعالیٰ کے لئے تھیں۔ آزادی ضمیر ومذہب کے قیام کے لئے تھیں اور دنیا کو امن و سلامتی دینے کے لئے تھیں۔ پھر قیدیوں سے حسن سلوک کے بارے میں قرآنی تعلیم ہے کہ اگر کسی قیدی کو یا غلام کو فدیہ دے کر چھڑانے والا کوئی نہ ہو اور وہ خود بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو فرمایا وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (النور:34) یعنی تمہارے غلاموں یا جنگی قیدیوں میں سے جو تمہیں معاوضہ دینے کا تحریری معاہدہ کرنا چاہیں تو اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ کہ ان میں یہ صلاحیت ہے، ان کو کوئی ہنر آتا ہے کہ وہ اس معاہدے کے تحت کوئی کام کرکے اپنی روزی کما سکتے ہیں تو تحریری معاہدہ کرلو اور ان کو آزاد کر دو اور وہ مال جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے بھی کچھ انہیں دو۔ یہ جو جنگوں کا خرچ ہے کیونکہ اس وقت انفرادی طور پر پورا کیا جاتا تھا تو جس مالک کے پاس وہ غلام ہے وہ اس کا کچھ خرچ برداشت کرے یا وہ نہیں کرتا تو مسلمان اکٹھے ہو کر اس کے لئے سامان کر دیں اس طرح اس کو آزادی مل جائے یا لکھ کر آزادی مل جائے یا اگر اس کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی اپنے پاس سے

پوری کر دو تا کہ وہ آزادی سے روزی کما سکے اور اس طرح معاشرے کا آزاد شہری بنتے ہوئے ملکی ترقی میں بھی شامل ہو سکے کیونکہ اس کا ہنر اس کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ملک کے بھی کام آ رہا ہو گا۔

تو یہ ہے اسلام کی خوبصورت تعلیم جو ہر پہلو سے ہر طبقے پر سلامتی بکھیرنے والی ہے۔ ہر ایک کو آزادی دلوانے والی ہے۔"

(خطبہ جمعہ 29؍جون 2007ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿19﴾ ﴿مشاہدات۔522﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت تاجر

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (الجمعہ:12)

ترجمہ: جب وہ کوئی تجارت یا دل بہلاوا دیکھیں گے تو اس کی طرف دوڑ پڑیں گے اور تجھے اکیلا کھڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ تو کہہ دے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ دل بہلاوے اور تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ رزق عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

اُوچہ نیاز دارد بمدحِ کس می
مدحِ اُو فخر خود ہر مدحت گرے

یعنی اُسے کسی کی تعریف کی کیا حاجت ہے اُس کی مدح کرنا تو ہر مدحت کرنے والے کے لیے باعثِ فخر ہے۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت تاجر" ہے۔

جیسا کہ ہم سب یہ بات جانتے ہیں کہ کائنات میں بسنے والے ہر ہر فرد کی کامل رہبری کیلئے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جسے آسان لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے رہنمائی حاصل کریں اور دنیا اور آخرت کی نعمتوں کو اپنا مقدر بنائیں۔

دنیا میں بسنے والے ہر ہر انسان کو دعوتِ عام دی گئی ہے کہ جہاں ہو، جس شعبے میں ہو، جس قسم کی رہنمائی چاہتے ہو، جس وقت چاہتے ہو، تمہیں مایوسی نہ ہو گی، تمہیں تمہاری مطلوبہ چیز سے متعلق مکمل رہنمائی ملے گی، شرط یہ ہے کہ تمہاری طلب سچی ہو، چنانچہ تاجر ہو یا کاشتکار، شریک ہو یا مضارب، مزدور ہو یا کوئی بھی محنت کش، ماں ہو یا باپ، بیٹا ہو یا بیٹی، میاں ہو یا بیوی، مسافر ہو یا مقیم، صحت مند ہو یا مریض، شہری ہو یا دیہاتی، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ، اگر وہ چاہے کہ میرے لیے میرے شعبے میں رہنمائی ملے تو اس کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی میں نمونہ موجود ہے۔

سامعین! تجارت وہ ناگزیر ضرورت ہے جس کے بغیر انسانی معاشرے کا نظام نہیں چل سکتا، اللہ تعالیٰ نے تجارت کو انسانوں کی معاشی ضروریات پوری کرنے کا ایک ذریعہ بنایا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق زراعت، تجارت، ملازمت اور مالِ غنیمت کمائی کے وہ حلال اور جائز طریق ہیں جن کے ذریعے انسان اپنی ضروریاتِ زندگی مہیا کر سکتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو کمائی کے بہترین ذرائع میں ارشاد فرمایا ہے، بہت سی روایات ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی فضیلت واہمیت ذکر فرمائی ہے، درجات بیان فرمائے ہیں اور تجارت کے متعلق احکامات ارشاد فرمائے ہیں اور خود بھی ان ارشادات پر ہمیں عمل کر کے دکھایا ہے۔ تجارت وکاروبار کے حوالے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات واضح ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بزرگ انبیاء یقیناً صدیق اور امین تھے۔ لیکن ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں یہ صفات توسب انبیاء سے بڑھ کر پائی جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امین وصدیق ہونے کی گواہی آپ کے اہل وعیال، آپ کے گھر میں پلنے والے بچوں سمیت ہر اُس شخص نے دی جس نے بھی آپؐ کو دیکھا، آپؐ کے ساتھ کسی بھی قسم کا لین دین کیا۔ یہاں تک کہ دشمن بھی پکارا کرتے تھے: ”یہ تو سچوں کا سچا اور صدوق ہے“۔ آپؐ کی صدق بیانی اور امانت داری کا حال سن کر ہی تو حضرت خدیجہؓ نے اپنا مال، تجارت کی غرض سے آپؐ کے سپرد کیا اور جب آپؐ کو انتہا درجہ کا صدیق وامین پایا اور اس بات کی گواہی جب آپؐ کے ایک غلام نے دی جو کہ سفر میں آپؐ کے ساتھ تھا تو اس سے متأثر ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا پیغام بھجوایا اور آپؐ سے شادی کی۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ابتدائی سالوں میں جب آپ کے والدین انتقال فرما گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت آپؐ کے دادا عبد المطلب کرتے رہے۔2 سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔دادا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ابو طالب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے جو بہت ہی ذوق و شوق اور محبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرتے رہے اور جب تجارت کی غرض سے دوسرے شہروں میں جاتے تو اپنے بھتیجے کو بھی ہمراہ لے جاتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف 2 سفر کیے۔پہلا سفر اپنے چچا کے ہمراہ، لیکن اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطورِ تاجر شریک نہ تھے بلکہ محض تجارتی تجربات حاصل کرنے کے لیے آپ کے چچا نے آپؐ کو ساتھ لیا تھا۔اسی سفر میں بحیرا راہب والا مشہور قصہ پیش آیا جس کے کہنے پر آپ کے چچا نے آپ کو حفاظت کی خاطر مکہ واپس بھیج دیا۔

(الطبقات الکبریٰ، ذکر ابی طالب وضمہ رسول اللہؐ، وخروجہ معہ الی الشام فی المرۃ الاولی)

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم 25 برس کے ہو گئے تو آپ کے چچا ابو طالب نے کہا کہ اے بھتیجے! میں ایسا شخص ہوں کہ میرے پاس مال نہیں، زمانہ کی سختیاں ہم پر بڑھتی جا رہی ہیں، تمہاری قوم کا شام کی طرف سفر کرنے کا وقت قریب ہے۔خدیجہ بنت خویلد اپنا تجارتی سامان دوسروں کو دے کر بھیجا کرتی ہے، تم بھی اجرت پر اس کا سامان لے جاؤ، اس سے تمہیں معقول معاوضہ مل جائے گا۔یہ گفتگو حضرت خدیجہؓ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیج کر بلوایا کہ جتنا معاوضہ اوروں کو دیتی ہوں، آپ کو اس سے دوگنا دوں گی۔اس پر ابو طالب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ یہ وہ رزق ہے جو اللہ نے تمہاری جانب کھینچ کر بھیجا ہے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔آپ کے ہمراہ حضرت خدیجہؓ کا غلام ''میسرہ'' بھی تھا۔جب قافلہ شام کے شہر بصریٰ میں پہنچا تو وہاں نسطورا راہب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی علامات پہچان کر آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی پیشگوئی کی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی سامان فروخت کر لیا تو ایک شخص سے کچھ بات چیت بڑھ گئی۔ اس نے کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم اٹھاؤ، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا حَلَفْتُ بِهِمَا قَطُّ، وَإِنّي الَامُرُّ فَأُعْرِضُ عَنْهُمَا"

میں نے کبھی ان دونوں کی قسم نہیں کھائی، میں تو ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے منہ موڑلیتا ہوں"۔ اس شخص نے یہ بات سن کر کہا: حق بات تو وہی ہے جو تم نے کہی۔ پھر اس شخص نے میسرہ سے مخاطب ہو کر کہا:

خدا کی قسم، یہ تو وہی نبی ہے جس کی صفات ہمارے علماء کتابوں میں لکھی ہوئی پاتے ہیں۔

پھر جب میسرہ کی زبانی اس سفر میں نفعِ کثیر اور نسطورا راہب اور اس جھگڑا کرنے والے شخص کی باتیں سنیں تو آپؓ بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔

حضرت خدیجہؓ بہت زیادہ دور اندیش، مستقل مزاج، شریف، باعزت اور بہت مال دار عورت تھیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کا پیغام بھیج کر نکاح کر لیا۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال تھی۔

(ملخّص من الطبقات الکبریٰ، ذکر خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الشام فی المرۃ الثانیۃ، ذکر تزویج رسول اللہ ﷺ خدیجہ بنت خویلد)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر مبارک کے پچیسویں سال تک تجارتی اسفار میں اپنے اخلاقِ کریمانہ، حسنِ معاملہ، راست بازی، صدق ودیانت کی وجہ سے اتنے زیادہ مشہور ہو چکے تھے کہ لوگوں میں آپ "صادق وامین" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے، لوگ کھلے اعتماد کے ساتھ آپ کے پاس بے دھڑک اپنی امانتیں رکھواتے تھے۔ انہی خصائل کی بنا پر حضرت خدیجہ بن خویلد رضی اللہ عنہا کی رغبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوئی تھی اور انہوں نے پیغامِ نکاح بھیجا تھا۔

سامعین کرام! تجارت کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ تجارتی معاملات کی کامیابی کیلئے معاملات کی صفائی اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز اہم ترین کردار ادا کرتا ہے اور یہ صفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم

موجود تھیں چنانچہ حضرت قیسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ جاہلیت میں میرے شریک ہوتے تھے اور آپؐ شرکاء میں سے بہترین شریک تھے، نہ لڑائی کرتے تھے اور نہ ہی جھگڑا کرتے تھے۔

(الاصابة فی تمییز الصحابة)

مسلمان تاجر کی صفات میں سے ایک صفت، معاملات کے وقت شور شرابا اور آپس کی بے جا بحث و تکرار سے بچنا بھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف عظیم کی گواہی زمانۂ نبوت سے پہلے بھی دی جاتی تھی۔

سیرت خاتم النبیین میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک واقعہ کو اس طرح درج کیا گیا ہے کہ "مکہ سے تجارت کے قافلے مختلف علاقوں کی طرف جاتے تھے۔ جنوب میں یمن کی طرف اور شمال میں شام کی طرف تو باقاعدہ تجارت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کے علاوہ بحرین وغیرہ کے ساتھ بھی تجارت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ان سب ملکوں میں تجارت کی غرض سے گئے اور ہر دفعہ نہایت دیانت وامانت اور خوش اسلوبی اور ہنرمندی کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا۔ مکّہ میں بھی جن لوگوں کے ساتھ آپؐ کا معاملہ پڑا وہ سب آپؐ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ چنانچہ سائبؓ ایک صحابی تھے۔ وہ جب اسلام لائے تو بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔" سائبؓ نے عرض کی۔ "ہاں یا رسولؐ اللہ! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپؐ ایک دفعہ تجارت میں میرے شریک تھے اور آپؐ نے ہمیشہ نہایت صاف معاملہ رکھا۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم۔اے صفحہ 106)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملہ سچائی اور امانت داری سے کرتے اور ہر معاملے میں سچا وعدہ کرتے اور جو وعدہ کرتے اس کو پورا ہی کرتے۔ آپ کے تجارتی ساتھی عبد اللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملہ کیا میرے ذمے کچھ دینا باقی تھا۔ میں نے عرض کیا کہ میں ابھی لے کر آتا ہوں اتفاق سے گھر جانے کے بعد اپنا وعدہ بھول گیا، تین روز بعد یاد آیا کہ میں آپ سے واپسی کا وعدہ کرکے آیا تھا، یاد آتے ہی فوراً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر پہنچا معلوم

ہوا کہ دو روز گزر گئے، آج تیسرا دن ہے وہ مکان پر نہیں آئے، گھر والے خود پریشان ہیں، میں یہاں سے روانہ ہوا اور جہاں جہاں خیال تھا، سب جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا کہیں نہیں ملے تو احتیاطاً اُس جگہ پر پہنچا جہاں وعدہ کیا تھا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب دیکھا کہ آپ اسی مقام پر موجود ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں اور زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ مسلسل تین دن انتظار کی زحمت اٹھانے کے بعد بھی جب میں نے معذرت کی تو آپ نہ ناراض ہوئے، نہ لڑائی جھگڑا کیا اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کی۔ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے اور وہ بھی دھیمی آواز میں

"يَا فَتًى! لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ أَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ"

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث:4996)

کہ ارے بھائی! تو نے مجھے زحمت دی میں تین دن سے اسی جگہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب غلہ بیچ رہے تھے، گندم یا جَو کا ڈھیر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزرتے ہوئے اس کے پاس رکے اور معائنے کی غرض سے غلے کے ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ وہ غلہ اوپر سے خشک تھا لیکن اندر سے گیلا تھا۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بیچنے والے نے کہا یا رسول اللہ! بارش ہو گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا کیا بارش غلے کے اندر ہو گئی تھی؟ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا "مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا" جس نے ہمیں تجارت میں دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ خراب مال چھپا کر صحیح مال کے ساتھ بیچنا بھی دھوکے کی ایک قسم ہے۔

سامعین! آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار سوال کیا گیا کہ کون سی کمائی پاکیزہ ترین ہے؟ فرمایا: اپنے ہاتھوں سے کام کرنا اور ہر حلال و جائز کی خرید و فروخت۔ (السنن الکبری للبیہقی 5/263)

تجارت میں حسنِ معاملہ، صداقت و دیانت اور راست بازی کی ہر دم تاکیدی نصیحت فرماتے رہے، فرمایا: قیامت کے روز تاجر فجار کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے بجز اس تاجر کے جو اپنے معاملات میں خدا ترس رہا ہو، لوگوں سے حسنِ سلوک کیا ہو اور ہر معاملے میں سچائی کا دامن تھامے رکھا ہو۔

(ترمذی حدیث:1210)

آپؐ نے مسلمان تاجروں کو خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا: امانت دار اور سچا تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔

(سنن ترمذی، کتاب البیوع عن، باب مَا جَاءَ فِي التُّجَّارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُمْ)

اس ارشاد میں حضورؐ نے دونوں باتوں کا احاطہ کیا ہے۔ پہلی یہ کہ گفتگو میں سچا ہو، دوسرا یہ کہ مال کے معاملے میں دیانت دار ہو۔ یعنی بات طے کرتے وقت جھوٹ نہ بولتا ہو اور فروخت کے وقت مال میں گڑبڑ نہ کرتا ہو۔ یہی دو باتیں تجارت کی بنیاد ہیں کہ بات سچی ہونی چاہیے اور مال خالص ہونا چاہیے، لیکن بطور تاجر ان دونوں باتوں پر عمل آسان کام نہیں ہے۔ ایک تاجر کے لیے اس رتبے کا حصول ناممکن تو نہیں ہے لیکن مشکل ضرور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں زیادہ قسمیں کھانے سے منع فرمایا:

"بیع میں زیادہ قسمیں کھانے سے احتیاط برتو، کیونکہ اس طرح مال تو بک جاتا ہے۔ مگر برکت جاتی رہتی ہے۔"

(مسلم حدیث:4123)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تاجر میں 4 باتیں آجائیں تو اس کی کمائی پاک ہو جاتی ہے۔ جب خریدے تو اس چیز کی مذمت نہ کرے۔ بیچے تو (اپنی چیز کی بہت زیادہ) تعریف نہ کرے۔ بیچنے میں گڑبڑ نہ کرے اور خرید و فروخت میں قسم نہ کھائے۔"

(الترغیب والترھیب، کتاب البیوع)

ایک روایت میں نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا تَنَاجَشُوْا" کہ نجش مت کرو۔ نجش یہ ہے کہ خریدنے کے ارادے کے بغیر صرف مال کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی دینا۔ مثلاً کسی چیز کی نیلامی ہو رہی ہے جس کے لیے لوگ اپنی اپنی بولی دے رہے ہیں، ان میں سے ایک آدمی خریدنا تو نہیں چاہتا لیکن صرف بھاؤ میں گڑبڑ کرنے کے لیے بولی دے رہا ہے۔ آپؐ نے اسے حرام اور جھوٹ قرار دیا۔

سامعین! آج کے دَور میں ایک بہت بڑا مسئلہ قرض کا لین دین ہے۔ لوگ کاروبار کے لئے یا کسی اور مَصرف کے لئے قرض لیتے ہیں اور پھر ادا کرتے وقت ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ بعض کی تو نیت شروع سے ہی خراب ہوتی ہے کہ قرض لے لیا پھر دیکھیں گے کہ کب ادا کرنا ہے اور ایسے لوگ باتوں میں بھی بڑے ماہر

ہوتے ہیں جن سے قرض لینا ہو ان کو ایسا باتوں میں چراتے ہیں کہ وہ بیوقوف بن کے پھر رقم ادا کر دیتے ہیں یا کاروباری شراکت کر لیتے ہیں۔ بہر حال ایسے ہر دو قسم کے قرض لینے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے۔ ”جس شخص نے لوگوں سے واپس کرنے کی نیت سے مال قرض پر لیا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادائیگی کے سامان کر دے گا اور جو شخص مال ہڑپ کرنے کی نیت سے قرض لے گا اللہ تعالیٰ اسے تلف کر دے گا“

(بخاری، کتاب فی الاستقراض، باب من اخذ اموال الناس)

ایک روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوعمر اونٹ کسی سے قرض لیا۔ پھر آپؐ کے پاس زکوٰۃ کے کچھ اونٹ آئے تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ اس آدمی کا نوعمر اونٹ واپس کر دو۔ مَیں نے کہا ان اونٹوں میں سے صرف ایک اونٹ ہے جو بہت عمدہ ہے اور سات سال کا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا وہی اسے دے دو اس لئے کہ بہترین آدمی وہ ہے جو بہترین طریق پر قرض ادا کرتا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب جواز اقتراض الحیوان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پرواہ نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں اپنے قرضوں کے ادا کرنے میں۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے لوگوں کی نماز نہ پڑھتے تھے (یعنی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے) پس تم میں سے ہر ایک اس بات کو خوب یاد رکھے کہ قرضوں کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہئے اور ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی سے دور بھاگنا چاہئے۔ کیونکہ یہ امر الٰہی کے خلاف ہے“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 607)

سامعین! ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک کسی نے باہر سے آکر آواز لگائی کہ تجارت کا قافلہ آگیا ہے۔ اب ہر ایک کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر دیر ہوگئی تو قافلے کا سارا سامان شام تک بک جائے گا اور میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا، پھر اگلے قافلے کا انتظار کرنا پڑے گا جو کہ ایک صبر آزما کام ہو گا۔ لوگوں کو یہ خدشہ تھا کہ یہ قافلہ اگر نکل گیا تو اگلا قافلہ دو چار مہینے کے بعد آئے گا

اور یوں انہیں مقامی لوگوں سے مال خریدنا پڑے گا جو مہنگا دیں گے، یا معلوم نہیں مال کی مطلوبہ مقدار بھی ان سے ملتی ہے یا نہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ انسان اپنا مفاد دیکھتا ہے۔ چنانچہ ایک ایک کر کے لوگ اٹھنا شروع ہو گئے، روایت میں آتا ہے کہ مجمع میں گیارہ آدمی رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کے بارے میں تنبیہ فرمائی کہ

وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَۃً اَوۡ لَہۡوَا ۨانۡفَضُّوۡۤا اِلَیۡہَا وَتَرَکُوۡکَ قَآئِمًا ؕ قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ مِّنَ اللَّہۡوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ ؕ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ (الجمعہ:12)

اور جب وہ کوئی تجارت یا دل بہلاوا دیکھیں گے تو اس کی طرف دوڑ پڑیں گے اور تجھے اکیلا کھڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ تو کہہ دے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ دل بہلاوے اور تجارت سے بہت بہتر ہے اور اللہ رزق عطا کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

فرمایا، پہلے اطمینان سے نماز پڑھو اور پھر نماز کے بعد تجارت کرو۔ ویسے بھی جمعے کی اذان سے لے کر نماز کے اختتام تک تجارت کے لیے ممنوع وقت ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الۡبَیۡعَ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ "(الجمعہ:10)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن کے ایک حصّہ میں نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی کرتے ہوئے بڑھا کرو اور تجارت چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کو تجارتوں سے بھی خاص نسبت ہے۔ ہر قسم کے کاروباروں میں بڑی وسعت پیدا ہو چکی ہے۔ سٹاک مارکیٹوں سے دنیا کی تجارتوں کے اتار چڑھاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ جو اس کاروبار میں ملوث ہیں یا یہ کرتے ہیں، اتنے مصروف ہوتے ہیں اور مختلف کمپنیوں کے شیئرز (Shares) کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر سودے کر رہے ہوتے ہیں کہ ان کا اس بولی کے دوران یا ریٹ اوپر نیچے ہونے کے دوران ایک لمحے کے لئے بھی آنکھ جھپکنا یا سوچ ادھر ادھر پھیرنا ان کو لاکھوں کروڑوں اربوں کا گھاٹا دلوا دیتا ہے۔ اسی طرح منڈیوں کے چھوٹے کاروبار ہیں... زیادہ سے زیادہ الیکٹرانک ذرائع

اس میں استعمال ہونے کی وجہ سے تجارت کے لئے وقت کی اہمیت بھی ہر دن بہت بڑھتی چلی جارہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنی بھی چاہے بڑی تجارت ہو، چاہے جتنی تمہارے پاس وقت کی کمی ہو نماز جمعہ کے مقابلہ میں اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں اور تمہارا وقت نکال کر اپنے تمام ممکنہ نقصانات کو پس پشت ڈال کر جمعہ کا اہتمام کرنا بہر حال ضروری ہے۔"

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 18 ستمبر 2009ء)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی سے قیامت کے دن مال کے حوالے سے دو چیزوں کے متعلق سوال ہوگا "مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَ وَفِیْمَا اَنْفَقَ" مال کمایا کہاں سے تھا اور خرچ کہاں پر کیا؟ کمائی کے ذرائع جائز تھے یا ناجائز؟ اور جن چیزوں پر خرچ کیا وہ جائز تھیں یا ناجائز؟ اِن دو باتوں میں سارا معاملہ آجاتا ہے۔ کمائی کے ذرائع اور مصرف کے مقامات دونوں جائز ہوں گے تب بات بنے گی ورنہ آدمی گناہ گار ٹھہرے گا۔ اسلام نے کمائی کے ذرائع بھی محدود کیے ہیں اور واضح کیا ہے کہ کون سے ذرائع آمدن جائز ہیں اور کون سے ناجائز اور خرچ کرنے کے معاملے میں بھی انسان کو کھلی چھٹی نہیں دی گئی کہ جہاں چاہو خرچ کر لو بلکہ مصرف کے مقامات کے متعلق بھی واضح کیا گیا ہے کہ فلاں جگہ خرچ کرنے کے لیے جائز ہے اور فلاں ناجائز اور یہی اسلامی معیشت و تجارت کا بنیادی دائرہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

" ہمارے سامنے یہ تعلیم ہے۔ ہم جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیم کے نمونے قائم کرتے ہیں۔ اگر ہمارے عمل اس کے خلاف ہوں تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ نہ تو ہم امانت کا حق ادا کر رہے ہیں، نہ ہی ہم اپنے عہد پورے کر رہے ہیں بلکہ کاروبار میں دوسروں کو دھوکہ دے کر قرضوں میں ٹال مٹول سے کام لے کر گناہگار بن رہے ہیں اور اُس زمرے میں آرہے ہیں جو فساد پیدا کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ان امور کی پرواہ نہیں کرتے اور ہماری جماعت میں سے بھی ایسے لوگ ہیں جو بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ تو مَیں بھی آج بڑے افسوس سے یہی بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اتنا بڑا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں پہلے تو ذرائع وسائل اتنے نہیں تھے کہ خلیفہء وقت جو بات کہہ رہا ہوتا تھا یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات جو بیان

کئے جاتے تھے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیم بتائی جاتی تھی جس کو ماننے کا ہم دعویٰ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات بیان کئے جاتے تھے وہ اسی جگہ پر محدود ہوتے تھے جس مجمع کو یا جس جلسے کو وہ خطاب کیا جارہا ہوتا تھا۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کا خلاصہ یا کچھ حد تک تفصیل چند ہفتوں بعد جماعت کے افراد تک پہنچ جاتی تھی اور ان کی تعداد بہت کم ہوتی تھی جو براہ راست استفادہ کر سکیں۔ لیکن آج ایم ٹی اے کے بابرکت انعام اور انتظام کی وجہ سے یہ آواز اس وقت لاکھوں احمدیوں کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ آج ہمارے دعوے کی آواز اپنوں اور غیروں تک یکساں ایک ہی وقت میں پہنچ جاتی ہے۔ دوسرے بھی بہت سارے استفادہ کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری ذمہ داری بڑھ گئی ہے کہ ہر ملک میں، ہر شہر میں، ہر احمدی اپنے آپ کو اس تعلیم کے مطابق ڈھالے جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ اپنی کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتے ہوئے چھپانے کی کوشش کرے، دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور حتی الوسع یہ کوشش کرے کہ ایسی کمزوریاں اور عمل سرزد نہ ہوں جو جماعت کی بدنامی کا موجب بنیں۔“

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 18 نومبر 2005ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿20﴾ ﴿مشاہدات۔524﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ مزاح

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (ال عمران:160)

ترجمہ: پس اللہ کی خاص رحمت کی وجہ سے تُو ان کے لئے نرم ہو گیا اور اگر تُو تند خو (اور) سخت دل ہوتا تو وہ ضرور تیرے گرد سے دُور بھاگ جاتے۔

نبوّت کے تھے جس قدر بھی کمال
وہ سب جمع ہیں آپؐ میں لامحال
صفاتِ جمال اور صفات جلال
ہر اک رنگ ہے بس عدیم المثال
محمد ہی نام اور محمد ہی کام
علیك الصلوٰة علیك السلام

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ مزاح''

ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہے۔ انسان پر مختلف اوقات میں مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں، کبھی وہ سنجیدہ ہوتا ہے اور کبھی رنجیدہ، کبھی غصہ میں اور کبھی خوش طبع۔ مزاح اور خوش طبعی یا مذاق اور دل لگی ایک ایسی پُر کیف اور پُر سرور کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر انسان میں ودیعت فرمائی ہے۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ سے ہمیں ہر طرح کے انسانی جذبات کی مثال مِل جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عام لوگ مختلف کیفیات میں انتہا پر چلے جاتے ہیں،

اعتدال کا دامن چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کیفیت میں حدِّ اعتدال کے اندر رہتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں گو وقار، سنجیدگی اور متانت کی فضا ہر وقت قائم رہتی۔ یہاں تک کہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت میں ایسے باادب و باتمکین ہو کر بیٹھتے تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ادنٰی سی حرکت سے اڑ جائیں گے۔ مگر اس احترام کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی کی جھلک ان متبرک محفلوں کو خوشگوار بناتی رہتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک طرف نبی مرسل کی حیثیت سے احترامِ رسالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ و تلقین میں مصروف رہتے تو دوسری طرف اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک بے تکلف دوست اور ایک خوش مزاج ساتھی کی حیثیت سے بھی میل جول رکھتے اور اُس محفل میں ظرافت کی باتیں بھی ہوتیں ،گھر بار کے روزانہ کے قصے بھی بیان ہوتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں بذلہ سنجی، نرم خوئی اور کشادہ روئی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں شدت و سختی اور ترش روئی بالکل نہیں تھی۔ غرض بے تکلفی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں گفتگو کرتے۔

سامعین! لطیف اور پاکیزہ مزاح بھی انسان کی اعلیٰ درجہ کی ذہانت کو ظاہر کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مزاح کی حس غیر معمولی تھی۔ آپؐ صاف ستھرا اور سچا مذاق کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں مذاق میں بھی جھوٹ نہیں کہتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ بہت مزاح کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سچا مزاح کرنے والے پر ناراض نہیں ہوتا۔

(جامع الکبیر للسیوطی صفحہ 142)

صحابہ رسولؐ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلس میں آکر بیٹھ جاتے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم ہنسی خوشی بیٹھے ہوں اور آپؐ نے کوئی مایوسی یا غم والی بات کر دی ہو۔ آپؐ ہمارے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے۔ ہمارے ساتھ خوش ہوتے تھے، لطیفے وغیرہ سنتے اور کبھی خود سناتے بھی تھے۔

(مسلم کتاب الفضائل باب 11)

سامعین! آیئے! کچھ ایسے واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن سے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دلپذیر حسنِ مزاح کا پتہ چلتا ہے۔

ایک شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کے لئے درخواست کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم کو سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ وہ شخص حیران ہوا کیونکہ اونٹنی کا بچہ سواری کا کام کب دے سکتا ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں اونٹی کے بچہ کا کیا کرونگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔

(ابوداؤد کتاب الادب باب 18)

سامعین ملاحظہ فرمایئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سائل سے مزاح بھی فرمایا اور اس میں حق اور سچائی کی رعایت بھی فرمائی۔ سواری طلب کرنے پر آپ نے جب اونٹنی کا بچہ مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا تو سائل کو تعجب ہوا کہ مجھے سواری کی ضرورت ہے اور اونٹنی کا بچہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس پر سواری کی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تعجب کو دور کرتے ہوئے اور اپنے مزاح کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تجھے سواری کے قابل اونٹ ہی دے رہا ہوں مگر وہ بھی تو اونٹنی ہی کا بچہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اَخلاق والے تھے اور میرا ایک بھائی تھا جس کو ابو عمیر کہا جاتا تھا اور میرے خیال میں اُس کا دودھ چھڑایا جا چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اے ابو عمیر! نغیر کا کیا بنا؟ نغیر نامی (ایک پرندہ تھا جس) کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا (بعد ازاں وہ فوت ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس بچے کی دل جوئی اور مزاح کے لیے یہ فرماتے)۔

(البخاری فی الصحیح، کتاب الادب، باب الکنیۃ للصبی قبل أن یولد للرجل)

ایک بوڑھی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: یارسول اللہ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں جگہ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت روتے ہوئے واپس جانے لگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو بتاؤ کہ جنت میں کوئی عورت بڑھاپے کے عالَم میں داخل نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اِنَّآ

اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا "یعنی ہم نے جنت کی عورتوں کو نو عمر اور کنواریاں بنایا ہے۔ یہ سُن کر وہ عورت خوش ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اس واقعہ میں بھی مبنی بر حق تھا مگر آپ نے ایک سچی بات کو مزاحیہ انداز میں بیان کر کے امت کو یہ تعلیم دی کہ کبھی کبھار مذاق اور دل لگی بھی کر لینی چاہئے۔
(ترمذی باب فی صفة مزاح رسول اللہؐ)

سامعین! حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:
ایک شخص کا نام زاہر بن حرام تھا۔ وہ دیہات میں رہتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے گاؤں سے ہدیے اور تحفے لاتا تھا اور جب وہ جانے لگتا تو نبیؐ بھی اس کو کچھ سامان دے دیتے۔ آپ فرماتے : زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور وہ بد شکل تھا۔ ایک دن وہ سودا بیچ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس گئے اور پیچھے سے اُس سے اس طرح بغل گیر ہوئے کہ وہ دیکھ نہ سکا۔ اُس نے پوچھا: کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو۔ پھر اس نے مڑ کر دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا۔ پھر اس نے اپنی پیٹھ کو نبی کریم کے سینہ سے چپکائے رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ مذاق فرمایا کہ یہ غلام کون خریدے گا؟ اِس پر زاہر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بخدا آپ مجھے کھوٹا سکّہ پائیں گے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹا سکّہ نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ صفحہ 416)

زاہر بن حرام آزاد شخص تھا لیکن ازراہِ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا بندہ مراد لے کر اُسے "عبد" فرمایا، یہ ذومعانی لفظ ہے۔ اس کے ایک معنی غلام کے بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حوصلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی بڑی قدر و منزلت ہے اور پیار کا اظہار فرمایا۔ اس کی عقیدت کا عالَم یہ تھا کہ اُس نے دیر تک اپنی پشت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ملائے رکھا تاکہ آپؐ کے جسمِ مبارک کے لمس کا شرف حاصل ہو جائے۔ عام طور پر بڑے لوگ سیاہ فام یا بدصورت شخص سے دور رہتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی دلداری فرماتے تھے تاکہ اُن کے دل میں احساسِ کمتری پیدا نہ ہو کیونکہ اللہ کے ہاں صورتوں اور رنگتوں پر نہیں بلکہ ایمان و عمل پر فیصلہ ہو گا جیسا

کہ حدیث میں ہے کہ "بے شک اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا' بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے"

(صحیح مسلم:2564)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ اپنے گھر کے خادم حضرت انسؓ کو دو کانوں والا کہہ کر یاد فرماتے۔ اب ظاہر ہے کہ ہر شخص کے دو کان ہی تو ہوتے ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیار سے انسؓ کو یوں پکارنا کہ اے دو کانوں والے! ذرا ادھر آنا بھی ظرافت اور خوش طبعی کے طور پر تھا۔

(شمائل الترمذی باب فی صفۃ مزاح رسول اللہؐ)

بعض دفعہ کسی عام سی بات پر زیادہ زور دے کر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذاق کی بات پیدا کر لیتے تھے۔ حضرت زید بن اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ام ایمنؓ نے (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی بھی تھیں) آپؐ سے عرض کیا کہ میرے شوہر نے آپ کو دعوت پر بلایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کس نے؟ وہی آپ کا شوہر جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کی قسم! اس کی آنکھوں میں کوئی سفیدی (کا عیب) نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، اس کی آنکھوں میں تو سفیدی ہے۔ ام ایمنؓ نے پھر عرض کیا: خدا کی قسم! ایسا نہیں ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کھولی کہ بی بی! کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوتا جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔ آپؐ کا اشارہ آنکھ کے سفید ڈیلے کی طرف تھا جو ہر آنکھ میں ہوتا ہے۔

(تخریج أحادیث الإحیاء، المغني عن حمل الأسفار، صفحہ 1019)

سامعین! حضرت خوات بن جُبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں مَیں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مر الظہران میں پڑاؤ کیا۔ اپنے خیمہ سے نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ عورتیں ایک طرف بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ میں خیمہ میں واپس آیا اور اپنی ریشمی پوشاک پہن کر ان عورتوں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ دریں اثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ مجھے دیکھا تو فرمانے لگے اے ابو عبد اللہؓ! تم ان عورتوں کے قریب آکر کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رعب سے ڈر کر جلدی میں یہ عذر گھڑ لیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! میرا اونٹ آوارہ سا ہے، اسے باندھنے کو

رسی ڈھونڈتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اوڑھی اور درختوں کے جھنڈ میں قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ وضو فرما کر واپس آئے تو مجھے چھیڑتے ہوئے فرمایا۔ ابوعبداللہؓ! تمہارے آوارہ اونٹ کا کیا حال ہے؟ اب خوّاتؓ دل ہی دل میں سخت نادم تھے۔ وہ کہتے ہیں ہم نے وہاں سے کوچ کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر پڑاؤ پر مجھے دیکھتے ہی فرماتے "السلام علیکم۔ اے ابوعبداللہؓ! تمہارا آوارہ اونٹ کیسا ہے؟"

خدا خدا کر کے مدینہ پہنچے۔ اب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں بچانے لگا بلکہ رسول اللہؐ کی مجالس سے بھی کنی کترا جاتا۔ کچھ عرصہ گزر گیا تو ایک روز مسجد میں تنہائی کا ایک وقت تلاش کر کے میں نماز پڑھنے لگا۔ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر سے مسجد تشریف لائے اور آ کر نماز پڑھنے لگے۔ آپؐ نے دو رکعت نماز مختصر سی پڑھی اور میرے انتظار میں بیٹھ رہے۔ یہ دیکھ کر میں نے نماز لمبی کر دی کہ شاید اس دوران حضورؐ گھر تشریف لے جائیں۔ آپؐ نے یہ بھانپ کر فرمایا: ابوعبداللہؓ ! جتنی مرضی نماز لمبی کر لو۔ میں بھی آج تمہارے سلام پھیرنے سے پہلے نہیں اٹھوں گا۔ میں نے دل میں سوچا کہ خدا کی قسم! اب تو مجھے رسول اللہؐ سے معذرت کر کے بہر حال آپؐ کو راضی کرنا ہو گا۔ جونہی میں نے سلام پھیرا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ السلام علیکم اے ابوعبداللہ! تمہارا آوارہ اونٹ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں میرا اونٹ کبھی بھاگا، نہ آوارہ ہوا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے۔ آپؐ نے دو یا تین مرتبہ یہ دعا دی۔ پھر اس کے بعد آپؐ نے میرے ساتھ کبھی یہ مذاق نہیں فرمایا۔

(معجم الکبیر للطبرانی جلد 4 صفحہ 243)

یہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہلکے پھلکے مزاح کے ساتھ تربیت کا ایک طریق تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا ماحول خالص دینی ماحول تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپؐ کے گھر کے ماحول میں کسی قسم کا ہنسنا کھیلنا یا مزاح کرنا ممنوع تھا۔ آپؐ اپنی ازواج کے ساتھ گھر میں نہایت بشاشت کے ساتھ رہتے اور باہمی مزاح بھی رہتا تھا۔ اس پہلو پر ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ

اپنی ازواج سے کس قدر بے تکلف تھے اور ازواج مطہرات بھی ادب و احترام کی حدود میں رہتے ہوئے مزاح کی باتوں سے لطف اندوز ہوا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا اور وہ درد سے کراہ رہی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مزاح کے رنگ میں فرمایا: اے عائشہ! آپ کو کس بات کی فکر ہے؟ اگر آپ کی وفات ہو گئی تو میں تمہیں غسل دوں گا اور کفن پہناؤں گا پھر نماز جنازہ پڑھوں گا پھر دفن کروں گا۔

(بخاری کتاب المرضی۔ حدیث 5666)

سامعین کرام! ہمیں کسی سے مذاق کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ہمارے مزاح سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذاق میں بھی کسی کی حق تلفی اور نقصان نہ کیا جائے۔ ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا سامان نہ تو مذاق میں لے اور نہ سنجیدگی میں۔

(ابوداؤد:5003)

لوگ اکثر مذاق میں جھوٹ بولتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنجیدگی اور مذاق دونوں حالتوں میں جھوٹ کی اجازت نہیں دی، آپ نے فرمایا:

"کوئی بندہ کامل مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے، خواہ اس کا موقف سچا ہو، جھگڑا نہ کرے"

(مسند احمد:8630)

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علقمہ بن مُجَزِّز کو ایک لشکر میں بھیجا۔ میں بھی اُن میں شامل تھا۔ جب وہ وہاں پہنچے یا راستے میں تھے تو لشکر میں سے کچھ لوگوں نے اُن سے اجازت لی۔ انہوں نے ان کو اجازت دی اور اُن پر عبداللہ بن حذافہ کو امیر بنایا۔ جب وہ راستے میں تھے تو کچھ لوگوں نے تاپنے یا کچھ پکانے کیلئے آگ جلائی۔ عبداللہ حذافہ نے خوش طبعی کے طور پر کہا کہ کیا تم پر میری سمع وطاعت واجب نہیں ہے؟ انہوں نے کہا یقیناً ہے۔ عبداللہ حذافہ نے کہا کہ میں تمہیں جس بات کا حکم دوں اُس پر عمل کرنا ہو گا۔ انہوں نے کہا: ہاں! عبداللہ بن حذافہ نے کہا کہ میں تمہیں قسم دے کر

کہتا ہوں کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ کچھ لوگ کھڑے ہوئے ۔ جب انہوں نے گمان کیا کہ وہ کودنے والے ہیں تو کہا رک جاؤ میں تو تمہارے ساتھ مزاح کر رہا تھا۔ جب وہ واپس (مدینہ منورہ) آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپؐ نے فرمایا: تمہیں اللہ کی معصیت کا حکم کس نے دیا۔ اس کی اطاعت نہ کرو"

(ابن ماجہ:2863)

یعنی مزاح میں بھی شریعت کی پابندی لازم ہے۔

سامعین! خوشگوار زندگی کے لئے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حسنِ مزاح پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

﴿21﴾ ﴿مشاہدات۔525﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر واستقلال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (ال عمران 187)

کہ تم ضرور اپنے اموال اور اپنی جانوں کے معاملہ میں آزمائے جاؤ گے اور تم ضرور ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان سے جنہوں نے شرک کیا، بہت تکلیف دِہ باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ ایک بڑا باہمت کام ہے۔

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں
محمدؐ است فرو زندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا
خدا نما ست و جود ش برائے عالمیاں

(کتاب البریّہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 157 حاشیہ)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی دونوں جہانوں کا امام اور چراغ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی زمین وزماں کا روشن کرنے والا ہے۔ مَیں خوفِ خدا کی وجہ سے اُسے خدا تو نہیں کہتا مگر خدا کی قسم! اس کا وجود اہل جہاں کے لئے خدا نما ہے۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر واستقلال"

آیئے !سب سے پہلے جانتے ہیں کہ صبر واستقلال کے کیا معنی ہیں۔ صبر کے معنی روکنے اور برداشت کرنے کے ہیں، یعنی اپنے نفس کو خوف اور گھبراہٹ سے روکنا اور مصائب کو برداشت کرنا۔ استقلال کے معنی استحکام اور مضبوطی کے ہیں۔ الغرض صبر و استقلال دل کی مضبوطی، اخلاقی بلندی اور ثابت قدمی کا نام ہے۔ شرعی اصطلاح میں صبر و استقلال سے مراد دینِ اسلام پر چلتے ہوئے صدمات، مشکلات، نقصانات، تکالیف، مزاحمتوں، مخالفتوں اور آزمائشوں کے موقع پر ثابت قدم رہنا اور نفس پر قابو پانا ہے۔ صبر جنت کی کنجی ہے، اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، دین کی خدمت کی راہ میں ایک مومن کو بے شمار موقعوں پر اپنے صبر اور استقامت کا ثبوت دینا پڑتا ہے، لوگ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں، طعنے دیتے ہیں ستاتے ہیں اور پھر ہر قسم کا جانی اور مالی نقصان پہنچانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر ایک مومن کو صبر واستقامت کی ضرورت پڑتی ہے اور اس صبر کی طاقت سے ان مشکلات کا سامنا اور مقابلہ کرتا ہے۔ اپنے پیارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم قدم پر مصائب اور تکالیف کا سامنا کیا اور صبر واستقامت سے مقابلہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کے لیے صبر و استقلال سے ڈٹے رہے اور بڑی سے بڑی مشکلات اور تکالیف کو بھی نہایت عاجزی و انکساری اور صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔

سامعین کرام! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مقرر فرمایا اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ اسلام کی بنیاد رکھی۔ لوگوں کو اسلام اور وحدانیت کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ اُس وقت لوگ ایک اللہ کے تصور سے بالکل ناآشنا تھے۔ لوگ بُت پرستی، توہم پرستی اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ لڑائی جھگڑا اُن کا روز مرہ کا معمول تھا۔ ایسے مشکل ترین دور میں لوگوں کو راہِ راست پر لانا اور ایک اللہ کا تصور دینا بے حد مشکل تھا۔ چونکہ نبوت کے آغاز سے قبل ہی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے متاثر تھے اور آپؐ کو صادق اور امین مان چکے تھے اور آپؐ کی دُور اندیشی اور عقل وفراست کو تسلیم کر چکے تھے اِس لیے جب آپؐ نے دینِ اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا تو کچھ لوگوں نے آپؐ کی تائید کی اور دینِ اسلام کو دینِ حق مان لیا اور اسلام قبول کر لیا مگر اکثریت نے اس کو

ماننے سے انکار کر دیا۔ یہی وہ دور تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و استقلال کی آزمائش کا آغاز ہوا۔ آپؐ کے خلاف آپؐ کے اپنے اور قریبی لوگوں نے سازشیں شروع کر دیں۔ آپؐ پر ظلم کرنے سے گریز نہ کیا گیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”تیرہ برس کا زمانہ کم نہیں ہوتا اس عرصہ میں آپؐ نے جس قدر دکھ اٹھائے ان کا بیان بھی آسان نہیں ہے۔ قوم کی طرف سے تکالیف اور ایذارسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جاتی تھی اور ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر و استقلال کی ہدایت ہوتی اور بار بار حکم ہوتا تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں نے صبر کیا ہے تو بھی صبر کر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال صبر کے ساتھ ان تکالیف کو برداشت کرتے تھے اور تبلیغ میں سست نہ ہوتے تھے۔ بلکہ قدم آگے ہی پڑتا تھا اور اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر پہلے نبیوں جیسا نہ تھا کیونکہ وہ تو ایک محدود قوم کے لئے مبعوث ہو کر آئے تھے اس لئے ان کی تکالیف اور ایذارسانیاں بھی اسی حد تک محدود ہوتی تھیں لیکن اس کے مقابلے میں آنحضرتؐ کا صبر بہت ہی بڑا تھا کیونکہ سب سے اول تو اپنی ہی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف ہو گئی اور ایذارسانی کے درپہ ہوئی اور عیسائی بھی دشمن ہو گئے۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 53)

سامعین! اب خاکسار وقت کی مناسبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و استقلال کے کچھ نمونے آپ کے سامنے پیش کرتا ہے۔

عاص بن وائل رسول اللہؐ کو بے اولاد ہونے کے طعنے دیتا۔ ولید بن مغیرہ کہتا ہے اگر فرشتہ اترنا ہی تھا تو ہمارے جیسے شہر کے کسی بڑے سردار پر اترتا۔

(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 384)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے تھے۔ ان میں ایک دوسرے سے کہنے لگا تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلے میں ذبح ہونے والی اونٹنی کی بچہ دانی اٹھا لائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پشت پر اس وقت

رکھ دے جب وہ سجدہ کرے۔ تب لوگوں میں سے بدبخت انسان عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور وہ اونٹنی کی بچہ دانی اٹھالایا اور دیکھتا رہا جب نبی کریمؐ نے سجدہ کیا تو اس نے وہ گند بھری بچہ دانی آپؐ کے کندھوں پر رکھ دی۔ عبد اللہ بن مسعودؓ (جو ایک کمزور قبیلہ کے فرد تھے) کہتے ہیں، میں یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی ان سرداروں کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اے کاش ! مجھے بھی طاقت حاصل ہوتی اور میں آپؐ کے لئے کچھ کر سکتا۔

ادھر سردارانِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت زار دیکھ کر ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہو کر ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی حالت میں پڑے ہوئے سر نہ اٹھا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ آئیں اور انہوں نے آپؐ کی پشت سے وہ گند ہٹایا تو آپؐ نے سر اٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بیٹی! صبر سے کام لو اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے یہ نہیں جانتے کہ ان کی بہتری کس چیز میں ہے۔“

(بخاری کتاب الوضوء باب اذا القی علی ظھر المصلی)

ابولہب کی بیوی ام جمیل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھا دیتی تھی جس سے آپؐ کے پاؤں مبارک زخمی ہو جاتے تھے لیکن آپؐ نے کبھی اس کے لئے بددعا نہیں کی۔

(ابن ہشام جلد 1 صفحہ 376)

اسی طرح مخالفین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام ”محمد“ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بگاڑ کر (نعوذ باللہ) ”مُذَمَّم“ یعنی قابل مذمت کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں یہی فرماتے کہ اللہ نے میرا نام محمد رکھا ہے جس کے معنی ہیں ”تعریف کیا گیا“ پس ان کے مذمم کہنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اور ایسی توہین اور تمسخر کرنے والوں کا معاملہ آپؐ نے خدائے ذوالانتقام پر چھوڑ دیا کہ جس سے بڑھ کر اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت رکھنے والا اَور کوئی نہیں۔

(بخاری کتاب المناقب باب فی اسماء رسول اللہؐ)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ احد کے روز جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت ٹوٹ گیا اور آپؐ کا سر زخمی ہو گیا جس سے آپؐ کے چہرے پر خون بہنے لگا۔ آپؐ نے اپنے چہرے سے خون صاف

کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قوم کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے رنگ دیا ہو جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہو۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الفتن بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الْبَلَاءِ)

ایک مرتبہ جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحنِ کعبہ میں عبادت میں مشغول تھے، ایک بدبخت اور شریر شخص عقبہ بن ابی معیط آپؐ کے گلے میں کپڑا ڈال کر آپؐ کی جان لینے کے لیے تیار ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ دیکھا تو فوراً عقبہ کو پکڑ کر پیچھے ہٹایا اور کہا أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ یعنی کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

کفار نے راہِ اسلام نہ چھوڑنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور آپؐ کے خاندان کو تین سال تک شعبِ ابی طالب میں محصور کئے رکھا۔ آپؐ نے اس مشکل موقع پر بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا۔ جب قریش نے دیکھا کہ بنوہاشم کے تمام لوگ مسلمان اور کافر رسول اللہ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو انہوں نے اپنے بازار ان پر بند کر دیئے۔

ادھر ابو طالب اپنے خاندان کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے انہیں غلہ اور کھانے پینے کے سامان کی خرید و فروخت سے کلی طور پر روک دیا۔ ہر قسم کا سامان تجارت وہ ان سے پہلے جا کر خرید لیتے مقصد یہ تھا کہ وہ رسول اللہؐ کو ان کے سپرد کر دیں ورنہ یہ ان کو فاقوں اور بھوک سے ہلاک کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔

شعب ابی طالب میں اس تین سالہ محصوری کے زمانہ میں بعض لوگ رقم لے کر غلہ خریدنے بازار جاتے اور کوئی انہیں سودا دینے پر راضی نہ ہوتا اور وہ خالی ہاتھ لوٹ آتے یہاں تک کہ بعض لوگ فاقوں سے وفات پا گئے۔

(دلائل ابی نعیم جلد 1 صفحہ 359)

طائف کے تبلیغی دورے کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا گیا۔ طائف کے شریر لڑکوں نے آپؐ پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نعلین مبارک خون

سے تر ہو گئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے ان کو ختم کرنے کی اجازت طلب کی لیکن آپؐ نے انکار کرتے ہوئے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں چین نہ لینے دیتے۔ آپؐ کی ہنڈیا پک رہی ہوتی تو اُس میں غلاظت پھینک دیتے۔ نماز پڑھتے ہوئے دشمن کے امکانی حملے سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹان کو ڈھال بنا کر کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے۔

(ابن ہشام جلد 2 صفحہ 25)

حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دہی کا سلسلہ بہت تیز ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ذات پر حملے ہونے لگے ایک بدبخت نے آپؐ کے سر پر خاک ڈال دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں گھر تشریف لائے آپ کی لخت جگر مٹی بھرا سر دھوتی تھیں اور ساتھ روتی جاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تسلی دیتے ہوئے فرماتے تھے بیٹی! رونا نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کا محافظ ہے۔ پھر فرمایا قریش نے میرے ساتھ ابو طالب کی وفات کے بعد بد سلوکی کی حد کر دی ہے۔

(ابن ہشام جلد 2 صفحہ 26)

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو آپؐ نے بتایا کہ

”میں (مکہ میں) دو بدترین ہمسایوں ابو لہب اور عقبہ بن ابی مُعیط کے درمیان رہتا تھا یہ دونوں گوبر اُٹھا کے لاتے اور میرے دروازے پر پھینک دیتے، حتّٰی کہ اپنے گھروں کی غلاظت بھی میرے دروازے پر ڈال جاتے۔ ”آپؐ باہر نکلتے تو صرف اتنا فرماتے اے عبد مناف کی اولاد!” یہ کیسا حق ہمسائیگی تم ادا کرتے ہو؟” پھر آپؐ اس گند کو خود راستہ سے ہٹا دیتے۔

(حلبیہ جلد 1 صفحہ 295 بیروت)

سامعین! شروع میں تو حضرت ابو بکرؓ، طلحہؓ، عثمانؓ، زبیرؓ اور مصعبؓ بن عمیر جیسے شرفاء بھی ان اذیتوں کا نشانہ بنے۔ جن سے مشرکین مکہ بالآخر مایوس ہوئے۔ مگر جو مظالم حضرت بلالؓ، خاندانِ یاسرؓ اور حضرت خبابؓ پر توڑے گئے ان کو سن کر اور پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت بلالؓ امیہ کے غلام تھے۔ وہ آپ کو تپتی ہوئی زمین پر پشت کے بل لٹا دیتا پھر ایک بھاری بھر کم پتھر اس معصوم کے سینے پر رکھا

جاتا اور کہتا محمدؐ کا انکار کرو اور لات و عزّیٰ بتوں کی عبادت کرو۔ ورنہ اسی حال میں مر جاؤ گے۔ مگر حضرت بلالؓ کی زبان پر اس حالت میں بھی اَحد اَحد یعنی خدا ایک ہے خدا ایک ہے کے الفاظ جاری رہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے صادق اور راست باز غلام کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی ایک روز اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش ہم بلالؓ کو آزاد کرا سکتے۔ حضرت ابو بکرؓ کو یہ سعادت عطا ہوئی کہ آپ نے انہیں آزاد کروایا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 232)

حضرت یاسرؓ ان کی بیوی سمیہؓ اور بیٹا عمارؓ قریش کے قبیلہ بنو مخزوم کے غلام تھے ان کو بھی مکے کے تپتے ہوئے میدان میں سخت گرم دوپہر میں لے جا کر اذیتوں کا نشانہ بنایا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صبر کی تلقین کرتے اور فرماتے اے خاندان یاسر! صبر کرو۔ میں تمہیں جنت کا وعدہ دیتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ فرماتے تھے ایک دفعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے پتھریلے میدان سے گزرا تو عمار اس کے والد اور والدہ کو ان لوگوں نے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ رسول اللہؐ کو دیکھ کر یاسرؓ نے صرف اتنا کہا یا رسول اللہؐ! اب زندگی اسی طرح ہی گزارنی ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا صبر کرو اے یاسر! صبر کرو۔
پھر آپؐ نے دعا کی اے اللہ! یاسر کے خاندان کو بخش دے اور تو ان کو بخش ہی چکا ہے۔

(مسند احمد جلد 1 صفحہ 62)

بالآخر ابو جہل نے نیزہ سے حضرت سمیہؓ کو شہید کر ڈالا تھا۔ یہی حال خبابؓ، صہیبؓ، عامرؓ، ابوفکیہہؓ کا تھا۔ خبابؓ کو آگ جلا کر اس میں ڈالا گیا۔ دہکتے کوئلوں کو ان کی پشت کی چربی نے ٹھنڈا کیا ورنہ وہ ظالم تو سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ پشت پر جلنے کے نشان ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد 3 صفحہ 165)

قریش مکہ نے اس بات کی بھی کوشش کی رسول اللہؐ کی بیٹیوں کو جن کے نکاح قریش میں ہو چکے تھے طلاق دلوائی جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے عتبہ بن ابو لہب کو اس پر آمادہ کیا۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی۔

ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کا نکاح رسول اللہؐ کی بیٹی ام کلثومؓ سے ہوا تھا۔ ابو لہب نے اس پر بھی دباؤ ڈال کر طلاق دلوادی۔

(ابن سعد جلد 8 صفحہ 37)

قریش مکہ کی طرف سے مظالم کے تمام حربے آزما لینے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر اور استقامت ان کے لئے ایک حیران کن امر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام مصائب خدا کی راہ میں خوشی سے جھیلے۔ کبھی ماتھے پر کوئی شکن یا زبان پر کوئی شکوہ نہیں لائے بلکہ بڑی شان اور وقار کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہے اور اعلیٰ درجے کی استقامت کا نمونہ دکھلا دیا۔ آپؐ کا باب رحمت ہر خاص و عام کے لیے کھلا تھا۔ آپؐ کو دکھ دینے، ستانے اور ایذا دینے والے بھی اس رحمت کے طفیل نہ صرف کسی سزا کے مستوجب نہ ہوئے بلکہ بسا اوقات بطور احسان مال و متاع سے بھی نوازے گئے۔ یہ گستاخی کرنے والے ہر طرح کے لوگ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر راکھ پھینکنے والے، راستے میں کانٹے بکھیرنے والے، پتھر مارنے والے، گلے میں پٹکا ڈال کر کھینچنے والے، زہر دینے والے، برا بھلا کہنے والے، برملا تکذیب کرنے والے، زبان سے بھی تذلیل و تمسخر اور ٹھٹھا کرنے والے، گھر سے بے گھر کرنے والے اور بارہا قتل کی کوشش کرنے والے۔ یہ گستاخ مشرک، کفار، یہودی اور منافقین بھی تھے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر رکیک سے رکیک حملے کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی تھی لیکن اس سب کے باوجود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:

”آپؐ کی ابتدائی حالت میں کوئی آپؐ پر میلا ڈالتا، کوئی دھکا دیتا، کوئی گلے میں پٹکا ڈالتا۔ غرض کوئی تکلیف نہ ہوتی جو پہنچائی نہ جاتی اور کوئی سخت سلوک نہ تھا جو آپؐ کے ساتھ کیا نہ گیا۔ کیا اُس وقت کی حالت کے دیکھنے سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج جس کو ذلیل سمجھا جاتا ہے وہی دنیا میں سب سے زیادہ عزت دار ہوگا۔ آج جس کے گلے میں پٹکا ڈالا جاتا ہے وہی ہوگا جس کے آگے دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کی گردنیں جھک جائیں گی... ہرگز نہیں۔ اس کے گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ وہ شخص جسے ہر شخص پاگل خیال کرتا اس قدر بڑھے گا کہ دنیا کے عقلمند، دنیا کے طاقتور، دنیا کے عزت دار اس کی غلامی کو فخر سمجھیں گے۔

مگر وہ بڑھا، اس کی تعلیم دنیا کے گھر گھر میں پھیل گئی، بڑے بڑے بادشاہ اس کی غلامی کو فخر سمجھنے لگ گئے۔ اور یہ سب اس لیے ہوا کہ اس نے نہایت تاریکی کے دنوں میں خدا کا نام لیا اور خدا نے اسے روشن کرنے کا وعدہ کیا"

(الفضل 9 نومبر 1926ء صفحہ 7)

سامعین یہ تھا ہمارے پیارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلٰی اِبْرَاھِیمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿22﴾ ﴿مشاہدات-528﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور ماہر نفسیات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:108)

کہ ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت کے طور پر۔

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام

علیك الصلوٰۃ علیك السلام

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور ماہر نفسیات“

ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام دینِ فطرت اور قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے جو زندگی کے ہر شعبہ کا احاطہ کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جس کے متعلق اللہ کے پیارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ہدایات جاری نہ کی ہو، اپنے اسوہ سے ہمیں کچھ نہ سکھایا ہو۔ نفسیات، انسانی کردار کا مطالعہ کرتی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عظیم ماہر نفسیات تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی فطرت، کردار اور سوچ کے بارے میں بڑے واضح اور ٹھوس خیالات کا اظہار کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی تعلیم عطا فرمائی کہ جو نہ صرف ہماری روحانی نشوونما کے لیے ایک مکمل ضابطہ اخلاق ہے بلکہ ہماری ذہنی پرورش کے لیے بھی انتہائی مفید ہے۔

نفسیات کا علم دورِ جدید میں ایک باقاعدہ فن کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ نفسیات میں مہارت مختلف قسم کے معاملات میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، مثلاً: ایک داعی الی اللہ اگر تھوڑا بہت بھی نفسیات کے بارے میں جانتا ہو گا تو اُسے اندازہ ہو گا کہ جن کو وہ تبلیغ کر رہا ہے وہ کیا محسوس کر رہے ہیں، ان کے تاثرات کیا ہیں؟ ان کی ذہنی استعداد کیسی ہے؟ یہ کس شعبہ سے منسلک لوگ ہیں۔ اسی طرح ٹیچرز، ججز، پولیس اور دوسرے بہت

سے شعبہ جات میں نفسیات کا علم کافی کار آمد ثابت ہوتا ہے۔ اگر ہم اس کے آغاز کے متعلق جاننا چاہیں تو اس بارے میں دوسری رائے نہیں ہوگی کہ اس کے موجد بھی معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا اس حیثیت سے مطالعہ کیا جائے تو یہ اقرار کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ آپ سے بڑھ کر کوئی ماہر نفسیات نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے دور میں ایک کامل واکمل ماہر نفسیات تھے جس دور میں لوگ نفسیات ہی سے نا آشنا تھے۔

سامعین! اگر ہم اپنی زندگی میں کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے لیے سچی آرزو اور دل میں خواہش کا ہونا ضروری ہے۔ ہماری سوچیں وجود رکھتی ہیں اور ہم جس چیز یا جس حالت کو پانا چاہتے ہیں، اُس کے متعلق سوچتے رہنے سے قانونِ کشش کے ذریعے وہ چیزیں ہماری زندگی میں شامل ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور کائنات کا خود کار نظام انہیں ہمارے لیے تخلیق کرنا شروع کر دیتا ہے لیکن اس کے لیے ایک سچی آرزو اور خواہش کا ہونا ضروری ہے اور ہمیں واضح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کیا پانا چاہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دعا کی شکل میں جو بہترین اصول دیا ہے وہ اسی اصول کی بہترین شکل ہے۔ اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنی تمام ضروریات کائنات کے خالق ومالک سے مانگنے کے لیے کہتا ہے۔ ایک طرف تو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں قدم قدم پر ہر ہر موقع کی مناسبت سے انتہائی موزوں الفاظ میں کوئی نہ کوئی خوبصورت دعا ملتی ہے دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات مبارکہ میں دعا کی اہمیت وفضیلت پر اتنا زور دیا ہے کہ اکثر کتب حدیث میں دعا کے حوالے سے الگ ابواب موجود ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مانگنے کو پسند نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ سے ہی مانگو جو کچھ تمہیں اپنی ضرورت کے لیے چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا "اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا سے زیادہ کوئی شے معزز نہیں ہے"۔ دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں قدرومنزلت والی چیز ہے تو وہ بندہ بھی خود بخود معزز بن جاتا ہے جو کثرت سے دعا مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چونکہ دعا کو اپنی عطاؤں کا

ذریعہ بنایا ہے اس لیے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ بندہ اُس سے زیادہ سے زیادہ مانگنے اور زیادہ سے زیادہ عنایات اور نوازشوں کا مستحق بنتا چلا جائے گا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگا کرو۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس سے سوال کیا جائے۔“

یہ بھی نفسیات کا ہی ایک پہلو ہے کہ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اپنی تعلیم کے ذریعہ دیا۔ اس کے علاوہ کسی بھی غم اور پریشانی کے عالم میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دُعا کی ہی تلقین فرمائی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”جس کو غم اور فکر زیادہ ہوں وہ یہ بار بار پڑھتا رہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ“

(بخاری)

اگر نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے اس حدیث کو دیکھا جائے تو اس میں بہت سے فوائد ہمیں نظر آتے ہیں جس سے آج کے ماہرین بھی متفق ہیں۔ مثلاً نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ ذہنی تناؤ کے شکار مریضوں کو چاہیے کہ وہ کوئی منتر یا کوئی ورد اپنے دل میں یا اونچی آواز میں بار بار دہراتے رہیں اُس سے اُن کی سوچوں میں ٹھہراؤ پیدا ہو گا، ذہن صاف ہو گا اور ذہنی سکون و اطمینان حاصل ہو گا۔ اس کا دوسرا نفسیاتی اثر یہ ہو گا کہ اس دُعا کے بار بار دہرانے سے انسان کا خدا پر یقین بڑھتا جائے گا۔ غموں اور فکروں میں الجھا ہوا انسان بعض اوقات نااُمیدی اور مایوسی کی طرف چلا جاتا ہے اور اُس کی بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ اس دُعا سے وہ یہ بات اپنے ذہن میں دہرا رہا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہے، کوئی ایسی طاقت ہے جو اُس کی مشکل کو حل کر سکتی ہے مجھے اُس سے ہی مدد مانگنے کے لیے اُس کے ہی آگے جھکنا چاہیے۔ اُس کا خدا پر یقین بڑھتا جائے گا۔ جدید نفسیاتی ریسرچ کے مطابق خدا پر ایمان رکھنے والے لوگوں میں غیر یقینی حالات اور نا امیدی کا مقابلہ کرنے کی طاقت ایمان نہ لانے والوں کی نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ علاج کے نتائج بھی ایمان لانے والوں میں زیادہ مثبت نظر آئے ہیں۔ لہٰذا یہ طریق جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا وہ نہ صرف ایک بہترین دعا ہے بلکہ نفسیاتی طور پر بھی ہم میں بہتر تبدیلیاں پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔

سامعین! ایک بہت مشہور حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو مار پیٹ کر ہاتھ سے ہی تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے اِس لیے وہ مار پیٹ کرنے سے تو بچتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ بعض اوقات زبان کے غلط استعمال سے دیے گئے زخم بہت گہرے ہوتے ہیں۔ کسی کو طعنہ دینا، احسان جتانا، کسی بُرے نام سے پکارنا، کسی جسمانی عیب کو اُس کے سامنے بیان کرنا، اُس کے پیاروں کو بُرا بھلا کہنا بہت سی ایسی باتیں جو ہم کسی کے سامنے یہ سوچے سمجھے بغیر کر دیتے ہیں کہ اُن باتوں سے اُس کو کتنی تکلیف پہنچی ہو گی۔ ہو سکتا ہے اُس کی دماغی حالت بھی اُن سے متاثر ہوئی ہو اور آہستہ آہستہ یہ باتیں اُس کو کسی دماغی بیماری میں مبتلا کر سکتی ہیں۔ تو ہمارے پیارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اپنی زبان کے حملوں سے دوسروں کو محفوظ رکھو اپنے اندر بہت سے نفسیاتی مسائل کا حل سمیٹے ہوئے ہے۔ آپؐ نے دونوں طرح سے انسان کو تکلیف پہنچانے سے منع فرمادیا اور آج کی جدید نفسیاتی ریسرچ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ تمام باتیں براہ راست یا بالواسطہ ذہن پر بوجھ ڈالتی ہیں اور بے چینیوں میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں۔

مسکراہٹ قدرت کا ایک بہت بڑا عطیہ ہے جس کے اندر کشش کی بے پناہ قوت ودیعت کی گئی ہے۔ کسی بھی غمزدہ شخص کو آپ کی ایک مسکراہٹ اُس کے غموں کو پل میں کم کر دیتی ہے اور سخت سے سخت دشمن کو اپنا ہمنوا بنالینا اس کا ایک معمولی کام ہے۔ اس کے برخلاف منہ بسورنا اور غمزدہ رہونا کسی کی خوشی کو ختم کر سکتا ہے اور اچھے سے اچھے دوست کو بھی ہم سے دور کر دینے کی وجہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتے تھے۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء بیان کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کسی کو دیکھا ہی نہیں۔

(ترمذی، کتاب المناقب)

یہاں تک کہ ایک دشمن یا غلطی کر بیٹھنے والا انسان جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس خوف سے ڈرتے اور کانپتے ہوئے اس امید میں آتا کہ ہمیں حضور کے غضب ناک چہرے کا سامنا کرنا پڑے گا مگر جب وہ

حاضر ہوتا اور آپ کے چہرے پہ غصہ اور غضب کے بجائے مسکراہٹ اور محبت کا منظر دیکھتا تو آپ کے قدموں میں اپنا دل بچھا دیتا اور ہزار دل سے آپ پر قربان ہونے کو تیار ہو جاتا۔ چنانچہ جنگ بدر کے بعد دو کافروں نے تنہائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا کر آپ کی بارگاہ میں آئے لیکن وہ اپنے منصوبے میں ناکام رہے اور پکڑے گئے اب انہیں امید تھی کہ آپؐ غصہ اور ناراض ہو کر انہیں بڑی زبردست سزا دیں گے۔ مگر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کا کوئی رد عمل ظاہر نہ فرمایا اس کے برخلاف ان سے مسکرا کر بات کی۔ پھر کیا تھا، کل تک جو آپ کے جان کا دشمن تھا وہ آپؐ کے دامن میں آکر آپ کا دیوانہ بن گیا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے چہرے کے ساتھ ملنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

تمہارا اپنے بھائی سے مسکرا کر بات کرنا بھی صدقہ (یعنی نیکی) ہے۔

(ترمذی حدیث 1956)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بہت سی آزمائشوں کا سامنا کیا۔ بچپن میں ہی والدین کی وفات۔ چھوٹی عمر میں دادا کی وفات۔ رسالت کی ذمہ داری ملنے پر اپنوں کی مخالفت، اپنے شہر سے ہجرت، اولاد کی وفات۔ غرض یہ کہ بہت سے ایسے مواقع آئے جہاں آپؐ کے صبر کو آزمایا گیا مگر آپؐ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہتے ہوئے صبر اور استقلال کا مظاہرہ فرماتے رہے اور ہمیشہ مسکراتے رہے۔ آج کی جدید نفسیاتی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ جب ہم مسکراتے ہیں تو ہمارا دماغ neuropeptides کے نام سے مالیکیولز پیدا کرتا ہے جو ذہنی تناؤ کا مقابلہ کرنے میں ہماری مدد دیتے ہیں۔ اسی طرح مسکرانے سے دیگر ہارمونز بھی پیدا ہوتے ہیں جو ذہنی دباؤ کو کم کرنے اور اینٹی ڈپریسنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ لہٰذا بعض ماہرین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انسان کو تکلیف میں بھی کوشش کر کے مسکرانا چاہیے تا ذہنی دباؤ کو کم کیا جا سکے۔

سامعین! اسی طرح غصہ بھی انسان کے اندر بہت سے منفی احساسات کو پیدا کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ اگر کھڑا ہو تو چاہیے کہ بیٹھ جائے، اب اگر اس کا غصہ رفع ہو جائے (تو بہتر ہے) ورنہ پھر لیٹ جائے۔“

(ابی داؤد۔کتاب الادب)

اب یہ ایسی بات ہے جو ایک عام انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی اور جدید ریسرچ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ جب ہم بیٹھے یا لیٹے ہوئے ہوں تو ہمارے دماغ کو یہ سگنل جاتا ہے کہ ہم سکون میں ہیں اور محفوظ ہیں، اس کے برعکس اگر ہم کھڑے ہوں اور بحث کر رہے ہوں تو ایڈرینالین اور تناؤ کا ہارمون Cortisol اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اس سے ہمارے دل کی دھڑکن تیز ہونا شروع ہو جاتی ہے اور آواز بھی آہستہ آہستہ اونچا ہونا شروع ہو جاتی ہے جس سے ہمارا غصہ اور بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پہلے سے بتا گئے ہیں کہ جب غصہ کی حالت میں ہوں تو اس کو روکنے کے لیے بیٹھ جائیں اور اگر تب بھی بہتری نہ آئے تو لیٹ جائیں۔ دماغ کو خود ایسے سگنلز جائیں گے جس سے ہمارا غصہ جاتا رہے گا اور ذہن پر اس کے منفی اثرات سے ہم بچ سکیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چہرہ شناسی کے بھی بڑے ماہر تھے۔ سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں عصر کی نماز ادا کی جب آپؐ نے سلام پھیرا تو جلدی سے اٹھے اور اپنی ایک زوجہ محترمہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ بعد ازاں واپس تشریف لائے اور آپ نے لوگوں کے چہروں پر اپنے جلدی چلے جانے کی وجہ سے تعجب کا اظہار دیکھا تو آپؐ نے فرمایا:

”نماز کے دوران ہی مجھے اپنے ہاں پڑا ہوا سونا یاد آ گیا تھا، لہٰذا میں نے ناپسند جانا کہ وہ ہمارے ہاں شام تک یا رات تک رہے، اس لیے میں نے اسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا ہے۔“

(صحیح بخاری:1221)

اس سے واضح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چہروں کے تاثرات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ کیونکہ اس دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ انہیں تعجب سا تھا کہ آپؐ تو نماز کے بعد

تشریف فرما ہوتے ہیں مگر آج جلدی کیوں تشریف لے گئے ہیں اور ان کا تعجب چہروں سے عیاں تھا جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے چہروں سے پڑھ لیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں پیٹ پر پتھر باندھے بھوک کی شدت سے زمین پر لیٹ جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں ایک ایسے راستے پر بیٹھ گیا جہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا تھا۔ اس دوران حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گزرے تو میں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق ان سے سوال کیا۔ میں نے تو محض اس لیے سوال کیا تھا کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں گے مگر وہ گزر گئے اور اس حوالے سے کچھ نہ کہا۔ بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے ان سے بھی میں نے ایک آیت کے متعلق پوچھا اور پوچھنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں مگر وہ بھی بغیر کچھ کہے گزر گئے۔ اس کے بعد نبیؐ تشریف لائے تو آپ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگے اور جو میرے دل میں تھا وہ آپ نے بھانپ لیا اور میرے چہرے کے تاثرات بھی پہچان گئے۔ معاً فرمانے لگے: ”ابو ہریرہ!“ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ فرمایا: ”آؤ میرے ساتھ چلو۔“ اور آپؐ نے اپنے گھر لے جا کر حضرت ابو ہریرہؓ کو دودھ پلایا۔

(صحیح بخاری:6452)

چہرہ شناسی اور سوال کرنے والے کے اسلوب ہی سے بات سمجھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہر نفسیات ہونے کی ایک عمدہ دلیل ہے۔

سامعین! انسان کی نفسیات میں یہ چیز شامل ہے کہ اسے اپنی پسندیدہ چیز اور خصوصاً ایسی چیز جو اپنی ملکیت میں بھی ہو اور پسند بھی ہو تو اسے وہ چیز از حد بھاتی ہے۔ وہ اس کا خیال رکھتا ہے اور اس سے ایک لگاؤ سا رکھتا ہے۔ بڑوں کی نسبت بچوں میں یہ خوبی زیادہ پائی جاتی ہے۔ ایک نو عمر صحابی ابو عمیر نے ایک چڑیا پال رکھی تھی جس سے وہ کھیلتے تھے۔ ایک دن وہ چڑیا مر گئی۔ آپؐ انھیں ان الفاظ سے تسلی دینے لگے:

يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ ”ابو عمیر! چڑیا کا کیا بنا؟“

(صحیح بخاری:6203)

اُس بچے کو اداس اور غمگین دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس کو اس طرح تسلی دینا اور ساتھ ساتھ خوش طبعی کرنا نفسیات میں مہارت کی دلیل ہے۔

اولاد انسان کی کمزوری ہے۔ یہ انسانی نفسیات ہے کہ اگر کوئی اُس کے بچے کا ساتھ اچھا اور پیار بھرا سلوک کرے تو اُس کو یہ دیکھ کو خوشی ہوتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نفسیات کے اس پہلو سے بھی آگاہ تھے۔ آپؐ مجلس میں ہوتے، آپ کے لیے نیا پھل لایا جاتا تو آپ مدینہ کے لیے وہاں کے پھلوں کے لیے اور ناپ تول کے پیمانوں کے لیے برکت کی دعا فرماتے، پھر دیکھتے کہ ان میں سے وہاں موجود بچوں میں سے چھوٹی عمر کا کون ہے اور وہ پھل اسے تھما دیتے۔

(صحیح مسلم:1371)

اس طرح کرنے سے انسان اس بات سے بھی بچ جاتا ہے کہ پہلے خود کھائے یا پہلے کس کو دے کس کو نہ دے لیکن اگر محفل میں کوئی چھوٹا بچہ ہے تو وہاں اُس کو پہلے دے دیا جائے تو بڑوں کو اعتراض بھی نہیں رہتا اور اس بچے کے رشتے دار اپنی جگہ خوش ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ کوئی چیز بڑوں میں سے کسی کو دے دی جائے تو وہاں موجود بچوں کو یہ بات بہت محسوس ہوتی ہے۔ لوگوں کی نفسیات سمجھ کر اس کے مطابق طرزِ عمل اختیار کرنا کسی ماہر نفسیات ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

سامعین! نفسیات یہی بتاتی ہے کہ مناسب موقع کا انتخاب اور انداز بات کو ذہن نشین کر دیتا ہے اور ایسی بات پُراثر ہوتی ہے۔ آپؐ کی یہ بھی عادت مبارکہ تھی کہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں بات بٹھانے کیلئے مناسب موقع کا انتخاب فرماتے۔

ایک غزوہ میں ایک قیدی خاتون کا دودھ پیتا بچہ گم ہو گیا۔ وہ بڑی بے قراری سے اپنے بچے کو کبھی ادھر کبھی ادھر تلاش کر رہی تھی۔ اچانک اسے بچہ مل گیا۔ اس نے اسے سینے سے لگا لیا۔ آپؐ اور صحابہ کرامؓ اس کی اس بے قراری کو دیکھ رہے تھے۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا: ”تمہارا کیا خیال ہے کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟“ صحابہ رضي الله عنهم نے عرض کی: اللہ کے قسم! نہیں جب تک اس میں طاقت ہو گی یہ کبھی ایسا نہیں ہونے دے گی۔ آنحضورؐ نے فرمایا:

”یقیناً اللہ اپنے بندوں پر اس عورت سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ (صحیح بخاری:5653)

اس طرح اللہ کی شفقت اور مہربانی کو لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانا لوگوں کی نفسیات سمجھنے کی ایک واضح دلیل ہے۔ آپؐ نے اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھایا اور صحابہ کرامؓ کے سامنے اللہ کی اپنے بندوں سے محبت، شفقت اور مہربانی کو واضح کیا۔

سامعین! نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان بہت جلد شک میں پڑتا ہے۔ خصوصاً جب معاملہ مخالف جنس سے متعلق ہو تو خواہ مخواہ غلط خیالات اور شکوک وشبہات جنم لینے لگتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نفسیات کے اس پہلو سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اعتکاف بیٹھے تھے۔ اس دوران آپؐ کی زوجہ صفیہ بنت حییؓ آپؐ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئیں۔ کچھ دیر باتیں کرتی رہیں۔ واپس جانے لگیں تو آپؐ ان کے ساتھ مسجد کے دروازے تک چلے آئے۔ یہاں سے انصار کے دو آدمیوں کا گزر ہوا۔ ان دونوں نے آپؐ کو سلام کیا اور تیزی سے چلنے لگے۔ اس دوران آپ نے فرمایا: ”ادھر آؤ! یہ صفیہ بنت حیی ہیں۔“

وہ دونوں عرض کرنے لگے: سبحان اللہ! اللہ کے رسول! (بھلا ہم کیسے شک کر سکتے ہیں؟) آپؐ نے فرمایا: ”بے شک شیطان انسان کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے اور مجھے خدشہ ہوا کہ شیطان تمھارے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے۔“

(صحیح بخاری:2038)

سامعین! انسان کی عادت اور فطرت ہے کہ جب وہ سماج میں کسی سے رنگ، نسل، خاندان عہدہ، منصب، حیثیت، رتبہ اور مال ودولت میں پیچھے ہوتا ہے تو احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے، وہ اپنے کو حقیر، معمولی اور بے حیثیت سمجھنے لگتا ہے، بہت سے لوگ اس وجہ ڈپریشن کے شکار ہو جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اُن کی کوئی حیثیت نہیں یا وہ خوبصورت نہیں، لوگ اُن کو دیکھ کر اُن کا مذاق بنائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نفسیاتی مریضوں کا علاج اپنے حکیمانہ ارشاد سے فرمایا اور یہ باور کرایا کہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری، بلندی اور تفوق حاصل نہیں ہے، بڑائی، فضیلت اور برتری کی بنیاد صرف اور صرف تقوی ہے، تقوی ہی کے ذریعہ کوئی کسی پر فضیلت اور برتری حاصل کر سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ سلم کے اپنے عمل اور احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ آپ انسانی نفسیات کے باریک پہلوؤں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ آپ کی نظر اس بات پر بھی تھی کہ انسان کا ماحول اس کے ذہن پر کس قدر اثر کرتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اچھے ساتھی اور بُرے ساتھی کی مثال مشک اٹھانے والے اور بھٹی جھونکنے والے کی سی ہے۔ خوشبو والا یا تو تجھے (خوشبو) دے دے گا یا تو اس سے خرید لے گا یا کم از کم تجھے اس سے اچھی خوشبو تو آجائے گی اور بھٹی جھونکنے والا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا تجھے اس سے بدبو آئے گی“

(صحیح مسلم، حدیقۃ الصالحین صفحہ 417)

آج کل کے نفسیاتی ماہرین کے مطابق صحبت کا اثر انسان کے نفس پر پڑتا ہے یہاں تک کہ ذہنی دباؤ کے مریضوں کو یہی ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ منفی خیالات رکھنے والے لوگوں سے دور رہیں اور ایسے لوگوں کے ساتھ وقت گزاریں جو ان میں مثبت احساسات اجاگر کریں۔ چنانچہ اگر مندرجہ بالا حدیث کو محض نفسیاتی نقطہ نگاہ سے پرکھا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی تعلیم آج سے 1500 سال قبل عطا فرمائی۔

سامعین! آج کے دور میں سوشل میڈیا نے لوگوں کے اندر بالخصوص نوجوان طبقہ میں بہت سی ذہنی پریشانیاں پیدا کر دی ہیں۔ سوشل میڈیا کے ذریعہ ہمارے سامنے وہ تمام آسائشیں آگئی ہیں جن کا ہمیں پہلے علم نہ تھا اور سب ان آسائش کو حاصل کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ اس وجہ سے لوگوں کی آپس میں ایک دوڑ شروع ہے۔ اکثریت اس پریشانی میں مبتلا ہیں کہ دوسرے ان سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ وہم ان میں طرح طرح کی بے چینیاں پیدا کر رہا ہے اور وہ احساس کمتری اور ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کو سامنے رکھنا چاہیے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”اس کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہے اور اس کی طرف مت دیکھو جو تم سے اوپر ہے یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ کی نعمت کی تحقیر نہ کرو۔“

(مسلم: حدیقۃ الصالحین صفحہ 601)

یعنی اپنے سے کمزور اور غریب لوگوں کو دیکھنے سے ذہنوں میں بے چینیاں جنم لینے کے بجائے شکر گزاری کی کیفیت پیدا ہو گی جس سے مثبت خیالات منفی احساسات کی جگہ لے لیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمارے پیارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

﴿23﴾ ﴿مشاہدات۔529﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل وفضائل اور عظمتیں (قرآن کریم کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب:57)

کہ یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

تِری ایک ایک اَدا صَلِّ علیٰ، صَلِّ علیٰ
تیری ہر آن پہ سو جان سے جاؤں واری
حُسنِ یوسفؑ دمِ عیسیٰؑ ید بیضا داری
وانچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل و فضائل اور عظمتیں (قرآن کریم کی روشنی میں)"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت انتہائی خوبصورت انداز میں واضح فرمائی ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رِفعت اور بارگاہِ الٰہیہ میں کمال شانِ محبوبیت نظر آتی ہے۔

ہمارے پیارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل و بے مثال تھے۔ آپ ظاہری و باطنی تمام اوصاف میں کامل تھے جو آپؐ کے مبارک وجود کو چار چاند لگاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں آپ

کے اوصاف کا ذکر جا بجا فرمایا ہے، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق قرآن تھا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، 1/309)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طریقہ کار، عمل و کردار مسلمان کے لئے عملی نمونے کا ضابطہ حیات ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:22)

کہ یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے۔

یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے جس پر چل کر ہم خدا کی رضا حاصل کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:108)

کہ ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت کے طور پر۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیارا اور خوبصورت وصف ہے کہ اللہ پاک نے آپؐ کو رحمت کے ساتھ مزین فرمایا۔ آپؐ سراپا رحمت ہیں اور جس نے آپؐ کی رحمت عامہ سے حصہ پایا وہی درحقیقت دین و دنیا میں ہر بُرائی سے نجات یافتہ اور دونوں جہان میں بامراد ہوا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ مبارکہ کو قرآنِ مجید میں کچھ اس طرح بیان فرماتا ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:5)

کہ یقیناً تو بہت بڑے خُلق پر فائز ہے۔

یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم علم اور عمل دونوں اعتبار سے اعلیٰ اور کامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ النسآء کی آیت نمبر 60 میں ایمان والوں کے لیے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔
قرآن کریم ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرادی کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ
قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ (آل عمران:32)
کہ تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔
پھر فرمایا:
مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء:81)
کہ جو اِس رسول کی پیروی کرے تو اُس نے اللہ کی پیروی کی۔
یعنی ایک مومن کا اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ اُسی وقت سچا ہو سکتا ہے جب وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت کرتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی اطاعت کرے۔
سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہد یعنی حاضر وناظر اور مبشر و نذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا (الاحزاب:46)
کہ اے نبی! یقیناً ہم نے تجھے ایک شاہد اور ایک مبشّر اور ایک نذیر کے طور پر بھیجا ہے۔ آیت کے اس حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وصف بیان فرمایا گیا کہ اللہ نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔ شاہد کا ایک معنیٰ حاضر وناظر یعنی مشاہدہ فرمانے والا اور ایک معنی گواہ کے ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں سراج منیر اور داعی بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب:47)
کہ اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے اور ایک منور کر دینے والے سورج کے طور پر۔
سراج لغت میں آفتاب یا چراغ کو کہتے ہیں اور منیر اسے کہتے ہیں جو دوسروں کو روشن کر دے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود نہ صرف خود روشن و منور ہے بلکہ چاروں طرف روشنی بھی بانٹ رہا ہے۔ اس

آیتِ مبارکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کو بیان فرمایا گیا کہ ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ کے نورِ نبوت نے پہنچائی اور کفر و شرک کے ظلمات کو اپنے نورِ نبوت سے دور کر دیا۔

سامعین! اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود پر فائز ہونے کی خوشخبری بھی دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (بنی اسرائیل:80)

کہ قریب ہے کہ تیرا ربّ تجھے مقامِ محمود پر فائز کر دے۔ یہاں مقامِ محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور فضیلت جو کہ قرآن کریم میں بیان ہوئی وہ خود اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کا آپؐ پر درود و سلام بھیجنا ہے۔ جیسا کہ خاکسار نے ابتدا میں تلاوت کی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی کے لیے فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (الاحزاب:57)

کہ یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود مومنوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو اپنا سب سے بڑا احسان قرار دے دیا۔ فرمایا:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡھِمۡ رَسُوۡلًا (ال عمران:165)

کہ یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمت اور سراپا محبت تھے اور آپؐ کو اپنی اُمت کی تکلیف کا بہت خیال رہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپؐ کے بارے میں فرمایا کہ لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُم (التوبۃ:129)

یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا۔ اسے بہت سخت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اٹھاتے ہو (اور) وہ تم پر (بھلائی چاہتے ہوئے) حریص (رہتا) ہے۔ مومنوں کے لئے بے حد مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کو یہ اختیار بھی دیا کہ وہ لوگوں کو بتادیں کہ وہ اللہ طرف سے اُس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا (الاعراف:159)

کہ تُو کہہ دے کہ اے انسانو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

سامعین! یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی زندگی کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الحجر:73)

کہ تیری عمر کی قسم! یقیناً وہ اپنی بدمستی میں بھٹک رہے ہیں۔

جس اللہ نے کسی نبی، پیغمبر کی پوری زندگی کی قسم یوں نہیں کھائی یہ منفرد مقام و مرتبہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کو ہی حاصل ہے۔

قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی گواہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (الحاقہ:41)

کہ یقیناً یہ عزت والے رسول کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو اپنے پیارے نبی کی بارگاہ میں عزت کے ساتھ پیش آنے کا حکم بھی قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (الحجرات:3)

کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کیا کرو اور جس طرح تم میں سے بعض لوگ بعض دوسرے لوگوں سے اونچی آواز میں باتیں کرتے ہیں اس کے سامنے اونچی بات نہ کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مکمل کرتے ہوئے قرآن کریم میں فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدة:4)

کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کے دین کو مکمل کر دیا اُس میں کوئی کمی نہیں وہ تمام عالم کی رہنمائی کے لیے تا قیامت موجود رہے گا۔

معزز سامعین! یہ وہ چند قرآنی مثالیں ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور فضیلت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿24﴾ ﴿مشاہدات-530﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت منتظم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

(الاحزاب:22)

کہ یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

در دِلم جوشد ثنائے سَرورے
آنکہ در خُوبی ندارد ہمسَرے
آنکہ جانَش عاشِق یارِ اَزل
آنکہ رُوحش واصلِ آن دِلبرے

(براہین احمدیہ حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 17)

میرے دل میں اس سردار آقاؐ کی تعریف جوش مار رہی ہے، جو خوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔
وہ جس کی جان خدائے ازل کی عاشق ہے، وہ جس کی رُوح اس دلبر سے واصل ہے۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ”آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت منتظم“

منتظم کے لغوی معنی ہیں انتظام کرنے والا۔ ایک اچھے منتظم کے اندر ایمان داری، سچائی، انصاف پسندی، ثابت قدمی، ایفائے عہد، فوری قوتِ فیصلہ اور اپنے ساتھیوں کے حقوق اور انہیں ساتھ لے کر چلنے سے

بخوبی واقف ہونے کی صلاحیت کا ہونا لازمی امور ہیں۔ تاریخِ اسلام کے مطالعہ سے ہمیں یہ تمام باتیں اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم نظر آتی ہیں۔ آپؐ ایک بہترین منتظم تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی دور میں مکہ میں مسلمانوں پر بے انتہا ظلم کیا گیا۔ آپؐ کی نظر مظلوم اور پسے ہوئے طبقہ پر تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب سے مخیر حضرات نے ان حضرات کو ظلم و ستم سے نکالنے کی مقدور بھر کوشش کی اور جو غلام تھے، اُنہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو غریب کفار کو صدقہ دینے کی ترغیب دی تا کہ وہ لوگ مسلمانوں کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک انتظامی صلاحیت ہمیں اُس موقعہ پر بھی نظر آتی ہے جب نبوت کے دعویٰ کے بعد جب رشتہ داروں کو انذار کے بارہ میں ارشاد ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ

”ایک دعوت کا انتظام کریں۔ جس میں خاندان بنی مطلب کے تمام افراد بلائے جائیں تا کہ انہیں پیغام حق پہنچایا جائے۔“

حضرت علیؓ نے حسب ارشاد دعوت کا انتظام کیا اور خاندان کے کم و بیش چالیس افراد کو دعوت دی، جن میں آپؐ کے سارے چچا، ابو طالب، حمزہؓ، عباسؓ اور ابو لہب بھی شامل تھے۔ کھانے کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات شروع کرنے لگے تو آپؐ کے چچا، ابو لہب، پہلے بول پڑا اور کہنے لگا: ”تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا ہے، اس پر لوگ منتشر ہو گئے“۔ اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس روز اپنا پیغام نہ پہنچا سکے۔

آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ:

”اب دوبارہ ایک دعوتِ طعام کا انتظام کرو جس میں چیدہ چیدہ چالیس افراد خاندان ہوں۔“

حضرت علیؓ کہتے ہیں: ”میں نے دوبارہ دعوت کا انتظام کیا، جب سب نے کھانا کھالیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب میں فرمایا:

”اے عبد المطلب کی اولاد! خدا کی قسم! کوئی عرب نوجوان اپنی قوم کے لئے اس سے اعلیٰ اور شاندار پیغام نہیں لایا جو مَیں تمہارے پاس لایا ہوں، میں تمہارے پاس دنیاوآخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف بلاؤں، پس تم میں سے کون اس معاملہ میں میرا مددگار ہوگا اور دینی اخوت کا رشتہ میرے ساتھ جوڑے گا۔“

سب خاموش تھے، ایک کمسن بچہ، حضرت علیؓ، اٹھے اور کہا کہ: ”اے اللہ کے نبیؐ! میں حاضر ہوں؛ مگر باقی لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے۔“

(تفسیر طبری سورۃ الشعراء زیر آیت وانذر عشیر تک)

سامعین! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ عام کے بعد سے آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کے لئے مکہ میں ایک طوفان بدتمیزی برپا ہو چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر ابو طالب کی وجہ سے بھی کسی قدر امن حاصل تھا مگر دیگر عام مسلمانوں کی قبول اسلام کے باعث سخت تکالیف دیکھ کر اور ان کی مدد کی طاقت نہ پاکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت مغموم ہوتے تھے۔ سوچ بچار کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ پڑوسی ملک حبشہ میں جاکر پناہ لیں، جہاں عیسائی بادشاہ بہت عادل ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ مسلمانوں کے مردوزن پر مشتمل دو وفود، پہلے 12 اور پھر 80 اصحاب حبشہ ہجرت کر گئے۔ قریش نے وہاں بھی مسلمانوں کا تعاقب جاری رکھا اور نجاشی اور اس کے سرداروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ عادل نجاشی بادشاہ نے اپنے دربار میں مسلمانوں کو بلاکر ان کا موقف سنا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر سورہ مریم کی تلاوت کر کے اسلام کی تعلیم پیش کی۔ بادشاہ پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور وہ بھی بالآخر مسلمان ہو گیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 229 مطبوعہ بیروت)

لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر نبوت کے پانچویں سال رجب میں بارہ مرد اور چار عورتیں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ اس طرح انہیں کفار کے ظلم وستم سے نجات ملی اور جو لوگ حبشہ نہیں جا سکے

تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ اُن کے لیے فوری طور پر ایک ایسے ٹھکانے کی ضرورت تھی، جہاں وہ آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکیں، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف سے مدد لینے کا سوچا، لیکن یہ سعادت اہلِ مدینہ کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے دس سال بعد دو مدنی سرداروں اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن عبد قیسؓ نے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح اہلِ مدینہ کے اصرار پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال بعد مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کا حکم فرمایا اور تیرہویں برس خود مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ یوں اسلام اور مسلمانوں کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب ہوتی گئی، لیکن اس ترقی کے پیچھے ہمیں کوئی ایسا مکمل انتظام کرنے والا دماغ نظر آتا ہے جس کے حسنِ تدبیر نے ایسی کایا پلٹی کہ عربوں کا اوڑھنا بچھونا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، امن و جنگ حتیٰ کہ سوچنے و بولنے کے انداز تک تبدیل ہو گئے۔

سامعین کرام! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد سب سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ مدینہ منورہ آنے کے فوراً بعد شہر کے آس پاس آباد قبائل سے معاہدہ کرنا اور ان میں صلح کروانا چاہیے اس لیے آپؐ نے چنانچہ اوس، خزرج اور یہود کو اکٹھا کر کے ایک میثاق لکھوایا جس کا بنیادی مقصد، امن اور امدادِ باہمی تھا۔ عرب کے بدوؤں کو قانون کا پابند بنانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہترین طرزِ عمل اختیار کیا یعنی اخلاقیات کو اجاگر کیا۔ جب تک معاشرے کے افراد متحد اور نیک سیرت نہ ہوں، اس وقت تک نہ تو کوئی قانون پروان چڑھ سکتا ہے اور نہ ہی امن قائم ہو سکتا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرد کے اخلاق اور کردار کی تعمیر کی طرف توجہ دی، چنانچہ بیعت لیتے وقت پاکیزگی و نیک سیرتی کا وعدہ ضرور لیتے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین اُخوت کا رشتہ قائم کیا، جس سے نہ صرف ان کے مابین محبتیں بڑھیں، بلکہ ان کی معیشت بھی اُستوار ہوئی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاستِ مدینہ کے دفاع کی طرف خصوصی توجہ دی اور ایسی جنگی پالیسیاں اختیار کیں کہ دشمن کو ہر مرتبہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، مثلاً بدر و اُحد میں شہر سے باہر اور جنگ احزاب میں شہر کے اندر رہ کر اس انداز سے جنگیں لڑیں کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ نیز معلومات فراہم کرنے کا

نظام اور دشمن میں پھوٹ ڈلوانے کا وہ نظام اختیار کیا کہ آج بھی بڑے بڑے سپہ سالار اس پر حیران نظر آتے ہیں۔

بطورِ سپہ سالار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ کمان 88 کے قریب جنگیں لڑی گئیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ انتظام کے ہی کرشمے ہیں کہ ان اَٹھاسی جنگوں میں مسلمانوں کا اتنا کم نقصان ہوا کہ عقل تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتی، یعنی کل 259 کے قریب مسلمان اور اُن کے مقابلے میں 1018 کے قریب کفار قتل ہوئے، جبکہ بے شمار کفار قیدی بنائے گئے۔

سامعین! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات اور عُشر کا تصور دیا اور پھر اس نظام کو اس ترتیب سے منظم کیا کہ زکوٰۃ دینے والے کے لیے بھی ایک شرح مقرر کردی اور لینے والے کے لیے بھی۔ مالِ غنیمت میں ہر مسلمان کو حصہ دار بنایا اور جزیہ وخراج اور مالِ فے ریاست کی بھلائی کے لیے استعمال کیا۔ نیز تجارتی مسائل کے حل کے لیے بازار کے نگران مقرر کیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوری یا شاہانہ نظام کی بجائے شوریٰ کا نظام کو پسند فرمایا۔

نومسلموں کی تعلیم وتربیت کے لیے مذہبی اصلاحات بھی ضروری تھیں، چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ایک صحابہؓ اور ازواج مطہراتؓ کو بطور معلم مقرر کر رکھا تھا، جن میں مفتی، ائمہ مساجد، موذنین بھی تھے اور امورِ حج کے لیے عتاب بن اسید، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری نظم ونسق کو صوبائی اور مرکزی نظم ونسق میں تقسیم کر دیا تھا۔ مرکز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود تھے، لیکن جب کبھی سفر کی ضرورت درپیش ہوتی تو اپنا کوئی نہ کوئی نائب مقرر کر کے جاتے، جن میں حضرت علیؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ شامل تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلامی ریاست شمال کی جانب زیادہ بڑھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی تھی یا قدرتی امر کہ اسی طرف روم وایران کی حکومتیں تھیں۔ اس میں ازد، یمن اور ہمدان جیسے صوبے تھے، جن پر مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کئی گورنر متعین تھے،

جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے وسیع اختیارات عطا فرما رکھے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا گورنر مقرر فرمایا تو آپؐ نے انہیں نصیحت فرمائی کہ "فیصلہ کرتے وقت قرآن و سنت اور اپنے اجتہاد کو مد نظر رکھنا۔"

اس کے ساتھ ساتھ صوبہ میں مقامی منتظمین، سربراہ اور قاضی متعین فرمائے، جو فیصلے کرنے میں پوری طرح آزاد تھے۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اجتماعی زندگی کی تین بنیادیں ہیں جان، مال اور عزت۔ ان تینوں کا پاس کرنے سے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ

"جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی عزت و حرمت کی مستحق ہیں جس طرح تم آج کے دن (یوم حج)، اس مہینے (ذوالحجہ) اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو۔"

وہ لوگ جنہیں لڑائی جھگڑے، عشق لڑانے اور شعر و شاعری کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا تھا، تہذیب سے شناسا ہو گئے۔ جانی دشمن ایثار و محبت کے پیکر بن گئے۔ جاہل اور ان پڑھ لوگوں میں علم کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ ہر دم بتوں کا دم بھرنے والے توحید کے متوالے ہو گئے۔ لا قانونیت کے عادی لوگوں کی قانون دانی پر زمانہ رشک کرنے لگا۔ متکبر مزاج، عاجزی و انکساری کے پیکر بن گئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جرائم کے خاتمے کے لیے کچھ قوانین بنائے اور فرمایا کہ "مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ ان کی دعا اور قبولیت میں کوئی چیز حارج نہیں ہوتی۔" اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جرائم کی سطح حیرت انگیز حد تک کم ہو گئی۔

سامعین کرام! اب خاکسار یہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ آراء پیش کرے گا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظامی صلاحیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

ڈبلیو منٹگمری واٹ اپنی کتاب ''محمد ایٹ مدینہ'' میں رقمطراز ہے:

''جتنا ایک انسان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ابتدائی اسلام کی تاریخ پر غور کرتا ہے اتنا ہی وہ آپؐ کی وسیع کامیابیوں کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے۔ حالات نے آپؐ کو وہ موقع دیا جو بہت کم ہی کسی کو میسر آیا ہوگا تاہم آپؐ کی ذات زمانے کے جملہ تقاضوں پر پوری اُترتی تھی، غیب پر اطلاع پانے، مدّبر اور منتظم ہونے کے علاوہ اگر آپؐ کا اس بات پر محکم ایمان نہ ہوتا کہ خدا نے آپؐ کو بھیجا ہے تو انسانی تاریخ کا ایک قابل ذکر باب ضبط تحریر میں آنے سے رہ جاتا''

(اسوۂ انسانِ کامل از حافظ مظفر احمد صفحہ 673)

لیمرٹین اپنی کتاب ''ہسٹری آف ترکی'' میں تحریر کرتے ہیں:۔

''فلاسفر، مقرر، رسول، قانون دان، جنگجو، ذہنوں کو فتح کرنے والا، حکمت کے اُصول قائم کرنے والا، بیس دنیوی سلطنتوں اور ایک روحانی سلطنت کا بانی یہ سب کچھ تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ وہ تمام معیار جن سے انسانی عظمت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، ان کے لحاظ سے ہم بجا طور پر یہ سوال کرسکتے ہیں کیا اس (محمدؐ) سے عظیم تر کوئی انسان (دنیا میں) ہے؟''

(Lamartine, History of Turky, Page:276)

مسٹر مائیکل ہارٹ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''دی ہنڈرڈ(The Hundred)'' میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عیسیٰ (علیہ السلام) کے برعکس دینی و دُنیاوی دونوں قسم کے رہنما تھے۔ دراصل عرب فتوحات کے پیچھے آپؐ کی قوتِ متحرکہ ہی تھی جس کی بناء پر آپؐ دُنیا کے عظیم ترین اور موثر ترین سیاسی رہنما کی مسلّمہ حیثیت کے حامل بن گئے... دنیا کے اہم واقعات کے بارہ میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی خاص سیاسی رہنما کے بغیر بھی ہو کر رہتے ہی تھے... لیکن عرب کی فتوحات کے بارہ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ محمدؐ نے جو کچھ کر دکھایا اس سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔''

(اسوۂ انسانِ کامل از حافظ مظفر احمد صفحہ 667)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"مَیں ہمیشہ تعجب کی نگہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔(ہزار ہزار درود اور سلام اس پر)۔ یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا اور اس کی تاثیر قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دنیا میں لایا۔ اس نے خدا سے انتہائی درجہ پر محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اِس لئے خدا نے جو اس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین و آخرین پر فضیلت بخشی اور اس کی مرادیں اس کی زندگی میں اس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اس کے کسی فضیلت کا دعویٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں ہے بلکہ ذریّتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کنجی اُس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافرِ نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اِسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اِسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اِسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 118-119)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡

﴿25﴾ ﴿مشاہدات۔531﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک عظیم قائد

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ(النساء:60)

کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکام کی بھی۔

نبوّت کے تھے جس قدر بھی کمال

وہ سب جمع ہیں آپؐ میں لامحال

صفاتِ جمال اور صفات جلال

ہر اک رنگ ہے بس عدیم المثال

محمد ہی نام اور محمد ہی کام

علیك الصلوٰۃ علیك السلام

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک عظیم قائد“

آغاز میں لفظِ قائد کے معانی جاننے ضروری ہیں۔ لفظِ قائد کے لغوی معنی ہیں سردار، لیڈر، رہنما، رہبر، آگے چلنے والا۔ ایک ایسا شخص جس کو اگر کوئی ذمہ داری یا عہدہ عطا کیا جائے تو وہ اسے اپنے منصب کے شایانِ شان انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ قیادت کرنے کی صلاحیت ہر شخص میں موجود نہیں ہوتی۔ ایک اچھے قائد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کی صحیح رہنمائی کرے اور اُن کے مسائل کو حل کرے۔ ایک باشعور، باصلاحیت اور دیانت دار قیادت نہ صرف انسانی مسائل کے حل میں ہمیشہ مستعد و سرگرم رہتی ہے بلکہ معاشرے کی خوشحالی، امن اور ترقی میں بھی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

سامعین ! جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اسلام ہمیشہ قائم رہنے والا مذہب ہے۔ امن و سلامتی کا ذریعہ اور صلح و آشتی کا سرچشمہ ہے۔ اسلام سے قبل دنیا کے حالات بہت ہی خراب تھے۔ معاشرے میں سینکڑوں خرابیاں اور بے شمار بُرائیاں رائج تھیں۔ توحید کی جگہ شرک، خیر کی جگہ شر، امن کی جگہ جنگ اور عدل وانصاف کی جگہ ظلم واستبداد نے لے لی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی اگر جنگ شروع ہو جاتی تو وہ جنگ کئی سالوں تک جاری رہتی۔ انسانیت کسی ایسے مسیحا کا انتظار کر رہی تھی جو سارے جہاں کا درد اپنے دل میں سمیٹ سکے ان جاہلانہ رسومات، خود ساختہ مذہبی، سماجی بندشوں، تہذیبی اور اخلاقی تنزلی، فتنہ و فساد، تخریب کاری، خرافات کا خاتمہ کر سکے جو ایسی تحریک چلائے جس سے اوہام پرستی کا خاتمہ ہو جائے۔ جہالت وگمراہی کے اندھیروں، ظلم و جبر کی زنجیر کو توڑ کر غریبوں، بیواؤں، یتیموں اور کمزوروں کے استحصال کو روکے بالآخر رب ذوالجلال کی رحمت جوش میں آئی۔ ظلم و بربریت کی تاریکی میں ہدایت کا ایسا سورج طلوع ہوا جس کی روشنی سے ہر سو اجالا ہو گیا۔ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہترین قائد کی صورت میں جلوہ گر ہوئے اور قوم کی حالت بدل دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو معرفت خداوندی کے ساتھ قیادت وسیادت کے اصول سمجھائے۔ لوگوں کے دکھ درد بانٹ کر انہیں حقیقی زندگی جینا سکھایا اور بتایا کہ بہترین انسان ہی بہتر قائدانہ کردار پیش کر سکتا ہے۔ حقیقی قائد وہ ہے جو امانت دار، امن وامان کا خواہاں اور انسانوں کی ضروریات پوری کرنے والا ہو نہ کہ عیش و عشرت کا خواہاں ہو۔ یہ بہتر قیادت عملی طور پر کیسے ممکن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی سے اس سوال کا جواب فراہم کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" خبردار سن لو! تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور قیامت کے دن اس سے اپنی رعایا سے متعلق باز پرس ہو گی۔"

(سنن ابی داؤد حدیث 2928)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گویا قیادت مطلق العنان نہ ہو بلکہ احکاماتِ خداوندی، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں متقی، باشعور اور اہلِ علم افراد کی مشاورت سے خَلقِ خدا کی درست رہنمائی کے فرائض انجام دیتی ہو۔

ایک قائد کی کامیابی وکامرانی میں اُس کا استقلال اور اخلاص کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ عام طور پر قیادت وقتی مصلحتوں اور تقاضوں کے گھیرے میں رہتی ہے لیکن قائد کا اخلاص اسے وقار و مرتبہ عطا کرتا ہے۔ سیرتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ حق پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے بت پرستوں نے کتنی اذیتیں نہ دیں، کیسے کیسے لالچ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیئے گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت واخلاص میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کی اذیتیں برداشت کیں اور ہر قسم کی لالچ کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا۔ دنیا گواہ ہے کہ یہ مشقتوں اور آزمائشوں کا دور ختم ہوگیا اور صرف 23 سالوں میں صفحہ ہستی پر ایک ایسا عظیم انقلاب رونما ہوا جس نے ہر ظلم، ہر باطل کو خس وخاشاک کی طرح بہادیا۔ کسی بھی تنظیم کے قائد اور کارکنان میں خلوص نیت کا پایا جانا اہم ہے۔

سامعین! قائد اگر ڈسپلن کا پابند ہو تو اس کا خوش گوار اثر معاشرے، ماحول اور عوام پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ قائد کے لیے لازمی ہے کہ وہ اصول اور قوانین کی پابندی کروائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ سے ہم کو قانون کی پاسداری اور اصول پسندی کی تعلیم دی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام نے ایسا قانون نافذ کیا جس میں عرب وعجم، امیر وغریب، بڑے چھوٹے، گورے کالے سب قانون کے سامنے برابر اور یکساں دِکھائی دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی مرتکب عرب کی ایک معزز وبااثر خاتون کے ہاتھ کاٹ دینے کا جب حکم جاری فرمایا تو اس کے قبیلے والوں نے رسوائی اور سزا سے بچنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوگئیں کہ جب کوئی بڑا غلطی کا ارتکاب کرتا تو مختلف حیلوں، بہانوں سے سزا سے بچ جاتا اور جب کوئی عام انسان کسی فعل قبیح کا مرتکب ہوتا تو سزا پاتا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہؓ بنت محمد بھی چوری کرتی تو مَیں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ یعنی اصولوں کی پاسداری اور حدود کے نفاذ میں تعلقات اور قربت داری کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ قائد میں جب اصولوں پسندی کا یہ جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو ہر طرف امن وامان کا دور دورہ رہتا ہے۔ امیر غریب الغرض معاشرے کے ہر فرد کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں اور یہ قائدانہ صلاحیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھی۔

قائد کی خوبیوں میں سے ایک خوبی اُس میں شجاعت کا ہونا ہے کیونکہ اس کے بغیر امارت و قیادت ممکن نہیں ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ دلیر اور بہادر تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شجاعت، بہادری اور دلیری میں بھی اپنا مقام تھا۔ اِس حوالہ سے آپؐ سب سے بلند اور معروف ہے۔ نہایت کٹھن اور مشکل موقع پر جبکہ اچھے اچھے جانبازوں اور بہادروں کے پاؤں اکھڑ جاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ بر قرار رہتے، پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے ہی بڑھتے چلے جاتے اور کبھی پائے ثبات و استقامت میں لغزش نہ آئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کے شعلے خوب بھڑک اٹھتے تو ہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔

پیارے بھائیو! قیادت سخاوت کے وصف سے آراستہ ہونی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخاوت کی اعلیٰ ترین مثال قائم کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کو اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور جتنا بھی تھا سارے کا سارا اللہ کی راہ میں قربان کر دیا اور اپنے پاس کچھ بھی باقی نہ رکھا اور اپنے صحابہ کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی نے مانگا تو آپؐ نے انکار نہیں کیا، حتیٰ کہ ایک آدمی نے بکریوں سے بھری وادی کا سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ بھی دے دی۔ امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی آپؐ کی جود و سخا کی ایک مثال ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حاجتمندوں، ضرورتمندوں اور محتاجوں پر خرچ کرتے تھے۔ آپ کے خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کی شان ایک تیز ہوا کی طرح تھی جو کچھ مال آپ کے پاس آتا اسے فوراً مستحقین تک پہنچا دیتے۔

سامعین! آپؐ ایک "امین" بھی تھے کہ مکہ کے لوگ اپنی امانتوں کو آپؐ کے پاس محفوظ سمجھتے تھے۔ آپؐ تاجر بھی تھے کہ حضرت خدیجہؓ کے تجارتی قافلے دوسرے ملکوں میں لے کر جاتے اور تجارت کرتے تھے۔ آپؐ ایک مبلغ بھی تھے کہ لوگوں کو نیکی اور اچھائی کی طرف بلاتے اور بدی و برائی سے روکتے تھے۔ حق و باطل کی لڑائی میں آپؐ ایسے فوجی کمانڈر بن کر ابھرے کہ اِس پر تاریخ میں مستقل کتابیں لکھی

گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصبِ انصاف پر فائز تھے، آپ قاضی اور جج بھی تھے، خود آپؐ کے پاس بھی مقدمات آتے تھے جن کے آپؐ فیصلے سنایا کرتے تھے اور پھر باقی قاضیوں کے پاس جو مقدمات آتے ان کے فیصلوں پر اپیلیں حضورؐ کی خدمت میں آتی تھیں جن پر حضورؐ فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے۔ آپ ایک سماجی لیڈر بھی تھے کہ مختلف قبائل کے وفود آپؐ کے پاس آتے تھے جن سے آپ مذاکرات اور گفتگو فرماتے تھے۔ آپ اپنی ریاست کے سب سے بڑے ڈپلومیٹ، سب سے بڑے سفارت کار بھی تھے۔ آپؐ دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات اور معاملات کو بھی نبھاتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریاست کے منتظم اعلیٰ بھی تھے کہ ریاست کے داخلی معاملات کے متعلق فیصلے بھی آپؐ خود فرمایا کرتے تھے۔

سامعین! ایک اچھے قائد میں یہ صلاحیت بھی موجود ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کا بھی خیال رکھتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظامِ تربیت بھی جاری فرما رکھا تھا کہ مختلف علاقوں سے لوگ مرکز میں آکر اور آپؐ کی صحبت میں رہ کر دین کا گہرا فہم حاصل کریں اور واپس جاکر اپنی قوم کی تربیت کریں۔ چنانچہ اصحابِ صفّہ کا ایک گروہ ہمیشہ مسجدِ نبوی کے قرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تعلیم و تربیت رہتا تھا جن کے قیام و طعام کا مناسب بندوبست بھی آپؐ فرماتے تھے۔

حضرت مالک بن حُویرثؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رحیم و کریم اور نرم خو تھے۔ ہم نے آپؐ کی صحبت میں بیس دن قیام کیا۔ اس دوران آپؐ نے محسوس کیا کہ ہم اپنے گھر والوں کے لئے اداس ہو گئے ہیں۔ آپؐ ہم سے ہمارے اہل خاندان کے بارے میں تفصیل پوچھنے لگے۔ ہم نے ان کے بارے میں بتایا۔ مالکؓ کہتے ہیں حضورؐ بہت نرم دل اور پیار کرنے والے تھے۔ آپؐ نے ہمیں اپنے گھروں میں واپس بھجواتے ہوئے فرمایا ان کو جاکر بھی یہ باتیں سکھاؤ اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اس طرح نماز پڑھنا۔ نماز سے پہلے تم میں سے کوئی اذان کہہ دے اور جو بڑا ہو وہ امامت کروائے۔

(بخاری کتاب الادب)

آپؐ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی اپنے صحابہ کی تربیت فرماتے تھے۔ تربیت میں سچائی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ایک گناہ گار شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توبہ کی بیعت اور اپنی کمزوریوں کا

اقرار کرتے ہوئے عرض کیا کہ سارے گناہ ایک ساتھ چھوڑنے مشکل ہیں۔ کوئی ایک گناہ جو آپؐ فرمائیں چھوڑ سکتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹ چھوڑ دو۔ پھر سچائی کی برکت سے اس سعادت مند کو رفتہ رفتہ سارے گناہوں سے نجات مل گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولاد کے لئے اپنے اصحاب کو بھی عمدہ نمونہ پیش کرنے کیلئے ہدایت فرماتے تھے۔ مثلاً یہ کہ خود سچائی پر قائم ہو کر بچوں کو اس کا نمونہ دیا جائے اور تکلّف سے یا مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولا جائے۔

حضرت عبداللہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں اس وقت کمسن بچہ تھا۔ مَیں کھیلنے کے لئے جانے لگا تو میری امی نے کہا عبداللہؓ اِدھر آؤ۔ میں تمہیں چیز دونگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ اسے کچھ دینا چاہتی ہو؟ میری ماں نے کہا ہاں کھجور دونگی۔ آپؐ نے فرمایا اگر واقعی تمہارا یہ ارادہ نہ ہوتا (اور صرف بچے کو بلانے کی خاطر ایسا کہا ہوتا تو تم سے جھوٹ بولنے کا گناہ ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں زندگی کے باقی شعبوں میں راہنمائی کی ہے وہاں آپؐ نے اپنی امت کی سیاسی قیادت بھی کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت و سنت کے حوالے سے اجتماعی نظام دیا ہے جسے نظام خلافت کہتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اس نظام کی تعلیم و تکمیل کے مراحل پر مشتمل ہے جبکہ خلافت کا یہ نظام اپنی آب و تاب کے ساتھ خلافتِ راشدہ اور آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الٰہی جماعت کے دور میں بھی جلوہ گر نظر آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو ایک حکومتی نظام دیا، حکومتی نظام کو چلانے کے لیے راہنما اصول دیے اور اس کے لیے قیادت تیار کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن سے اجتماعی کاموں میں اتنا لگاؤ اور دلچسپی بھی تھی کہ معاملہ فہمی اور معاشرے کے اختلافات کو ختم کرنے اور اس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی قائدانہ صلاحیتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت میں موجود تھیں۔

جب بیت اللہ شریف کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قریشِ مکہ کے دوش بدوش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ جب عمارت میں ہجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو قبائل میں سخت جھگڑا ہو گیا اس

کشمکش میں چار دن گزر گئے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں۔ آپ نے اس طرح اس جھگڑے کا تصفیہ فرمایا کہ آپؐ نے ایک چادر بچھا کر اس پر حجرِ اسود رکھا اور تمام سرداروں کو حکم دیا کہ سب اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر اٹھائیں سب سرداروں نے مل کر چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام پر پہنچ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔

ایک قائد کی سب سے بڑی خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ مفتوحہ ممالک سے انتقام کے بجائے اسے سدھرنے اور سنبھلنے کا موقع دے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت کافروں سے انتقام نہیں لیا بلکہ عفوودرگزر کا اعلان عام کر کے ایسا کارنامہ انجام دیا جسے تاریخ انسانی کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

مشاورت ایک کامیاب قائد کا وصف خاص ہے۔ آپؐ نے اس کے تصور کو عام کیا۔ چنانچہ جب بھی کبھی کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا فوراً آپؐ ذی صلاحیت اور تجربہ کار صحابہ کرامؓ کو اکٹھا کرتے اوران کے مشورے سے اس کا حل نکالتے ۔جب کہ آپ نبی اوررسول کی حیثیت سے بذات خود اقدام کر سکتے تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیت میں مشاورت کی اہمیت کو باقی رکھنے کے لیے یہ طریقہ عام کیا۔

سامعین! قائد کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ ان تمام چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر رکھے جن کے سنگین نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ناپ تول میں کمی کو ناپسند کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشیائے فروخت کی خوبی وخامی واضح کرنے کا حکم صادر کیا۔ عام طور پر ہونے والے فساد زبان سے سرزد ہوتے ہیں، اس لیے آپ نے گفتگو کے آداب سکھلائے اور حق گوئی کو ایمان کا وصف قرار دیا۔ جب کہ جھوٹ ،غیبت ،چغلی اور ٹوہ میں لگے رہنے کو شیطانی عمل قرار دیا۔ صبر و تحمل اور قناعت کو اپنایا اور فرمایا کہ ”صبر مشکلات کو ختم کر دیتا ہے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے“۔ آپؐ کے ان الفاظ سے بہت سے لوگوں کا مشکلات کا سامنا کرنے کا حوصلہ بلند ہوتا ہے۔

سامعین! اسلام نے قیادت کا فریضہ ہر کس وناکس کے حوالہ نہیں کیا اور نہ ہی خاندان، برادری، قبیلہ، زبان، رنگ اور نسل کی بنیاد پر کسی شخص کو قیادت کا استحقاق عطا کیا ہے بلکہ ایمان، علم، عمل، تقویٰ،

حکمت، دانائی، بصیرت و بصارت، جہاں بینی، بہادری، اخلاص، امانت، دیانت، صداقت اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے وفاداری جیسے اوصاف کو قائد کے لیے لازم قرار دیا ہے اور یہ تمام اوصاف ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ میں نظر آتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہے گئے الفاظ ہمارے ایمانوں کو اور مضبوط کرتے ہیں کہ آپؑ فرماتے ہیں

”وہ انسان جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے، اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسانِ کامل کہلایا...وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اے پیارے خدا! اِس پیارے نبی پر وہ رحمت اور درود بھیج جو ابتداء دنیا سے تو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔“

(اتمام الحجہ، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 308)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿26﴾ ﴿مشاہدات۔308﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تبلیغ، ہمارے لئے مشعلِ راہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (سورۃ الجمعہ:3)

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔

دَر دِلم جوشد ثنائے سَروَرے
آنکہ دَر خُوبی ندارد ہمسَرے
آنکہ جانَش عاشِق یارِ اَزل
آنکہ رُوحش واصلِ آن دِلبرے

(براہین احمدیہ حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 17)

میرے دل میں اس سردار آقا کی تعریف جوش مار رہی ہے، جو خوبی میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ وہ جس کی جان خدائے ازل کی عاشق ہے، وہ جس کی رُوح اس دلبر سے واصل ہے۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان **"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تبلیغ، ہمارے لئے مشعلِ راہ"** ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم منصب بطور نبی اور رسول کے یہ تھا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بنی نوع انسان کو خدا کی طرف بلائیں۔ قرآن شریف میں آپؐ کا یہ مقام دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجاً مُّنِیْراً (الاحزاب:47) یعنی اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور ایک چمکتا ہوا سورج بنا کر (بھیجا ہے) بیان کیا گیا ہے۔ آپؐ کائنات کے وہ بہترین وجود تھے جنہوں نے دنیا کو خدا کی طرف بلایا۔ آپؐ ہی تھے جنہوں نے بَلِّغْ (یعنی پیغام پہنچا دو) کے حکم کی تعمیل میں حقِ تبلیغ ادا کر کے دکھایا۔ آپؐ نے مخفی طور پر بھی تبلیغ کی اور اعلانیہ بھی۔ دن کے وقت بھی دنیا کو خدا کی طرف بلایا اور رات کو بھی۔ بنی نوع انسان کا گہرا درد آپؐ کے سینہ میں موجزن تھا جس کی بناء پر آپؐ ہر کس و ناکس کو اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ آپؐ نے غرباء اور فقراء کو بھی پیغام پہنچایا، بادشاہوں اور امراء کو بھی دعوتِ حق دی۔ ان کی طاقت و سطوت شاہانہ سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قرآنی تعلیم کی تبلیغ حکمت اور استقلال کے ساتھ فرماتے رہے۔

مخفی اور انفرادی تبلیغ

معزز سامعین! تبلیغ کا ایک بنیادی اصول، حکمت سے کام لینا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ رنگ میں تبلیغ کا بہترین نمونہ ہمیں دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر آپؐ کی راہنمائی فرمائی اور تبلیغ کے لیے اعلیٰ حکمتیں تعلیم فرمائیں اور آپؐ نے ان پر عمل کر کے دکھادیا۔ آپؐ کے اخلاق و کردار عین قرآن کے مطابق تھے۔ چنانچہ ابتدائی زمانہ میں پیغام حق پہنچانے میں جو حکمتیں بطور خاص ملحوظ رکھی گئیں، ان میں اولین مخفی انفرادی تبلیغ تھی، یعنی دعویٰ نبوت کے ابتدائی تین سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عملی نمونہ سے نیز مخفی اور انفرادی طور پر تبلیغ فرماتے رہے، جس کے نتیجہ میں آپؐ کے افراد خانہ، حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور قریبی تعلق والوں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زیدؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

رشتہ داروں سے تبلیغ کا آغاز

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین سال بعد حکم ہوا کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر:95)۔ یعنی جو حکم آپؐ کو دیا گیا ہے تو اسے کھول کر سنا دے اور مشرکوں سے اعراض کر۔ ساتھ ہی ایک دوسرا حکیمانہ ارشاد ہوا کہ تبلیغ کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیا جائے، جیسے فرمایا: اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ

الْاَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:215-216) یعنی اور تو (سب سے پہلے) اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو ڈرااور جو تیرے پاس مومن ہو کر آئیں ان کے لئے محبت کے بازو جھکا دے۔

سامعین! رشتہ داروں کو تبلیغ اور پیغام حق کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل قریش کو کوہ صفا پر اکٹھا کر کے فرمایا: **"اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے دامن سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا میری تصدیق کروگے؟"** سب نے یک زبان ہو کر کہا: "کیوں نہیں! آپ کی بات ضرور مانیں گے کیوں کہ ہمیں آج تک آپؐ سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا، ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا پایا ہے"۔

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو یہ پیغام پہنچاؤں، پس یاد رکھو کہ میں نہ تو تمہارے لئے دنیا کے کسی فائدہ پر اختیار رکھتا ہوں، نہ آخرت میں سے کوئی حصہ دلا سکتا ہوں، سوائے اس کے کہ تم کلمہ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کر لو۔"**

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ سے دوسری بات یہ پتہ چلی کہ دورانِ تبلیغ جھوٹ نہیں بولنا۔

دعوتِ طعام کے ذریعہ تبلیغ

معزز سامعین! جب رشتہ داروں کو انذار کے بارہ میں ارشاد ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے ذریعہ ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں خاندان بنی مطلب کے تمام افراد بلائے گئے جائیں مگر ابولہب کی شرارت کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس روز اپنا پیغام نہ پہنچا سکے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو ہی دوبارہ ایک دعوت طعام کا انتظام کرنے کی ہدایت فرمائی جس میں چیدہ چیدہ چالیس افراد خاندان تھے اور حضورؐ نے خوب پیغام حق پہنچایا جس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ نے تعاون کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

اسلام کا پہلا دار التبلیغ دار ارقم

معزز سامعین! حضرت ارقم بن ارقمؓ کا مکان مکہ میں صفا کی پہاڑی پر تھا۔ مکہ میں آغاز اسلام میں مسلمانوں کے لیے کسی مرکزی ٹھکانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا یہ گھر پیش کر دیا جسے

مسلمانوں کا پہلا مرکز بننے کی سعادت ملی۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عرصہ تک قریش سے مخفی طور پر لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تو اعلانیہ اندازِ تبلیغ اور عبادت کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو جہاں بہت مخالفت ہوئی وہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔

سردار مکہ ابوجہل کو دعوت اسلام

سامعین! قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ کے حکم کے تابع تبلیغ عام بھی شروع فرمادی۔ الٰہی احکامات کے نتیجہ میں آپؐ کا دل بہت مضبوط تھا اور آپؐ نے بڑی دلیری اور بہادری سے یہ فریضہ انجام دیا اور بڑے بڑے سرداروں پر بھی اتمامِ حجت کر کے چھوڑی۔ اسی طرح ابوجہل کو بھی انفرادی طور پر تبلیغ کی کوشش کی۔ مغیرہؓ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ: ”میری پہلی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن ہوئی جب میں ابوجہل کے ساتھ مکہ کی ایک گلی میں آرہا تھا کہ ہمارا سامنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل سے کہا: ”**اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ، میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں**“۔ ابوجہل کہنے لگا: ”اے محمدؐ! کیا تو ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے سے باز آئے گا یا نہیں؟ اگر تم یہ گواہی دیتے ہو کہ تو نے پیغام پہنچا دیا ہے تو ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ تو نے پیغام پہنچا دیا ہے، ورنہ خدا کی قسم! اگر مجھے پتہ چل جائے کہ جو دعویٰ تم کرتے ہو وہ برحق ہے تو پھر بھی میں تمہاری پیروی ہرگز نہ کروں گا۔“ یہ سن کر رسول کریمؐ وہاں سے تشریف لے گئے۔

قریش کی متحدہ مخالفت کا آغاز

معزز بہنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کھل کر تبلیغ شروع کی اور بت پرستی سے منع کیا اور آپؐ کے ساتھ ایک جماعت اکٹھی ہونی شروع ہو گئی تو قریش کو اپنی سرداری خطرے میں نظر آنے لگی اور وہ مشورے کرنے لگے کہ کس طرح اس نئے سلسلہ کو روکا جائے۔ ایک دن ابوجہل نے سرداران قریش کی مجلس میں کہا: ”محمد کا معاملہ کچھ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ تم لوگ کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو جادو، کہانت اور شعر کا علم رکھتا ہو اور وہ ہماری طرف سے جاکر اس سے بات کرے اور ہمیں اس کا ردعمل بتائے۔ اس پر

ایک سردار، عتبہ کہنے لگا کہ: ”میں جادو، کہانت اور شعر سب کے بارہ میں کچھ علم رکھتا ہوں، اگر اس سے متعلق کوئی بات ہے تو میں کافی ہوں۔“ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: ”اے محمد! تم ہمارے معبودوں کو کیوں بُرا بھلا کہتے ہو اور ہمارے آباء واجداد کو کیوں گمراہ قرار دیتے ہو؟ اگر آپ سرداری کے خواہاں ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں، اگر کہیں شادی کا ارادہ ہے تو قریش کے جس گھرانہ سے کہو بیاہ کر دینے کو تیار ہیں، اگر مال چاہیے تو اتنا مال جمع کر کے دیتے ہیں کہ آپ اور آپ کی اولاد بھی ہمیشہ کے لیے محتاجی سے محفوظ ہو جائے۔ رسول کریمؐ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے، جب وہ سب کچھ کہہ چکا تو آپؐ نے سورۃ حم السجدہ کی تلاوت فرمائی، جس میں انذار کا ذکر ہے۔ عتبہ نے آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا: ”رحمان خدا کا واسطہ ہے آپؐ مجھے اور نہ ڈرائیں۔“

مخالفت کے ذریعہ تبلیغ

سامعین! ایک قبیلہ کے سردار ضماد بیماروں کا علاج جھاڑ پھونک اور دم سے کیا کرتا تھا۔ ضماد خود بیان کرتے ہیں کہ ”میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد! میں دم سے بیماروں کا علاج کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر جسے چاہے شفاء عطا فرماتا ہے، کیا آپ مجھ سے علاج کروانا پسند کریں گے؟“ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمانے سے قبل حسبِ عادت مسنون خطبہ کے الفاظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہی پڑھے تھے کہ اِس کے دل پر اثر ہوا اور بول اٹھا کہ آپؐ ہاتھ بڑھائیں میں اسلام پر آپؐ کی بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ ضمادؓ، جو حکیم اور معالج بن کر آیا تھا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے روحانی شفاء عطا فرمائی اور حضرت ضماد رضی اللہ عنہ بن گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا بااثر اور سمجھدار سردار ہے۔ آپؐ نے اس کی بیعت لیتے ہوئے فرمایا کہ: **”آپ اپنی قوم کی طرف سے بھی ان کی نمائندگی میں بیعت کرتے ہو کہ انہیں بھی اسلام کی تعلیم پر کاربند کرو گے۔“**

(مسلم کتاب الضعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ)

سامعین! اِسی طرح ایک قبیلے کا سردار اکثم بن صیفی نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا، مگر ان کی قوم نے اسے روک دیا۔ تب انہوں نے اپنے نمائندے حضورؐ کی خدمت میں بھجوائے، جنہوں نے آکر آپؐ کے دعویٰ کی بابت پوچھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں"**، پھر "انہیں آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (سورۃ النحل: 91) پڑھ کر سنائی۔ اِن لوگوں نے واپس جاکر اپنے سردار اکثم کو آپؐ کی پاکیزہ تعلیم کے بارہ میں بتایا، جسے سن کر اکثم کہنے لگا: اے میری قوم! یہ شخص نہات اعلیٰ درجے کے اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور بُری باتوں سے روکتا ہے، پس تم اسے ماننے میں پہل کرو، کہیں پیچھے نہ رہ جاؤ۔ چنانچہ سردار اکثم اپنے ایک سو افراد کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے روانہ ہوا، راستہ میں اس کی وفات ہوگئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وصیت کی اور انہیں گواہ ٹھہرایا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔

(الوفاء بالاحوال المصطفیٰ ابن جوزی صفحہ 193 بیروت)

سردار قبیلہ دوس کا قبول اسلام

دوس کے سردار طفیل بن عمرو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بالواسطہ تبلیغ کی بجائے قریش کی مخالفت کے نتیجے میں اسلام قبول کرنے کی سعادت پائی۔ طفیل بن عمرو ایک معزز انسان اور عقلمند شاعر تھے۔ جب وہ مکہ آئے تو قریش کے بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ محمد جادوگر ہے اور بہت کچھ بُرا بھلا کہا اِس کا میرے پر اتنا اثر ہوا کہ میں نے عزم کر لیا کہ اس شخص کی کوئی بات سنوں گا نہ اس سے کلام کروں گا، یہاں تک کہ بیت اللہ جاتے ہوئے میں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ غیر ارادی طور پر اس شخص کی کوئی بات میرے کان میں نہ پڑ جائے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ کی تلاوت کے چند الفاظ کے سوا میں کچھ بھی نہ سن سکا، مگر جو سنا وہ مجھے اچھا کلام محسوس ہوا۔ میں نے کہا: اے محمد! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ یہ کہا ہے، خدا کی قسم! انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں اتنا ڈرایا کہ میں نے روئی اپنے کانوں میں ٹھونس لی تا کہ آپ کی بات نہ سن سکوں، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا کچھ کلام سنا دیا اور جو میں نے سنا وہ عمدہ کلام ہے، آپ خود مجھے اپنے دعویٰ کے بارہ میں کچھ بتائیں۔ نبی کریمؐ نے مجھے اسلام کے بارہ میں بتایا اور قرآن شریف بھی پڑھ کر سنایا۔ خدا کی قسم! میں نے

اس سے خوبصورت کلام اور اس سے زیادہ صاف اور سیدھی بات کوئی نہیں دیکھی۔ چنانچہ میں نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی گواہی دی اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم کا سردار ہوں اور لوگ میری بات مانتے ہیں۔ میرا ارادہ واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلانے کا ہے۔ آپؐ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے مقابل کوئی تائیدی نشان عطا کرے۔ نبی کریمؐ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی کہ: "**اے اللہ! دوس قبیلہ کو ہدایت عطا فرما**" اور مجھے ہدایت فرمائی کہ: "**آپ جا کر اپنی قوم کو نرمی اور پیار سے اسلام کی طرف دعوت دو اور ان سے حسن سلوک کرو**"۔ چنانچہ حضرت دوسؓ کی تبلیغ سے دوس قبیلہ کے ستر اسی گھرانے مسلمان ہو کر مدینہ میں آباد ہو گئے۔

قریش کے وفود کی آمد

معزز سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علانیہ تبلیغ کے مثبت اثرات دیکھ کر قریش کے بعض شرفاء ابو طالب سے ملے اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے دین کو قابل اعتراض، ہمیں بے عقل اور ہمارے آباءواجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ یا تو اسے ان باتوں سے روکیں یا اس کا ساتھ چھوڑ دیں تا کہ ہم خود اس سے نبٹ لیں۔ ابو طالب نے ان سے نرمی سے بات کی اور انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ قریش کے دوسرے وفد نے ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آپ ہمارے بزرگ اور قدرومنزلت رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے اپنے بھتیجے کو روکنے کے لیے کہا مگر آپ نے ہماری بات نہیں مانی۔ اب ہم اس حالت پر صبر نہیں کر سکتے۔ آپ یا تو اسے اپنے دین کی تبلیغ اور ہمارے معبودوں کی مخالفت سے روکیں یا پھر ہم آپ کے ساتھ اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ ایک فریق ہلاک ہو جائے۔

ابو طالب کے لیے اب نہایت نازک موقع تھا اور وہ سخت ڈر گئے۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ جب آپؐ آئے تو ان سے کہا کہ: "اے میرے بھتیجے! اب تیری باتوں کی وجہ سے قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھے ہلاک کر دیں اور ساتھ ہی مجھے بھی۔ میں تجھے خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ اس کام سے باز آجاؤ، ورنہ میں تمام قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اب ابو طالب کا پائے ثبات بھی لغزش میں ہے اور دنیاوی اسباب میں سب سے بڑا سہارا مخالفت

کے بوجھ کے نیچے دب کر ٹوٹا چاہتا ہے، مگر آپؐ کے ماتھے پر بل تک نہ تھا، آپؐ نے نہایت اطمینان سے فرمایا:

اے چچا! یہ دشنام دہی نہیں ہے یہی تو وہ کام ہے جس کے واسطے میں بھیجا گیا ہوں کہ لوگوں کی خرابیاں ان پر ظاہر کر کے انہیں سیدھے راستے کی طرف بلاؤں اور اگر اس راہ میں مجھے مرنا در پیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اس راہ میں وقف ہے اور میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رک نہیں سکتا اور اے چچا! اگر آپ کو اپنی کمزوری اور تکلیف کا خیال ہے تو آپ بے شک مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہو جائیں، مگر میں احکامِ الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا اور **خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں، تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں رہوں گا اور میں اپنے کام میں لگا رہوں گا حتیٰ کہ خدا اسے پورا کرے یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔**

ممالک بیرون میں تبلیغ

اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے خلاف مکہ میں ایک طوفانِ بد تمیزی برپا ہو چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ پڑوسی ملک حبشہ میں جا کر پناہ لیں، جہاں عیسائی بادشاہ بہت عادل ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ مسلمانوں کے مرد وزن پر مشتمل دو وفود، پہلے 12 اور پھر 80 اصحابؓ حبشہ ہجرت کر گئے۔ جہاں حضرت جعفر طیارؓ نے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر بادشاہ کے سامنے سورہ مریم کی تلاوت کر کے اسلام کی تعلیم پیش کی۔ بادشاہ پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور وہ بھی بالآخر مسلمان ہو گیا۔

حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام

معزز سامعین! ایک دفعہ ابوجہل نے کوہ صفا کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی، گالیاں دیں، آپؐ کے دین پر نامناسب اور مکروہ حملے کئے اور کمزوری کے طعنے دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت صبر اور خاموشی سے سنتے رہے۔ عبد اللہ بن جدعان کی ایک لونڈی اپنے گھر میں یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں حمزہ کمان لئے شکار سے واپس لوٹے۔ جب آپ اس لونڈی کے پاس سے

گزرے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ اس لونڈی نے حضرت حمزہ سے یہ کہہ کر مخاطب ہوئی کہ: اے ابو عمارا! آپ کے بھتیجے کو ابھی تھوڑی دیر پہلے ابوالحکم (ابو جہل) نے جو اذیت پہنچائی ہے، کاش! آپ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں بیٹھے دیکھا تو آپ کو سخت دکھ دیا اور گالیاں دیتے ہوئے بُری اور ناپسندیدہ باتیں کیں، مگر محمدؐ خاموشی سے چلے گئے اور آگے سے کوئی جواب تک نہیں دیا۔

حضرت حمزہ کی طبعی سعادت نے جوش مارا۔ وہ طیش میں آکر خانہ کعبہ گئے، جہاں ابو جہل بیٹھا تھا اور اُس سے جوش میں آکر کہا کہ: کیا تم میرے بھتیجے کو گالیاں دیتے ہو؟ تمہیں پتہ ہے کہ میں بھی اس کے دین پر ہوں، اگر طاقت ہے تو آؤ اور میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ حضرت حمزہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے بعد قریش نے محسوس کیا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ مضبوط ہو گیا ہے اور حمزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کریں گے۔ چنانچہ قریش کی ایذا رسانیوں میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔

سامعین! تبلیغ کا پہلا اور آخری حربہ تو دعا ہی ہے۔ آغازِ اسلام میں سرداران قریش کی سخت مخالفت دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال حکمت اور دانشمندی سے مکہ کے دو طاقتور اور بہادر سرداروں کے قبول اسلام کے لئے بطور خاص دعا کی طرف توجہ ہوئی تا کہ ان کے قبول اسلام سے کفر کی طاقت ٹوٹے اور اسلام مضبوط ہو۔ آپؐ نے دعا کی کہ: **"اے اللہ! ان دو اشخاص، عمرو بن ہشام اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کے ساتھ، جو تجھے پسند ہو، اسلام کو عزت اور قوت نصیب فرما۔"**

(ترمذی ابواب المناقب مناقب عمر)

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی یہ دعا قبول فرمالی اور حضرت عمرؓ کو قبولِ اسلام کی سعادت عطا ہوئی۔

مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ

سامعین! ہجرت حبشہ کے بعد جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاؤں حبشہ میں جم گئے ہیں اور شاہِ حبشہ نے انہیں پناہ دے دی ہے، ادھر مکہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ، جیسے جرأت مند سردار، اسلام کی آغوش میں آچکے ہیں۔ اسلام پھیل رہا ہے اور ابو طالب اور ان کا قبیلہ بھی محمد کا حامی ہے۔ تب

انہوں نے متحدہ مخالفت کا آغاز کیا اور محرم 7 سالِ نبوت میں مسلمانوں کے خلاف مکمل بائیکاٹ کرنے کا معاہدہ کر کے انہیں ایک گھاٹی میں محصور کر دیا۔ مسلمانوں کے حامی بنو ہاشم اور بنو مطلب کے اکثر افراد، خواہ مسلمان تھے یا کافر، وہ بھی ساتھ محصور ہو گئے۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ جب تک محمد کو ہمارے حوالہ نہ کیا جائے، مسلمانوں اور ان کے حامیوں کے شادی بیاہ ہو، نہ خرید و فروخت، حتیٰ کہ ان کے ساتھ لین دین اور میل ملاپ بھی بند کر کے مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ بغرض توثیق یہ معاہدہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 386)

تبلیغی رابطوں کے لئے حج کا موقع

سامعین! محصوری کے اس زمانہ میں مسلمانوں کے لیے رابطہ کا ایک موقع حج کا تھا۔ عربوں کے رواج کے مطابق حج سے کسی کو روکا نہیں جاتا تھا، اس لیے حج کے موسم میں مسلمان آزادانہ گھاٹی سے باہر نکلتے اور حج کی رسومات ادا کرتے۔ باہر سے آنے والوں سے رابطے بھی کرتے، جن میں مسلمانوں کی مظلومیت کا حال سن کر لازماً ہمدردی پیدا ہوتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین مخاطب تو ساری عرب قوم تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ کی بستی میں مبعوث فرمایا، جو ام القریٰ، یعنی تمام بستیوں کا مرکز تھی، جہاں سارے عرب سے دینِ ابراہیمی سے نسبت رکھنے والے لوگ حج و عمرہ کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قبائل کے لوگوں کے پاس تشریف لے جاتے اور انہیں پیغام حق پہنچاتے۔

مختلف مقامات میں منعقد میلوں پر تبلیغ

ایام حج کے بعد مکہ کے نواح میں "عکاظ"، "ذوالمجاز" اور "مجنہ" مقامات پر میلے لگا کرتے تھے، جہاں تجارت اور خرید و فروخت ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی دھن سوار تھی کہ شاید کوئی سعید روح یہاں مل جائے اور پیغام خداوندی پہنچانے کے لیے کوئی راہ نکلے۔ چنانچہ آپؐ ان میلوں پر پیغام حق پہنچاتے۔ ہر چند کہ اس راہ میں روکیں پیدا کی جاتیں اور آپؐ کو اذیتیں دی جاتیں مگر آپؐ یہ فریضہ ادا کرنے سے کبھی تھکے نہ ماندہ ہوئے۔ ربیعہ بن عبادؓ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالمجاز کے

میلے میں دیکھا۔ آپؐ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ **''کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو نجات پا جاؤ گے۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔''** آپؐ بازار کی گلی گلی میں جا کر منادی کرتے۔ لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑتے تھے مگر کوئی مثبت جواب نہ دیتا تھا، لیکن آپؐ کمال استقامت کے ساتھ مسلسل اپنی بات دہراتے جاتے تھے۔ آپؐ کے پیچھے پیچھے لمبے بالوں والا سفید رنگ کا ایک شخص تھا جس کی ایک آنکھ بھینگی تھی۔ وہ کہتا تھا: ''اے لوگو! یہ شخص تم سے لات و عزیٰ کو چھڑوانا چاہتا ہے، یہ صابی (بے دین) اور جھوٹا ہے۔''

سفر طائف میں تبلیغ

معزز سامعین! تبلیغ حق کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تکالیف میں سے طائف کے اس اذیت ناک دن کے تذکرے کے بغیر اندازِ تبلیغ ہمارے لئے مشعلِ راہ مکمل نہیں ہوتیں۔ وہی دن، جسے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا سخت ترین دن قرار دیا ہے۔ 10 سالِ نبوت میں شعب ابی طالب کی قید کا زمانہ ختم ہوا۔ تو آپؐ اندازِ تبلیغ کی خاطر طائف تشریف لے گئے۔ آپ کی وہاں شدید مخالفت ہوئی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف سے نکل جانے کا حکم سنایا اور ان بدبختوں نے اپنے حکم کی تعمیل کے لیے بعض غلاموں، لونڈوں اور بے وقوف بازاری لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا، جو گالیاں دینے اور آپؐ پر آوازیں کسنے لگے۔ ایک بڑا مجمع آپؐ کے خلاف ہو گیا۔ یہ لوگ راستہ میں دو قطاروں میں کھڑے ہو کر آپؐ پر پتھر برسانے لگے۔ پتھروں کی اس بارش کی تاب نہ لا کر کبھی آپؐ بیٹھنے لگتے تو وہ ظالم بازوؤں سے پکڑ کر آپؐ کو کھڑا کر دیتے اور پھر پتھر پھینکتے اور ہنسی اڑاتے۔ حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈھال بن کر آپؐ کو پتھروں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے مگر ایک بپھرے ہوئے ہجوم کے سامنے بے چارے تنہا زید کیا کر سکتے تھے۔ مسلسل کئی میل تک اس ہجوم نے آپؐ کا تعاقب کر کے آپؐ پر پتھراؤ کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں اور جوتے خون سے لت پت ہو گئے اور زید کے سر میں بھی شدید زخم آئے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 354)

تب آپؐ نے عتبہ اور شیبہ، سرداران مکہ، کے انگوروں کے باغ میں پناہ لی۔ آپؐ کے زخمی اور خون آلود ہو کر بھی صبر ورضا کی شان دیکھنے والی تھی۔ آپؐ نے انگوروں کی بیلوں کے سایہ میں آ کر دو رکعت نماز ادا کی اور اپنے رب سے کچھ مناجات اور آہ وزاری کی۔ جب عقبہ اور شیبہ کے عیسائی غلام عداس نے حاضر ہو کر آپؐ کی خدمت میں انگوروں کے خوشے پیش کیے تو حضورؐ بسم اللہ پڑھ کر انگور کھانے لگے۔ نصرانی غلام ''عداس'' نے تعجب سے آپؐ کا منہ دیکھا اور کہا: ''خدا کی قسم! اس شہر کے لوگ تو اس طرح کی کوئی دعا نہیں پڑھتے۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **''تم کس شہر کے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟''** اس نے کہا: ''میں نینویٰ کا باشندہ ہوں اور عیسائی ہوں'' آپؐ نے فرمایا: **''اچھا! تم خدا کے نیک بندے اور نبی حضرت یونس علیہ السلام بن متی کی بستی سے ہو۔''**

دیکھیں سامعین! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت بھی ایک غلام کو پیغامِ حق پہنچانے کی راہ نکال لی اور حقیر نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا دل نرم کر دیا۔ وہ یونس بن متی کا ذکر سن کر کہنے لگا کہ: ''آپؐ کو اس کا کیسے علم ہے؟'' آپؐ نے فرمایا: **''وہ میرا بھائی اور نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔''** عداس اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک گیا اور آپؐ کی پیشانی، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔

(السیرۃ النبویہ ابن حشام جلد 1 صفحہ 62 مطبوعہ مصر)

الغرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرب کے مختلف قبائل میں تبلیغ کی دھن سوار رہتی تھی جس کی خاطر آپؐ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف اپنے اللہ پر توکّل بھی تھا اور دعائیں بھی کرتے تھے جس کے نتیجے میں پھل بھی ملتے تھے۔

اَوس قبیلہ کو تبلیغ

سامعین! تبلیغ عام کے حکم کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرب کے مختلف قبائل میں دعوت الی اللہ کی دھن سوار رہتی تھی جس کی خاطر آپؐ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ اوس قبیلہ کے لوگ خزرج قبیلہ کے خلاف مدد مانگنے قریش مکہ کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کے پاس جا کر انہیں بھی پیغام حق پہنچایا۔ یہ نوجوان قبیلہ اوس کی شاخ عبد الاشہل سے تعلق رکھتے تھے، جو اپنے سردار ابوالحلبیس کی سرکردگی میں مکہ آئے۔ ان کا مقصد قریش سے خزرج قبیلہ کے خلاف

مدد کے لئے معاہدہ کرنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مجلس میں تشریف لے جاکر فرمایا کہ: ”جس مقصد کے لئے تم آئے ہو کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں؟“ انہوں نے کہا: ”وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے بندوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے تا وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے مجھ پر کتاب بھی نازل فرمائی ہے۔“ پھر آپؐ نے اسلامی تعلیم کا ذکر کیا اور انہیں قرآن شریف سنایا۔ یہ سن کر ایک نوعمر نوجوان 'ایاس بن معاذ' کہنے لگا: ”اے میری قوم! تم جس مقصد کے لیے آئے ہو یہ پیغام اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے“۔ اس پر ان کے سردار ابوالجلیس نے کنکروں کی ایک مٹھی بھر کر 'ایاس' کے منہ پر دے ماری اور وہ مدینہ واپس لوٹ گئے، جس کے بعد اوس و خزرج میں بعاث کی جنگ ہوئی۔

(دلائل النبوہ للبیھقی جلد 2 صفحہ 421 بیروت)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” پس یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام جس کو قائم کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں پیدا کرنے کے لئے آپؐ پیدا ہوئے تھے۔ ایک اعلیٰ انسان اور عبد رحمن کا مقام جو کسی کو ملا وہ سب سے اعلیٰ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ اور بندے کی پہچان اپنی ذات کی پہچان اور خدا تعالیٰ کی ذات کی پہچان کرانے کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ توحید کے قیام کے لئے آپ مبعوث ہوئے تھے۔ اور ساری زندگی اسی میں آپؐ نے گزاری۔ اور یہی آپ کی خواہش تھی کہ دنیا کا ہر فرد ہر شخص اس توحید پر قائم ہو جائے۔ اور اس زمانے میں بھی آپؐ کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی پہچان اس تعلیم کی رو سے ہمیں کروائی۔ پس ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے آقا و مطاع صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں خدائے واحد کی عبادت اور اس کے نام کی غیرت کو اپنی زندگیوں کا حصہ بنائیں تبھی ہم حقیقت میں لَاۤاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ پڑھنے والے کہلا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔“

(خطبہ جمعہ 4 فروری 2005ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے دین اور اپنی جماعت کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلائق کے دل تھے یقین سے تہی
بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دنیا پہ وہ چھا رہی
کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہوا آپ کے دم سے اِس کا قیام
عَلَيْكَ الصَّلٰوۃُ عَلَيْكَ السَّلَام

﴿27﴾ ﴿مشاہدات۔270﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی الی اللہ

(مکّی دور)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (سورۃ الجمعہ:3)

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

محمدؐ عربی بادشاہ ہر دو سرا
کرے ہے روحِ قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پر کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی الی اللہ“ ہے جو کہ میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی پر مشتمل ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم منصب بطور نبی اور رسول کے یہ تھا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بنی نوع انسان کو خدا کی طرف بلائیں۔ قرآن شریف میں آپؐ کا یہ مقام ”دَاعِياً اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجاً مُّنِيْراً (الاحزاب:47) یعنی اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور ایک چمکتا ہوا

سورج بنا کر (بھیجا ہے) بیان کیا گیا ہے۔ آپؐ کائنات کے وہ بہترین وجود تھے جنہوں نے محض دنیا کو خدا کی طرف بلایا ہی نہیں بلکہ خدا کے حکموں پر خود عمل کر کے بھی دکھایا اور ثابت کیا کہ آپؐ سب سے بڑھ کر خدا کے فرمانبردار ہیں۔ آپؐ ہی تھے جنہوں نے بَلِّغْ (یعنی پیغام پہنچادو) کے حکم کی تعمیل میں حقِ تبلیغ ادا کر کے دکھایا۔ آپؐ نے مخفی طور پر بھی دعوت الی اللہ کی اور اعلانیہ بھی۔ دن کے وقت بھی دنیا کو خدا کی طرف بلایا اور رات کو بھی۔ بنی نوع انسان کا گہرا درد آپؐ کے سینہ میں موجزن تھا جس کی بناء پر آپؐ ہر کس و ناکس کو اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ آپؐ نے غرباء اور فقراء کو بھی پیغام پہنچایا، بادشاہوں اور امراء کو بھی دعوتِ حق دی۔ ان کی طاقت و سطوت شاہانہ سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قرآنی تعلیم کی تبلیغ حکمت اور استقلال کے ساتھ فرماتے رہے۔

مخفی اور انفرادی تبلیغ

سامعین! دعوت الی اللہ کا ایک بنیادی اصول، حکمت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ رنگ میں دعوت الی اللہ کا بہترین نمونہ ہمیں دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر آپؐ کی راہنمائی فرمائی اور دعوت الی اللہ کے لیے اعلیٰ حکمتیں تعلیم فرمائیں اور آپؐ نے ان پر عمل کر کے دکھادیا۔ آپؐ کے اخلاق و کردار عین قرآن کے مطابق تھے۔ چنانچہ ابتدائی زمانہ میں پیغام حق پہنچانے میں جو حکمتیں بطور خاص ملحوظ رکھی گئیں، ان میں اولین مخفی انفرادی تبلیغ تھی، یعنی دعویٰ نبوت کے ابتدائی تین سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عملی نمونہ سے نیز مخفی اور انفرادی طور پر تبلیغ فرماتے رہے، جس کے نتیجہ میں آپؐ کے افراد خانہ، حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور قریبی تعلق والوں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زیدؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

دعوت الی اللہ کا پہلا شیریں پھل

ابن اسحاقؒ بیان کرتے ہیں کہ ”ابو بکرؓ جب رسول کریمؐ سے ملے تو پوچھا کہ: ’اے محمدؐ! قریش کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیا ہے اور ان کو بے وقوف ٹھہرا کر ان کے باپ دادا کو کافر قرار دیا ہے، کیا یہ درست ہے؟‘ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”**ہاں! میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں، اس نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس کا پیغام پہنچاؤں اور خدا کی قسم! یہی حق ہے۔ اے ابو بکرؓ! میں آپ کو خدائے واحد**

کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس خدا کی اطاعت کی خاطر ہماری دوستی ہونی چاہیے۔ پھر حضورؐ نے کچھ قرآن بھی ابو بکرؓ کو سنایا"۔ابو بکرؓ نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بتوں سے بیزاری ظاہر کر کے ان کا انکار کیا۔یوں ابو بکرؓ اسلام قبول کر کے وہاں سے لوٹے۔

مخفی تبلیغ

آغاز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخفی طور پر انفرادی تبلیغ فرماتے رہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی قبول اسلام کرنے کے بعد اپنی قوم کے قابل اعتماد افراد تک پیغام حق پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا اور اس میں کامیابی بھی حاصل کی۔ پھر چراغ سے چراغ روشن ہونے لگا۔ حضرت ابو بکرؓ کے ذریعہ قریش کے چند نوعمر نوجوان ایمان لے آئے۔ جن میں حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبد الرحمانؓ بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ شامل ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ ان کے علاوہ حضرت بلالؓ اور کچھ اور غلام بھی اس عرصہ میں ایمان لائے۔

رشتہ داروں سے تبلیغ کا آغاز

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین سال بعد حکم ہوا کہ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (الحجر:95)۔ یعنی جو حکم آپؐ کو دیا جاتا ہے تو اسے کھول کر سنا دے اور مشرکوں سے اعراض کر۔ ساتھ ہی ایک دوسرا حکیمانہ ارشاد ہوا کہ اس کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیا جائے، جیسے فرمایا: اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (الشعراء:215-216) یعنی اور تو (سب سے پہلے) اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا اور جو تیرے پاس مومن ہو کر آئیں ان کے لئے محبت کے بازو جھکا دے۔

معزز سامعین! رشتہ داروں کو تبلیغ اور پیغام حق کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل قریش کو کوہ صفا پر اکٹھا کر کے فرمایا: **"اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے دامن سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو کیا میری تصدیق کرو گے؟"** سب نے یک زبان ہو کر کہا: "کیوں نہیں! آپ کی بات ضرور مانیں گے کیوں کہ ہمیں آج تک آپؐ سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا، ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا پایا ہے"۔ تب نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو یہ پیغام پہنچاؤں، پس یاد رکھو کہ میں نہ تو تمہارے لئے دنیا کے کسی فائدہ پر اختیار رکھتا ہوں، نہ آخرت میں سے کوئی حصہ دلا سکتا ہوں، سوائے اس کے کہ تم کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کر لو۔"**

دعوتِ طعام کے ذریعہ تبلیغ

سامعین! جب رشتہ داروں کو انذار کے بارہ میں ارشاد ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ "ایک دعوت کا انتظام کریں جس میں خاندان بنی مطلب کے تمام افراد بلائے جائیں تاکہ انہیں پیغام حق پہنچایا جائے"۔ حضرت علیؓ نے حسبِ ارشاد دعوت کا انتظام کیا اور خاندان کے کم و بیش چالیس افراد کو دعوت دی، جن میں آپؐ کے سارے چچا، ابو طالب، حمزہؓ، عباسؓ اور ابو لہب بھی شامل تھے۔ کھانے کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات شروع کرنے لگے تو ابو لہب، پہلے بول پڑا اور کہنے لگا: "تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا ہے، اس پر لوگ منتشر ہو گئے"۔ اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس روز اپنا پیغام نہ پہنچا سکے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: **"اب دوبارہ ایک دعوت طعام کا انتظام کرو جس میں چیدہ چیدہ چالیس افراد خاندان ہوں۔"** حسبِ ارشاد دوبارہ دعوت کا انتظام کیا گیا، جب سب نے کھانا کھالیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب میں فرمایا: **"اے عبد المطلب کی اولاد! خدا کی قسم! کوئی عرب نوجوان اپنی قوم کے لئے اس سے اعلیٰ اور شاندار پیغام نہیں لایا جو میں تمہارے پاس لایا ہوں، میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں، مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف بلاؤں، پس تم میں سے کون اس معاملہ میں میرا مددگار ہوگا اور دینی اخوت کا رشتہ میرے ساتھ جوڑے گا"**"۔ سب خاموش تھے کہ حضرت علیؓ اٹھے اور کہا کہ: "اے اللہ کے نبیؐ! میں حاضر ہوں مگر باقی لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے۔"

(تفسیر طبری سورۃ الشعراء زیر آیت و انذر عشیرتك)

اسلام کا پہلا دار التبلیغ دار ارقم

حضرت ارقم بن ارقمؓ نے گیارھویں نمبر پر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کا مکان مکہ میں صفا کی پہاڑی پر تھا۔ مکہ میں آغاز اسلام میں مسلمانوں کے لیے کسی مرکزی ٹھکانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت ارقمؓ نے اپنا یہ گھر پیش کر دیا جسے مسلمانوں کا پہلا مرکز بننے کی سعادت ملی۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عرصہ تک قریش سے مخفی طور پر لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تو اعلانیہ تبلیغ اور عبادت کا سلسلہ شروع ہوا۔

(حاشیہ السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد 1 ص 270 مطبوعہ مصر)

جب عام لوگوں کو دعوتِ حق دینی شروع کی گئی تو کچھ نو عمر اور کمزور لوگ اس پیغام کو قبول کرنے لگے اور یہ تعداد رفتہ رفتہ بڑھنے لگی۔ ابتدائی تبلیغ میں مثبت پیغام حق کی حکمت عملی کے پیش نظر اقرار توحید اور اللہ کی عبادت کے ساتھ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کی تعلیم کی طرف بلایا گیا۔ اس لیے اس پر عام قریش کی طرف سے کوئی خاص مزاحمت نہ ہوتی تھی اور متحدہ مخالفت کا ابھی آغاز نہیں ہوا تھا البتہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی مجالس کے پاس سے گزرتے تو وہ آپؐ کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ عبد المطلب کے اس بیٹے پر آسمان سے کلام آتا ہے۔ اس کے بعد وہ دور شروع ہوا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تبلیغ کے ساتھ بت پرستی سے منع فرمایا اور جن معبودوں کی وہ پرستش کرتے تھے ان کے نقائص اور عیوب کھول کر بیان کرنے شروع کئے تو مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی۔ اس مخالفت کی دوسری بڑی وجہ سرداروں کو اپنی ریاست کا خطرہ اور قبائل قریش کی باہمی رقابت بھی تھی۔ ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کو حق جاننے کے باوجود صرف اس لیے قبول نہ کیا کہ اس طرح بنو ہاشم بنو امیہ پر سبقت لے جائیں گے۔

سردار مکہ ابو جہل کو دعوت اسلام

سامعین! قریبی رشتہ داروں کو دعوت اسلام کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے حکم کے تابع تبلیغ عام بھی شروع فرمادی۔ الٰہی احکامات کے نتیجہ میں آپؐ کا دل بہت مضبوط تھا اور آپؐ نے بڑی دلیری اور بہادری سے یہ فریضہ انجام دیا اور بڑے بڑے سرداروں پر بھی اتمام حجت کر

کے چھوڑی۔ اسی طرح ابو جہل کو بھی انفرادی طور پر تبلیغ کی کوشش کی۔ مغیرہؓ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ: "میری پہلی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن ہوئی جب میں ابو جہل کے ساتھ مکہ کی ایک گلی میں آ رہا تھا کہ ہمارا سامنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل سے کہا: "**اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ، میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں**"۔ ابو جہل کہنے لگا: "اے محمدؐ! کیا تو ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے سے باز آئے گا یا نہیں؟ اگر تم یہ گواہی دیتے ہو کہ تو نے پیغام پہنچا دیا ہے تو ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ تو نے پیغام پہنچا دیا ہے، ورنہ خدا کی قسم! اگر مجھے پتہ چل جائے کہ جو دعویٰ تم کرتے ہو وہ برحق ہے تو پھر بھی میں تمہاری پیروی ہرگز نہ کروں گا۔" یہ سن کر رسول کریمؐ وہاں سے تشریف لے گئے۔

قریش کی متحدہ مخالفت کا آغاز

سامعین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کھل کر تبلیغ شروع کی اور بت پرستی سے منع کیا اور آپؐ کے ساتھ ایک جماعت اکٹھی ہونی شروع ہو گئی تو قریش کو اپنی سرداری خطرے میں نظر آنے لگی اور وہ مشورے کرنے لگے کہ کس طرح اس نئے سلسلہ کو روکا جائے۔ ایک دن ابو جہل نے سرداران قریش کی مجلس میں کہا: "محمد کا معاملہ کچھ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ تم لوگ کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو جادو، کہانت اور شعر کا علم رکھتا ہو اور وہ ہماری طرف سے جا کر اس سے بات کرے اور ہمیں اس کا ردعمل بتائے۔ اس پر ایک سردار، عتبہ کہنے لگا کہ: "میں جادو، کہانت اور شعر سب کے بارہ میں کچھ علم رکھتا ہوں، اگر اس سے متعلق کوئی بات ہے تو میں کافی ہوں۔" چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: "اے محمد! تم ہمارے معبودوں کو کیوں بُرا بھلا کہتے ہو اور ہمارے آباء واجداد کو کیوں گمراہ قرار دیتے ہو؟ اگر آپ سرداری کے خواہاں ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں، اگر کہیں شادی کا ارادہ ہے تو قریش کے جس گھرانہ سے کہو بیاہ کر دینے کو تیار ہیں، اگر مال چاہیے تو اتنا مال جمع کر کے دیتے ہیں کہ آپ اور آپ کی اولاد بھی ہمیشہ کے لیے محتاجی سے محفوظ ہو جائے۔

رسول کریمؐ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے، جب وہ سب کچھ کہہ چکا تو آپؐ نے سورۃ حم السجدہ کی تلاوت فرمائی، جس کے آغاز میں ذکر ہے کہ یہ رحمٰن و رحیم خدا کی طرف سے اترنے والا کلام ہے۔ جب

آپؐ اس آیت پر پہنچے اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (حم السجدہ:14) کہ میں نے تم کو اس عذاب سے، جو عاد اور ثمود کا سا عذاب ہے، ہوشیار کرتا ہوں۔ عتبہ نے آپؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا: ''رحمان خدا کا واسطہ ہے آپؐ مجھے اور نہ ڈرائیں۔'' عتبہ اس کلام کی فصاحت و بلاغت سے ایسا مرعوب اور خوفزدہ ہوا کہ وہ واپس سرداروں کے پاس نہیں گیا۔ دیر ہو جانے پر ابو جہل کہنے لگا کہ: ''لگتا ہے عتبہ محمد کی طرف مائل ہو گیا ہے۔'' بعد میں جب ابو جہل نے اس سے اس بارہ میں پوچھا تو عتبہ نے اسے سارا واقعہ سنا کر کہا: ''تمہیں پتہ ہے محمد جب کوئی بات کہہ دے تو وہ کبھی جھوٹی نہیں ہوتی، میں ڈرتا ہوں کہ وہ عذاب جس سے وہ ڈراتا ہے تم پر آ ہی نہ جائے۔''

(السیرۃ النبویہ لابن ھشام جلد 1 صفحہ 314 مطبوعہ مصر السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 3030 بیروت)

مخالفت کے ذریعہ تبلیغ

سامعین! الٰہی سلسلوں کی مخالفت بھی ایسے ہی ہے جیسے کھیتی کے لیے کھاد۔ مشرکین مکہ کی مخالفت بڑھنے لگی اور یوں مکہ کے گردونواح میں اسلام کی تبلیغ پہنچنا شروع ہوئی۔ قبیلہ ازدشنوءہ کے سردار ضماد بیماروں کا علاج جھاڑ پھونک اور دم سے کیا کرتا تھا۔ جب وہ مکہ آیا تو اس نے بعض مخالفینِ اسلام کو کہتے سنا کہ: ''محمد دیوانہ اور مجنون ہے''۔ ضماد نیک طبع انسان تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ میں اس شخص سے ملتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر ہی اسے جنون کی بیماری سے شفاء عطا فرما دے۔ ضماد خود بیان کرتے ہیں کہ ''میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اے محمد! میں دم سے بیماروں کا علاج کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر جسے چاہے شفاء عطا فرماتا ہے، کیا آپ مجھ سے علاج کروانا پسند کریں گے؟'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمانے سے قبل حسبِ عادت مسنون خطبہ کے تمہیدی کلمات ہی پڑھے تھے کہ انہی کلمات نے ضماد کے دل پر گہرا اثر کیا۔ اس نے آپؐ سے کہا کہ دوبارہ یہ کلمات مجھے سنائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پڑھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلِ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی حمد کرتے اور اس سے مدد کے طالب ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی

معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضماد کی خواہش پر یہ کلمات تین بار اسے سنائے۔ ضماد بظاہر ایک بدوی تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے فراست عطا کی تھی، جس پیغام کو مکہ کے ابوالحکم نے تکبر کی راہ سے رد کر دیا، ضماد نے وہ پاکیزہ کلمات سنتے ہی بے ساختہ عرض کیا: میں نے بڑے بڑے کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی مجالس دیکھی اور سنی ہیں مگر آج تک ایسے خوبصورت کلمات کہیں نہیں سنے، جن کا اثر سمندر کی گہرائی تک ہے۔ آپؐ ہاتھ بڑھائیں میں اسلام پر آپؐ کی بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ ضمادؓ، جو حکیم اور معالج بن کر آیا تھا، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے روحانی شفاء عطا فرمائی اور حضرت ضماد رضی اللہ عنہ بن گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا بااثر اور سمجھدار سردار ہے۔ آپؐ نے اس کی بیعت لیتے ہوئے فرمایا کہ: **”آپ اپنی قوم کی طرف سے بھی ان کی نمائندگی میں بیعت کرتے ہو کہ انہیں بھی اسلام کی تعلیم پر کاربند کرو گے۔“**

(مسلم کتاب الضعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ)

سامعین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی خبر مخالفت کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ مکہ کے ارد گرد کے قبائل میں پہنچنے لگی تھی۔ شریف اور سعادتمند لوگ آپؐ کی دعوت پر توجہ دینے لگے۔ انہیں میں سے ایک سردار اکثم بن صیفی تھے، جنہوں نے دعویٰ کی اطلاع سن کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا، مگر ان کی قوم نے اسے روک دیا۔ تب انہوں نے اپنے نمائندے حضورؐ کی خدمت میں بھجوائے، جنہوں نے آکر آپؐ کے دعویٰ کی بابت پوچھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں“**، پھر ”انہیں آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (سورۃ النحل: 91) پڑھ کر سنائی، جو اسلام کی پاکیزہ تعلیم عدل و احسان پر مشتمل ہے۔“ ان لوگوں نے یہ آیت بار بار سن کر یاد کر لی۔ واپس جا کر اکثم کو آپؐ کی پاکیزہ تعلیم کے بارہ میں بتایا، جسے سن کر اکثم کہنے لگا: اے میری قوم! یہ شخص نہایت اعلیٰ درجے کے اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور بُری باتوں سے روکتا ہے، پس تم اسے ماننے میں پہل کرو، کہیں پیچھے نہ رہ جاؤ۔ چنانچہ سردار اکثم اپنے ایک سو افراد کو ساتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

ملاقات کے لیے روانہ ہوا، راستہ میں اس کی وفات ہو گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وصیت کی اور انہیں گواہ ٹھہرایا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے۔

(الوفاء بالاحوال المصطفیٰ ابن جوزی صفحہ 193 بیروت)

سردار قبیلہ دوس کا قبول اسلام

دوس کے سردار طفیل بن عمرو تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بالواسطہ تبلیغ کی بجائے قریش کی مخالفت کے نتیجے میں اسلام قبول کرنے کی سعادت پائی۔ طفیل بن عمرو ایک معزز انسان اور عقلمند شاعر تھے۔ جب وہ مکہ آئے تو قریش کے بعض لوگوں نے ان سے کہا: آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں، اس شخص (محمدؐ) نے عجیب فتنہ برپا کر رکھا ہے، اس نے ہماری جمیعت کو منتشر کر دیا ہے، وہ بڑا جادو بیان ہے، باپ بیٹے، بھائی بھائی اور میاں بیوی کے درمیان اس نے جدائی ڈال دی ہے۔ ہمارے ساتھ جو بیت رہی ہے، وہی خطرہ ہمیں تمہاری قوم کے بارہ میں بھی ہے۔ پس ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اُس شخص سے ہوشیار رہنا اور اس کا کلام تک نہ سننا۔ طفیل کہتے ہیں کہ: کفار مکہ نے مجھے اتنی تاکید کی کہ میں نے عزم کر لیا کہ اس شخص کی کوئی بات سنوں گا نہ اس سے کلام کروں گا، یہاں تک کہ بیت اللہ جاتے ہوئے میں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی تا کہ غیر ارادی طور پر اس شخص کی کوئی بات میرے کان میں نہ پڑ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، میں ان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ آپ کی تلاوت کے چند الفاظ کے سوا میں کچھ بھی نہ سن سکا، مگر جو سنا وہ مجھے اچھا کلام محسوس ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: میرا برا ہوا، میں ایک دانا شاعر ہوں، بُرے بھلے کو خوب جانتا ہوں، آخر اس شخص کی کوئی بات سننے میں حرج کیا ہے؟ اگر تو اچھی بات ہو گی تو میں اسے قبول کر لوں گا اور اگر بُری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ کچھ دیر انتظار کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے تو میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے کہا: اے محمد! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ یہ کہا ہے، خدا کی قسم! انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں اتنا ڈرایا کہ میں نے روئی اپنے کانوں میں ٹھونس لی تا کہ آپ کی بات نہ سن سکوں، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا کچھ کلام سنا دیا اور جو میں نے سنا وہ عمدہ کلام ہے، آپ خود مجھے اپنے دعویٰ کے بارہ میں کچھ بتائیں۔ نبی کریمؐ نے مجھے اسلام کے بارہ میں بتایا اور قرآن شریف بھی پڑھ کر سنایا۔ خدا کی

قسم! میں نے اس سے خوبصورت کلام اور اس سے زیادہ صاف اور سیدھی بات کوئی نہیں دیکھی۔ چنانچہ میں نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی گواہی دی اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم کا سردار ہوں اور لوگ میری بات مانتے ہیں۔ میرا ارداہ واپس جاکر اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلانے کا ہے۔ آپؐ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کے مقابل کوئی تائیدی نشان عطا کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت دعا کی کہ: "**اے اللہ! اسے کوئی نشان عطا کر**" پھر میں اپنی قوم کی طرف لوٹا۔ جب میں اس گھاٹی پر پہنچا جہاں سے آبادی کا آغاز ہوتا ہے تو میری آنکھوں کے درمیان پیشانی پر ایک چراغ جیسی روشنی محسوس ہونے لگی۔ میں نے دعا کی کہ: "اے اللہ! یہ نشان میرے چہرے کے علاوہ کہیں اور ظاہر فرما دے۔ کہیں یہ لوگ الٹا یہ اعتراض نہ کریں کہ اپنے دین کو چھوڑنے کی وجہ سے اس کا چہرہ مسخ ہو گیا ہے۔" چنانچہ روشنی کا نشان میری چھڑی کے سرے پر ظاہر ہو گیا۔ جب میں گھاٹی سے اتر رہا تھا تو لوگ میری اس روشنی کو میری چھڑی پر ایک لٹکتے چراغ کی طرح دیکھ رہے تھے۔ اگلے دن میرے بوڑھے والد مجھے ملنے آئے تو میں نے کہا: "ابا جان!" "میں تو اسلام قبول کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر چکا ہوں" والد صاحب کہنے لگے: "پھر میرا بھی وہی دین ہے جو تمہارا ہے۔" میں نے کہا: "آپ جاکر پہلے غسل کر کے صاف کپڑے پہن کر تشریف لائیں تاکہ میں آپ کو اسلامی تعلیم کے بارہ میں بتاؤں"۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر میں نے انہیں اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر میری بیوی نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد میں نے اپنے قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف دعوت دی، مگر انہوں نے میری دعوت پر توجہ نہ دی۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: "اے اللہ کے نبی! قبیلہ دوس کے لوگ اسلام قبول نہیں کرتے، آپؐ ان کے خلاف بد دعا کریں۔"

نبی کریمؐ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی کہ: "**اے اللہ! دوس قبیلہ کو ہدایت عطا فرما**" اور مجھے ہدایت فرمائی کہ: "**آپ جاکر اپنی قوم کو نرمی اور پیار سے اسلام کی طرف دعوت دو اور ان سے حسن سلوک کرو**"۔ چنانچہ میں اس طرح انہیں اسلام کی دعوت کرتا رہا، یہاں تک کہ نبی کریمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے۔ بدر، احد اور خندق کے غزوات کے بعد غزوہ خیبر کے موقع پر میں اپنی قوم میں سے

مسلمان ہونے والوں کو مدینہ لے کر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرم فرمایا کہ دوس قبیلہ کے ستر اسی گھرانے مدینہ میں آباد ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد 5 صفحہ 361 بیروت)

یَنۡصُرُكَ رِجَالٌ نُوحِیۡ اِلَیۡهِمۡ مِنَ السَّمَاۗءِ

سامعین! مخالفت شروع ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں آہ وزاری اور نصرت طلب کرنا طبعی امر تھا۔ آپؐ دن رات خدا کے حضور اپنی قوم کی ہدایت کی دعائیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سعید روحوں کے دلوں میں الہام کر کے آپؐ کے حق میں تحریک پیدا کی اور انہیں اسلام کی حقانیت کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ خالد بن سعیدؓ کا قبول اسلام اس کی ایک مثال ہے، جو ایک رؤیا کے ذریعہ اپنے بھائیوں میں سے سب پہلے مسلمان ہوئے۔ خالدؓ نے خواب میں دیکھا کہ ”انہیں آگ کے ایک گڑھے کے کنارے کھڑا کیا گیا ہے جو بہت وسیع ہے اور اس کا والد ان کو اس گڑھے میں دھکا دے کر گرانے کی کوشش کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کمر کے پٹکے سے پکڑ کر پیچھے ہٹا لیتے ہیں“۔ وہ اپنے اس خواب سے بہت ڈر گئے اور کہنے لگے کہ ”میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سچی خواب ہے۔“ وہ ابو بکرؓ سے ملے تو ان سے اس خواب کا ذکر کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ”یہ تو بہت نیک اور مبارک خواب ہے، تعبیر یہ ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اسلام قبول کر لو گے، تمہاری خواب سے لگتا ہے کہ تم ضرور ایسا کرو گے، اسلام تمہیں آگ کے گڑھے سے بچا لے گا مگر تمہارا باپ اسی گڑھے میں جا پڑے گا۔“ اس طرح خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

(مسند احمد جلد 1 صفحہ 379 مطبوعہ بیروت)

قریش کے وفود کی آمد

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلانیہ تبلیغ کے مثبت اثرات دیکھ کر قریش کے بعض شرفاء ابو طالب سے ملے اور کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے دین کو قابل اعتراض، ہمیں بے عقل اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ قرار دیا ہے۔ یا تو اسے ان باتوں سے روکیں یا اس کا ساتھ چھوڑ دیں تا کہ ہم خود اس سے نبٹ لیں۔ ابو طالب نے ان سے نرمی سے بات کی اور انہیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

قریش کا دوسرا وفد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام جاری رکھا یہاں تک کہ قریش میں آپؐ کا زیادہ چرچا ہونے لگا۔ قریش کا دوسرا وفد ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ ہمارے بزرگ اور قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے اپنے بھتیجے کو روکنے کے لیے کہا مگر آپ نے ہماری بات نہیں مانی۔ اب ہم اس حالت پر صبر نہیں کر سکتے۔ آپ یا تو اسے اپنے دین کی تبلیغ اور ہمارے معبودوں کی مخالفت سے روکیں یا پھر ہم آپ کے ساتھ اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک کہ ایک فریق ہلاک ہو جائے۔

ابو طالب کے لیے اب نہایت نازک موقع تھا اور وہ سخت ڈر گئے۔ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ جب آپؐ آئے تو ان سے کہا کہ: ”اے میرے بھتیجے! اب تیری باتوں کی وجہ سے قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھے ہلاک کر دیں اور ساتھ ہی مجھے بھی۔ میں تجھے خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ اس کام سے باز آ جاؤ، ورنہ میں تمام قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ اب ابو طالب کا پائے ثبات بھی لغزش میں ہے اور دنیاوی اسباب میں سب سے بڑا سہارا مخالفت کے بوجھ کے نیچے دب کر ٹوٹا چاہتا ہے، مگر آپؐ کے ماتھے پر بل تک نہ تھا، آپؐ نے نہایت اطمینان سے فرمایا:

”چچا! یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو وہ کام ہے جس کے واسطے میں بھیجا گیا ہوں کہ لوگوں کی خرابیاں ان پر ظاہر کر کے انہیں سیدھے راستے کی طرف بلاؤں اور اگر اس راہ میں مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اس راہ میں وقف ہے اور میں موت کے ڈر سے اظہارِ حق سے رک نہیں سکتا اور اے چچا! اگر آپ کو اپنی کمزوری اور تکلیف کا خیال ہے تو آپ بے شک مجھے اپنی پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہو جائیں، مگر میں احکامِ الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکوں گا اور **خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں، تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں رہوں گا اور میں اپنے کام میں لگا رہوں گا حتیٰ کہ خدا اسے پورا کرے یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔**“

اس وقت ابو طالب نے بڑی رقت کی آواز میں آپؐ سے مخاطب ہو کر کہا: اے بھتیجے! جا اور اپنے کام میں لگا رہ، جب تک میں زندہ ہوں اور جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دوں گا۔ چنانچہ ابو طالب نے آخری سانسوں تک آپؐ کا ساتھ دیا۔

(السیرۃ النبویہ ابن حشام جلد 1 صفحہ 278 مطبوعہ مصر)

تکالیف کی انتہا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کی راہ میں بہت دکھ اور اذیتیں اٹھائیں۔ ایک دفعہ آپؐ گھر سے نکلے، راستہ میں جو بھی آپؐ کو ملا، خواہ وہ کوئی آزاد تھا یا غلام، اس نے آپؐ کی تکذیب کی اور جھٹلایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس لوٹ آئے اور جو تکلیف آپؐ کو پہنچی تھی اس کی وجہ سے کمبل اوڑھ کر بیٹھ رہے کہ وحی الٰہی ہوئی: **"اے کمبل اوڑھے ہوئے! کھڑے ہو جاؤ اور انذار کرتے چلے جاؤ۔"**

(السیرۃ النبویہ ابن حشام جلد 1 صفحہ 310 مطبوعہ مصر)

ممالک بیرون میں دعوت الی اللہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ عام کے بعد سے آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کے لئے مکہ میں ایک طوفان بد تمیزی برپا ہو چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر ابو طالب کی وجہ سے بھی کسی قدر امن حاصل تھا مگر دیگر عام مسلمانوں کی قبولِ اسلام کے باعث سخت تکالیف دیکھ کر اور ان کی مدد کی طاقت نہ پا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سخت مغموم ہوتے تھے۔ سوچ بچار کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ پڑوسی ملک حبشہ میں جا کر پناہ لیں، جہاں عیسائی بادشاہ بہت عادل ہے اور کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ مسلمانوں کے مرد و زن پر مشتمل دو وفود، پہلے 12 اور پھر 80 اصحابؓ حبشہ ہجرت کر گئے۔ قریش نے وہاں بھی مسلمانوں کا تعاقب جاری رکھا اور نجاشی اور اس کے سرداروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ عادل نجاشی بادشاہ نے اپنے دربار میں مسلمانوں کو بلا کر ان کا موقف سنا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر سورہ مریم کی تلاوت کر کے اسلام کی تعلیم پیش کی۔ بادشاہ پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور وہ بھی بالآخر مسلمان ہو گیا۔

(مسند احمد بن جنبل جلد 5 صفحہ 229 مطبوعہ بیروت)

مکہ میں مظلومیت کا پہلا پھل..... حضرت حمزہؓ

معزز سامعین! خدا کی راہ میں ان تکالیف اور اذیتوں کے نتیجہ میں شرفاء میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہمدردی اور نرم گوشہ پیدا ہونا ایک طبعی بات تھی۔ حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام بھی تو مظلومیت پر صبر کا ایک میٹھا پھل تھا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ابوجہل کوہ صفا کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپؐ کو اذیت پہنچائی، گالیاں دیں، آپؐ کے دین پر نامناسب اور مکروہ حملے کئے اور کمزوری کے طعنے دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت صبر اور خاموشی سے سنتے رہے۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی اپنے گھر میں یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ ابوجہل وہاں سے خانہ کعبہ جا کر سردارانِ قریش کی مجلس میں بیٹھ گیا۔ ادھر حمزہ کمان لئے شکار سے واپس لوٹے۔ ان کا دستور تھا کہ شکار سے واپس آکر گھر جانے سے قبل پہلے طواف کرتے تھے۔ اس دوران سردارانِ قریش سے دعا سلام کرنا بھی آپ کا معمول تھا۔ آپ خود معزز سرداروں میں سے تھے۔ جب آپ اس لونڈی کے پاس سے گزرے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ اس لونڈی کے دل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلومیت کا گہرا اثر تھا، جس کا اظہار اس نے حضرت حمزہ سے یہ کہہ کر کیا کہ: اے ابوعمارا! آپ کے بھتیجے کو ابھی تھوڑی دیر پہلے ابو لحکم (ابوجہل) نے جو اذیت پہنچائی ہے، کاش! آپ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں بیٹھے دیکھا تو آپ کو سخت دکھ دیا اور گالیاں دیتے ہوئے بُری اور ناپسندیدہ باتیں کیں، مگر محمدؐ خاموشی سے چلے گئے اور آگے سے کوئی جواب تک نہیں دیا۔

حضرت حمزہ کی طبعی سعادت نے جوش مارا۔ وہ طیش میں آکر خانہ کعبہ کی مجلس میں گئے، جہاں ابوجہل بیٹھا تھا اور اُس سے جوش میں آکر کہا کہ: کیا تم میرے بھتیجے کو گالیاں دیتے ہو؟ تمہیں پتہ ہے کہ میں بھی اس کے دین پر ہوں، اگر طاقت ہے تو آؤ اور میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ تب ابوجہل کے قبیلہ مخزوم کے کچھ لوگ اس کی مدد کے لیے کھڑے ہوئے مگر ابوجہل نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ واقعی میں نے ہی اس کے بھتیجے کو سخت بُری گالیاں دی تھیں، تم لوگ اسے کچھ نہ کہو۔ ادھر حمزہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کے بعد قریش نے محسوس کیا کہ

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ مضبوط ہو گیا ہے اور حمزہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کریں گے۔ چنانچہ قریش کی ایذارسانیوں میں کچھ کمی واقع ہو گئی۔

(السیرۃ النبویہ ابن حشام جلد 2 صفحہ 34 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

معاندین اسلام کے لیے دعا کا حربہ

سامعین! دعوت الی اللہ کا پہلا اور آخری حربہ تو دعا ہی ہے۔ آغازِ اسلام میں سرداران قریش کی سخت مخالفت دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال حکمت اور دانشمندی سے مکہ کے دو طاقتور اور بہادر سرداروں کے قبول اسلام کے لئے بطور خاص دعا کی طرف توجہ ہوئی تاکہ ان کے قبول اسلام سے کفر کی طاقت ٹوٹے اور اسلام مضبوط ہو۔ آپؐ نے دعا کی کہ: ”**اے اللہ! ان دو اشخاص، عمرو بن ہشام اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کے ساتھ، جو تجھے پسند ہو، اسلام کو عزت اور قوت نصیب فرما۔**“

(ترمذی ابواب المناقب مناقب عمر)

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی یہ دعا قبول فرمالی اور حضرت عمرؓ کو قبولِ اسلام کی سعادت عطا ہوئی۔ حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام بھی مسلمانوں کی مظلومیت کی برکت تھی۔ ہجرتِ حبشہ مسلمانوں کے لیے شرفاءِ مکہ کے دل میں نرم گوشہ پیدا کرنے کا باعث ہوئی تھی۔ عمر بن خطاب اگرچہ آغاز میں اسلام کے ان شدید معاندین میں سے تھے، جو مسلمانوں پر مظالم ڈھاتے تھے، لیکن ایک قریشی گھرانے کو ہجرتِ حبشہ کے لیے رختِ سفر باندھے دیکھ کر ان کا دل بھی بھر آیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی اپنی ایک روایت کے مطابق قبول اسلام سے پہلے ایک اور موقع پر انہوں نے رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز میں قرآن کریم پڑھتے سنا تو دل پسیج گیا۔ یہ سب عوامل حضرت عمرؓ کے حق میں دعا کا نتیجہ تھے۔

حضرت عمرؓ سے پہلے ان کی بہن، فاطمہؓ اور بہنوئی سعید بن زیدؓ اسلام قبول کر چکے تھے، مگر عمر کی جابرانہ طبع کے باعث ابھی اس کا اعلان نہیں کیا تھا۔ ایک دن عمر بن خطاب گھر سے تلوار سونتے نکلے، راستہ میں اپنی قوم کے ایک شخص نعیم سے ملے، جو مخفی طور پر اسلام قبول کر چکا تھا۔ عمر نے اسے بتایا کہ وہ محمد کے قتل کے ارادہ سے نکلے ہیں، تاکہ اس نئے دین کے فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ نعیم نے کہا کہ: ”تمہارا کیا خیال ہے اگر تم محمدؐ کو قتل کر دو گے تو اس کا قبیلہ تمہیں چھوڑ دے گا؟ دوسرے پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو،

تمہارا بہنوئی اور بہن مسلمان ہو چکے ہیں۔ عمر سیدھے بہن کے گھر پہنچے تو قرآن کے پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ حضرت خبابؓ وہاں قرآن پڑھ رہے تھے، جو عمر کو دیکھ کر چھپ گئے۔ عمر نے پوچھا کہ ''یہ آواز کیسی تھی؟ پھر کہا کہ: ''مجھے پتہ چلا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو'' یہ کہہ کر انہوں نے سعید بن زیدؓ کو پکڑ لیا۔ بہن اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے اٹھیں تو عمر نے ان کو بھی مارا جس سے آپ کو زخم آئے۔ تب دونوں نے حضرت عمرؓ سے صاف صاف کہہ دیا کہ: ''وہ مسلمان ہو چکے ہیں، آپ جو چاہو کر لو'' عمر پہلے ہی بہن کو خون آلودہ دیکھ کر نادم ہو رہے تھے، کہنے لگے: ''اچھا! جو تم پڑھ رہے تھے، مجھے دکھاؤ تو سہی'' بہن نے کہا: ''یہ پاک کلام ہے، آپ پہلے نہا کر صاف ہو جائیں۔'' حضرت عمرؓ نے غسل کے بعد سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھیں تو بے اختیار کہہ اٹھے: ''کتنا خوبصورت اور قابل عزت یہ کلام ہے۔'' حضرت خبابؓ یہ سن کر باہر نکل آئے اور کہنے لگے کہ: ''اے عمر! مجھے لگتا ہے کہ خدا نے آپ کو اپنے نبیؐ کی دعا کے لیے خاص کر لیا ہے، کل ہی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کرتے سنا ہے کہ ''**اے اللہ! اسلام کی تائید عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ فرما**''، پس اے عمر! اللہ سے ڈرو''۔ عمرؓ نے کہا کہ: ''مجھے محمد کا پتہ دو تا کہ میں اسلام قبول کروں۔'' حضرت خبابؓ نے بتایا کہ: ''حضورؐ صفا میں ہیں۔'' عمر وہی تلوار لیے سیدھے ''دارارقم'' پہنچے اور جا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک صحابیؓ نے دروازے کے سوراخ سے حضرت عمرؓ کو تلوار سے مسلح دیکھا اور گھبرا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ حضرت حمزہؓ نے کہا: ''آنے دو، اگر اس کا ارادہ نیک ہے تو ٹھیک، ورنہ نپٹ لیں گے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو دامن سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور فرمایا: ''**عمر کیسے آئے ہو؟**'' حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں''۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند کیا جس پر صحابہؓ نے بھی زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس سے مکہ کی یہ وادی گونج اٹھی۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام مطبوعہ بیروت)

تبلیغ کی راہ میں مصائب

مکہ میں تبلیغ عام کے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو جو تکالیف اور اذیتیں برداشت کرنا پڑیں، وہ ایک دردناک اور المناک باب ہے۔ اس دور کے صحابہؓ، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے بھی وہ کربناک یادیں بہت کم بیان کی ہیں۔ آپؐ خود فرماتے تھے:"خدا کی راہ میں مجھے اتنی ایذا پہنچائی گئی کہ کبھی کسی کو اتنی ایذا نہیں دی گئی اور مجھے اللہ کی راہ میں اتناڈرایا گیا کہ کبھی کسی شخص کو اتنا خوفزدہ نہیں کیا گیا، میرے پر تین تین دن اور راتیں ایسی آئیں کہ میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز موجود نہ ہوتی تھی، جسے کوئی ذی روح کھا سکے، سوائے معمولی کھانے یا کھجوروں کے، جو بلال اپنی بغلوں میں دبائے پھرتا تھا۔"

(مسند احمد جلد 3 صفحہ 120 مطبوعہ بیروت)

مسلمانوں کا مکمل بائیکاٹ

سامعین! ہجرت حبشہ کے بعد جب قریش نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پاؤں حبشہ میں جم گئے ہیں اور شاہِ حبشہ نے انہیں پناہ دے دی ہے، ادھر مکہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ، جیسے جرأت مند سردار، اسلام کی آغوش میں آ چکے ہیں۔ اسلام پھیل رہا ہے اور ابو طالب اور ان کا قبیلہ بھی محمد کا حامی ہے۔ تب انہوں نے متحدہ مخالفت کا آغاز کیا اور محرم 7 سالِ نبوت میں مسلمانوں کے خلاف مکمل بائیکاٹ کرنے کا معاہدہ کر کے انہیں ایک گھاٹی میں محصور کر دیا۔ مسلمانوں کے حامی بنو ہاشم اور بنو مطلب کے اکثر افراد، خواہ مسلمان تھے یا کافر، وہ بھی ساتھ محصور ہو گئے۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ جب تک محمد کو ہمارے حوالہ نہ کیا جائے، مسلمانوں اور ان کے حامیوں کے شادی بیاہ ہو، نہ خرید و فروخت، حتیٰ کہ ان کے ساتھ لین دین اور میل ملاپ بھی بند کر کے مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ بغرض توثیق یہ معاہدہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 386)

بیرونی تجارتی قافلوں سے تبلیغی رابطے

سامعین! اسیری کے ان ایام میں رابطے کا ایک ذریعہ بیرونی تجارتی قافلے تھے جو اہل مکہ کی پابندی سے آزاد تھے۔ مسلمان ان سے کچھ ضرورت کی چیزیں خرید لیا کرتے تھے، اس طرح ان سے رابطہ تبلیغ کا ذریعہ بھی بن جاتا تھا۔ بعض مشرک سرداران قافلوں کو تجارت سے تو منع نہ کر سکتے تھے، البتہ ان کے دام بڑھانے کی کوشش ضرور کرتے تھے تاکہ مہنگائی کے نتیجہ میں مسلمان مزید مشکل میں پڑیں۔ چنانچہ ابولہب تاجروں کو کہتا تھا کہ محمد کے ساتھیوں کے لیے چیزیں اتنی مہنگی کر دو کہ وہ تمہاری کوئی چیز بھی خرید

نہ سکیں، اس پر وہ قیمتیں کئی گنا بڑھا دیتے تھے اور ابو لہب انہیں زیادہ منافع دے کر ان کا سارا مال خود خرید لیتا تھا۔

تبلیغی رابطوں کے لئے حج کا موقع

محصوری کے اس زمانہ میں مسلمانوں کے لیے رابطہ کا ایک موقع حج کا تھا۔ عربوں کے رواج کے مطابق حج سے کسی کو روکا نہیں جاتا تھا، اس لیے حج کے موسم میں مسلمان آزادانہ گھاٹی سے باہر نکلتے اور حج کی رسومات ادا کرتے۔ باہر سے آنے والوں سے رابطے بھی کرتے، جن میں مسلمانوں کی مظلومیت کا حال سن کر لازماً ہمدردی پیدا ہوتی۔ اس لحاظ سے شعب ابی طالب کا زمانہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے نتیجہ میں دشمنانِ اسلام کے نت نئے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت اور بچاؤ کے ساتھ ان کی تبلیغی کاوشوں کو مخصوص کرنے، نیز تربیت پر ان کی توجہات مرکوز کرنے کا زمانہ بن گیا۔ پختہ مسلمانوں کے صبر واستقامت کا بھی امتحان ہوا اور وہ اس میں کامیاب ٹھہرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین مخاطب تو ساری عرب قوم تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ کی بستی میں مبعوث فرمایا، جو ام القریٰ، یعنی تمام بستیوں کا مرکز تھی، جہاں سارے عرب سے دینِ ابراہیمی سے نسبت رکھنے والے لوگ حج و عمرہ کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قبائل کے لوگوں کے پاس تشریف لے جاتے اور انہیں پیغام حق پہنچاتے۔

مختلف مقامات میں منعقد میلوں پر تبلیغ

ایام حج کے بعد مکہ کے نواح میں "عکاظ"، "ذوالمجاز" اور "مجنہ" مقامات پر میلے لگا کرتے تھے، جہاں تجارت اور خرید و فروخت ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی دھن سوار تھی کہ شاید کوئی سعید روح یہاں مل جائے اور پیغام خداوندی پہنچانے کے لیے کوئی راہ نکلے۔ چنانچہ آپؐ ان میلوں پر پیغام حق پہنچاتے۔ ہر چند کہ اس راہ میں روکیں پیدا کی جاتیں اور آپؐ کو اذیتیں دی جاتیں مگر آپؐ یہ فریضہ ادا کرنے سے کبھی تھکے نہ ماندہ ہوئے۔ ربیعہ بن عبادؓ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالمجاز کے میلے میں دیکھا۔ آپؐ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ **"کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو نجات پا جاؤ گے۔ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک**

نہ ٹھہراؤ اور میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ ''آپؐ بازار کی گلی گلی میں جا کر منادی کرتے۔ لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑتے تھے مگر کوئی مثبت جواب نہ دیتا تھا، لیکن آپؐ کمال استقامت کے ساتھ مسلسل اپنی بات دہراتے جاتے تھے۔ آپؐ کے پیچھے پیچھے لمبے بالوں والا سفید رنگ کا ایک شخص تھا جس کی ایک آنکھ بھینگی تھی۔ وہ کہتا تھا: ''اے لوگو! یہ شخص تم سے لات و عزیٰ کو چھڑوانا چاہتا ہے، یہ صابی (بے دین) اور جھوٹا ہے۔''

سامعین! ''ذوالمجاز'' میلے کا ایک اور نظارہ ابو طارقؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذوالمجاز میں دیکھا۔ آپؐ سرخ قبا پہنے توحید کی منادی کر رہے تھے۔ ایک شخص آپؐ کے پیچھے پیچھے پتھر برساتا جاتا تھا جس سے آپؐ کی پنڈلیاں اور ٹخنے زخمی ہو رہے تھے، وہ کہتا تھا: 'اے لوگو! اس کی بات کبھی نہ ماننا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 2 بیروت)

تیسرا دردناک نظارہ اشعث بن سلمؓ نے کنانہ کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ ''ذوالمجاز کے میلے میں اس نے رسول اللہؐ کی تبلیغ حق کے دوران ابوجہل کو آپؐ کا پیچھا کرتے دیکھا، وہ آپؐ پر خاک اڑاتا جاتا اور کہتا تھا: ''اے لوگو! کہیں یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے بہکا نہ دے، یہ تو چاہتا ہے کہ تم لات و عزیٰ کا دین ترک کر دو۔''

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 371 بیروت)

سفر طائف میں تبلیغ

معزز سامعین! تبلیغ حق کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تکالیف میں سے طائف کے اس اذیت ناک دن کے تذکرے کے بغیر تبلیغی مہمات مکمل نہیں ہوتیں۔ وہی دن، جسے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا سخت ترین دن قرار دیا ہے۔ 10 سالِ نبوت میں شعب ابی طالب کی قید کا زمانہ ختم ہوا۔ اس کی سختیوں کی تاب نہ لا کر یکے بعد دیگرے ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات ہو گئی، جس کے بعد اہل مکہ کی مخالفت نے زور پکڑ لیا۔ ان کے انکار بالاصرار سے تنگ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال شوال کے مہینہ میں تبلیغ کی خاطر طائف کا سفر اختیار فرمایا۔ زید بن حارثہؓ اس سفر میں

آپؐ کے ساتھ شریک تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً دس روز وہاں قیام فرمایا اور طائف کے امراء وشرفاء تک پہنچ کر حق پہنچانے کی سعی فرمائی۔

(الطبقات الکبریٰ الابن سعد جلد 1 صفحہ 212 بیروت)

طائف مکہ سے جنوب مشرق میں چالیس میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی پُر فضا مقام ہے، جو امراء ورؤساء کی آماجگاہ تھا۔ طائف میں دیگر امراء کے علاوہ قبیلہ ثقیف کے تین سردار خاص طور پر قابل ذکر ہیں: یہ تینوں بھائی کنانہ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیالی رشتہ بھی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس جا کر انہیں بھی دعوت اسلام دی مگر مخالفت کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد 2 صفحہ 60-62 السیرۃ الحلبیہ از علامہ علی بن برھان جلد 1 صفحہ 354)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر اہل طائف کو پیغام حق پہنچانا چاہا تو اس پر بھی سرداران ثقیف کو اعتراض ہوا۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں ہمارے نوجوان بہک نہ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف سے نکل جانے کا حکم سنایا اور ان بدبختوں نے اپنے حکم کی تعمیل کے لیے بعض غلاموں، لونڈوں اور بے وقوف بازاری لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا، جو گالیاں دینے اور آپؐ پر آوازیں کسنے لگے۔ ایک بڑا مجمع آپؐ کے خلاف ہو گیا۔ یہ لوگ راستہ میں دو قطاروں میں کھڑے ہو کر آپؐ پر پتھر برسانے لگے۔ پتھروں کی اس بارش کی تاب نہ لا کر کبھی آپؐ بیٹھنے لگتے تو وہ ظالم بازوؤں سے پکڑ کر آپؐ کو کھڑا کر دیتے اور پھر پتھر پھینکتے اور ہنسی اڑاتے۔ حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈھال بن کر آپؐ کو پتھروں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے مگر ایک بپھرے ہوئے ہجوم کے سامنے بے چارے تنہا زید کیا کر سکتے تھے۔ مسلسل کئی میل تک اس ہجوم نے آپؐ کا تعاقب کر کے آپؐ پر پتھراؤ کیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں اور جوتے خون سے لت پت ہو گئے اور زید کے سر میں بھی شدید زخم آئے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 354)

ہجوم تب واپس لوٹا جب آپؐ نے عتبہ اور شیبہ، سرداران مکہ، کے انگوروں کے باغ میں پناہ لی۔ بدبخت قوم ثقیف سے زخمی اور خون آلود ہو کر بھی ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و رضا کی شان دیکھنے والی تھی۔ آپؐ نے انگوروں کی بیلوں کے سایہ میں آکر دو رکعت نماز ادا کی اور اپنے رب سے کچھ مناجات اور آہ و زاری کی۔ جب عقبہ اور شیبہ کے عیسائی غلام عداس نے حاضر ہو کر آپؐ کی خدمت میں انگوروں کے خوشے پیش کیے تو حضورؐ بسم اللہ پڑھ کر انگور کھانے لگے۔ نصرانی غلام "عداس" نے تعجب سے آپؐ کا منہ دیکھا اور کہا: "خدا کی قسم! اس شہر کے لوگ تو اس طرح کی کوئی دعا نہیں پڑھتے۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**تم کس شہر کے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟**" اس نے کہا: "میں نینویٰ کا باشندہ ہوں اور عیسائی ہوں" آپؐ نے فرمایا: "**اچھا! تم خدا کے نیک بندے اور نبی حضرت یونس علیہ السلام بن متیٰ کی بستی سے ہو۔**"

سامعین دیکھیں! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت کے وقت بھی ایک غلام کو، جو غیر قوم اور غیر مذہب کا تھا، پیغامِ حق پہنچانے کی راہ نکال لی اور حقیر نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا دل نرم کر دیا۔ وہ یونس بن متی کا ذکر سن کر کہنے لگا کہ: "آپؐ کو اس کا کیسے علم ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "**وہ میرا بھائی اور نبی تھا اور میں بھی نبی ہوں۔**" عداس اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک گیا اور آپؐ کی پیشانی، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 62 مطبوعہ مصر)

سفر طائف کے بارہ میں مغربی مستشرق ولیم میور کی شہادت

ولیم میور جیسا معاندِ اسلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تبلیغی سفر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ لکھتا ہے: "محمد کے طائف کے سفر میں عظمت اور شجاعت کا رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ایک تنہا شخص، جس کی قوم نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور رد کر دیا، وہ خدا کی راہ میں دلیری کے ساتھ اپنے شہر سے نکلتا ہے اور جس طرح یونس بن متی نینوا کو گیا اسی طرح وہ ایک بت پرست شہر میں جا کر ان کو توحید کی

طرف بلاتا اور توبہ کا وعظ کرتا ہے۔ اس واقعہ سے یقیناً اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ محمد کو اپنے صدق دعویٰ پر کس درجہ ایمان تھا۔

(Life of Muhammad by Sir William Muir Pg: 117 new edition 1877)

اَوس قبیلہ کو تبلیغ

سامعین! تبلیغ عام کے حکم کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عرب کے مختلف قبائل میں دعوت الی اللہ کی دھن سوار رہتی تھی جس کی خاطر آپؐ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ اوس قبیلہ کے لوگ خزرج قبیلہ کے خلاف مدد مانگنے قریش مکہ کے پاس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کے پاس جاکر انہیں بھی پیغام حق پہنچایا۔ یہ نوجوان قبیلہ اوس کی شاخ عبدالاشہل سے تعلق رکھتے تھے، جو اپنے سردار ابوالحلبیس کی سرکردگی میں مکہ آئے۔ ان کا مقصد قریش سے خزرج قبیلہ کے خلاف مدد کے لئے معاہدہ کرنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مجلس میں تشریف لے جاکر فرمایا کہ: ”جس مقصد کے لئے تم آئے ہو کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں؟“ انہوں نے کہا: ”وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ نے مجھے بندوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے تاوہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے مجھ پر کتاب بھی نازل فرمائی ہے۔“ پھر آپؐ نے اسلامی تعلیم کا ذکر کیا اور انہیں قرآن شریف سنایا۔ یہ سن کر ایک نوعمر نوجوان 'ایاس بن معاذ' کہنے لگا: ”اے میری قوم! تم جس مقصد کے لیے آئے ہو یہ پیغام اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے“۔ اس پر ان کے سردار ابوالحلبیس نے کنکروں کی ایک مٹھی بھر کر 'ایاس' کے منہ پر دے ماری اور وہ مدینہ واپس لوٹ گئے، جس کے بعد اوس وخزرج میں بعاث کی جنگ ہوئی۔

(دلائل النبوہ للبیھقی جلد 2 صفحہ 421 بیروت)

یثرب (مدینۃ النبیؐ) کے لوگوں میں تبلیغ

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل 10 سال تک مکہ میں حج کے موقع پر حاجیوں کے خیموں میں جاکر تبلیغ کرتے رہے۔ اسی طرح آپؐ مجنہ اور عکاظ کے میلوں پر اور منیٰ میں حاجیوں کے خیمیوں میں تشریف لے جاکر فرماتے تھے کہ **”کون ہے جو میری مدد کرنے اور پناہ دینے کی**

حامی بھرتا ہے کہ جہاں جا کر میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟ ایسے شخص کو میں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ "کوئی بھی آپؐ کی مدد و نصرت کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ لوگ جب یمن اور دوسرے علاقوں سے سفر حج پر آتے تو اپنی قوم کو یہ نصیحت کرتے کہ قریش کے اس نوجوان سے ہوشیار رہنا وہ تمہیں گمراہ نہ کر دے"۔ نبی کریمؐ حاجیوں کے خیموں میں جا کر اللہ کی طرف بلاتے تھے۔ لوگ انگلیوں سے آپؐ کی طرف اشارے کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کو یثرب سے بھیجا۔ آپؐ کے پاس ایک ایک آدمی آکر ایمان لاتا اور قرآن سیکھتا تھا اور اپنے اہل خانہ کی طرف واپس یثرب جاتا تو وہ بھی اسلام قبول کر لیتے، یہاں تک کہ مدینے کا کوئی محلہ باقی نہ رہا جہاں مسلمانوں کا ایک گروہ پیدا نہ ہو گیا ہو، جس سے اسلام کو طاقت اور قوت ملی۔ پھر ستر (70) افراد کا ایک وفد مکہ گیا اور حج کے موقع پر شعب ابی طالب میں انہوں نے بیعت کی۔

(مسند احمد جلد 3 صفحہ 339 مطبوعہ بیروت)

اس طرح یثرب (مدینۃ النبیؐ) میں مسلمانوں کے لیے پناہ گاہ کا اللہ تعالیٰ نے انتظام فرما دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں وحدت اور مرکزیت پیدا کرنے کے لیے مصعب بن عمیرؓ کو اسلام کا پہلا مبلغ بنا کر وہاں بھجوایا۔ کچھ عرصہ میں مدینہ میں بھی نماز جمعہ کی ادائیگی شروع ہو گئی۔

سفر "ہجرت مدینہ" کے دوران تبلیغ

مدینہ کے بریدہ انصاری اپنے خاندان بنی سہم کے ستر سوار لے کر سفر میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی۔ ہر چند کہ ہجرت کا سفر خطرات سے خالی نہ تھا، پھر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی گروہ سے تعارف حاصل کیا اور انہیں پیغام حق پہنچایا۔ بریدہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی پُر حکمت اور شیریں گفتگو فرمائی کہ انہوں نے اپنے خاندان سمیت اسلام قبول کر لیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے دین اور اپنی جماعت کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَ غَمِّهٖ وَ حُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ اَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سَيِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَجْهِ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ
لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(اس تقریر کی تیاری میں مکرم چوہدری ناز احمد ناصر آف لندن کے ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے جس میں آنمحترم نے مکرم حافظ مظفر احمد کی تصنیف اسوہ حسنہ سے استفادہ کیا گیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ)

✡✡✡✡

﴾28﴿ ﴾مشاہدات۔271﴿

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی الیٰ اللہ

(مدنی دور)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (سورۃ الجمعہ:3)

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں
محمدؐ است فرو زندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا
خدا نما ست وجودش برائے عالمیاں

(کتاب البریّہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 157 حاشیہ)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی دونوں جہانوں کا امام اور چراغ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی زمین وزماں کا روشن کرنے والا ہے۔ مَیں خوفِ خدا کی وجہ سے اُسے خدا تو نہیں کہتا مگر خدا کی قسم! اس کا وجود اہل جہاں کے لئے خدا نما ہے۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی الی اللہ" جو آپؐ کے مدنی دور کی تبلیغی کاوشوں پر مشتمل ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم منصب بطور نبی اور رسول کے یہ تھا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بنی نوع انسان کو خدا کی طرف بلائیں۔ قرآن شریف میں آپؐ کا یہ مقام دَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجاً مُّنِیْراً (الاحزاب:47) کہ اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور ایک چمکتا ہوا سورج بنا کر (بھیجا ہے) بیان کیا گیا ہے۔ آپؐ کائنات کے وہ بہترین وجود تھے جنہوں نے محض دنیا کو خدا کی طرف بلایا ہی نہیں بلکہ خدا کے حکموں پر خود عمل کر کے بھی دکھا دیا اور ثابت کیا کہ آپؐ سب سے بڑھ کر خدا کے فرمانبردار ہیں۔ آپؐ ہی تھے جنہوں نے بَلِّغْ کے حکم کی تعمیل میں حقِ تبلیغ ادا کر کے دکھایا۔ آپؐ نے مخفی طور پر بھی دعوت الیٰ اللہ کی اور اعلانیہ بھی۔ دن کے وقت بھی دنیا کو خدا کی طرف بلایا اور رات کو بھی۔ بنی نوع انسان کا گہرا درد آپؐ کے سینہ میں موٴجزن تھا جس کی بناء پر آپؐ ہر کس و ناکس کو اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ آپؐ نے غرباء اور فقراء کو بھی پیغامِ حق پہنچایا، بادشاہوں اور امراء کو بھی دعوتِ حق دی۔ ان کی طاقت و سطوت شاہانہ سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قرآنی تعلیم کی تبلیغ حکمت اور استقلال کے ساتھ فرماتے رہے۔ مجھے آج آپؐ کے مدنی دور میں تبلیغ اور دعوتِ اِلَی اللہ کی آپؐ کی کاوشوں کا ذکر کرنا ہے۔ یاد رہے کہ آپؐ کے مکی اور مدنی دور میں تبلیغی کاوشوں اور کوششوں میں نمایاں فرق رہا۔ مکہ میں آپؐ نے چھپ کر بھی دعوتِ اِلَی اللہ کی اور بعد میں اعلانیہ بھی مگر مکی دور میں مخالفتیں برداشت کرنی پڑیں جس کے پھل بھی ملے۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کو بدنی تکالیف بھی برداشت کرنی پڑیں جبکہ مدینہ میں اِن مخالفین سے جنگیں بھی لڑنی پڑیں اور تبلیغ ودعوتِ اِلَی اللہ کا کام کھلے عام بھی ہوتا رہا جن میں سے چند اُمور اور واقعات کا تذکرہ آج تقریر میں کرنا مقصود ہے۔

ہجرت کے بعد مدنی دور میں دعوت الی اللہ اور تبلیغ عام

سامعین! کفارِ مکہ کے ظلم سے تنگ آکر آپؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی۔ وہاں امن کے ماحول میں دعوت اسلام کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ مدینہ آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے پہلے

مبلغِ اسلام، حضرت مصعب بن عمیرؓ کے علاوہ داعیان الی اللہ کی ایک کثیر تعداد دعوت الی اللہ کے میدان میں اُتر چکی تھی۔ پھر بھی آپؐ نے اپنی ذمہ داری کا حق ہمیشہ ادا کیا اور مدینہ کی کھلی مجالس میں جا کر بھی تبلیغ کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصاری سردار حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپؐ ایک گدھے پر سوار تھے۔ انصار کی ایک مجلس کے پاس سے آپؐ کا گزر ہوا، جس میں عبد اللہ بن ابی سلول بھی تھا، جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مجلس میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین، بتوں کے پجاری اور یہود بھی موجود تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے آنے سے کچھ غبار اُڑی تو عبد اللہ بن ابی سلول نے (جو خزرج کے سرداروں میں سے تھا) ناک بھوں چڑھائی اور اپنا منہ چادر سے ڈھانپ کر کہنے لگا ہمارے اوپر مٹی مت اڑاؤ۔ **نبی کریمؐ نے آکر سلام کیا اور وہاں رک کر ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی اور قرآن بھی سنایا۔ عبد اللہ بن ابی سلول چیں بجبیں ہو کر کہنے لگا۔ اے شخص! اگر یہ درست بھی ہو کہ تیری تعلیم سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں پھر بھی تم ہماری مجالس میں آکر ہمیں ایذاء نہ دیا کرو اور اپنے ڈیرے پر رہو اور جو تمہارے پاس آئے اسے یہ باتیں بتاؤ۔**

اس پر مجلس میں ایک مخلص صحابی حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ انصاری کو غیرت آئی۔ انہوں نے عرض کیا: ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ بے شک ہماری مجالس میں تشریف لایا کریں، ہمیں یہ بات بہت پسند ہے۔ اس پر مسلمانوں، مشرکوں اور یہود کے مابین کچھ تکرار ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ لوگ خاموش ہو گئے تو آپؐ تشریف لے گئے۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ آل عمران)

ایک غریب یہودی بچے کو تبلیغ اور اس کا اسلام قبول کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تبلیغ کے لیے کسی کو حقیر نہیں جانا خواہ وہ کوئی بدحال غریب ہو یا مفلوک الحال یہودی غلام، خواہ وہ بچہ ہو یا بڑا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی لڑکا تھا جو آپؐ کی خدمت کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حال پوچھنے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ: **”اسلام قبول کر لو“** اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، جو پاس ہی تھا۔ باپ حضورؐ کی شفقت اور احسان دیکھ کر کہنے لگا۔ بچے ابو القاسم جو کہتے ہیں ان

کی بات مان لو۔ چنانچہ وہ بچہ (کلمہ پڑھ کر) مسلمان ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے تو یہ فرما رہے تھے "**تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے آگ سے بچالیا ہے**"۔

(بخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی)

ایک دوسری روایت میں ذکر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر تشریف لائے تو اس بچے نے جان دے دی۔ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: "**اٹھو اور اپنے بھائی کی نماز جنازہ ادا کرو۔**"

(مسند احمد جلد 3 صفحہ 260 مطبوعہ بیروت)

مدنی دور میں تبلیغ کی راہ میں قربانیوں کے واقعات

سامعین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تنہا سارے عرب میں پیغام پہنچانا ممکن نہیں تھا، لازماً اس کے لیے انصار اور داعیان الی اللہ کی ضرورت تھی، جس کے لیے مختلف قبائل کی طرف سے مطالبات آنے پر معلمین و مبلغین پر مشتمل تبلیغی وفود ترتیب دیئے جاتے رہے۔

مبلغین کی شہادت کا ایک واقعہ (رجیع)

"عضل" و "قارہ" قبائل کے مطالبہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہؓ کو حضرت عاصم بن ثابتؓ انصاری کی سرکردگی میں بھجوایا۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے۔ اِس طرح قریشِ مکہ سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب صحابہ کا یہ وفد رجیع مقام پر پہنچا تو ان کے دشمن قبیلہ "ہذیل" کو ان کی خبر ہو گئی۔ انہوں نے ایک سو تیر اندازوں کا ایک دستہ ان کے تعاقب میں ارسال کیا۔ جب مسلمانوں کو ان کے بارہ میں پتہ لگا تو وہ قریب ہی ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ دشمن نے انہیں گھیر لیا اور کہا کہ اگر تم لوگ گرفتاری دے دو تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ اسلامی دستے کے امیر حضرت عاصمؓ نے کہا مجھے تو کافروں کے عہد پر اعتبار نہیں۔ چنانچہ وہ دشمن کے مقابلے میں تیر برساتے رہے اور ساتھ ساتھ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے

اَلْمَوْتُ حَقٌّ وَالْحَيَاةُ بَاطِلٌ
وَ كُلُّ مَا قَضٰى اِلَّا لَهٗ نَازِلٌ

یعنی موت برحق ہے اور زندگی بے کار ہے جو خدا کا فیصلہ ہو وہی برحق ہے۔

جب حضرت عاصمؓ کے تیر ختم ہوگئے تو وہ نیزے سے لڑنے لگے، نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار نکال لی اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ آخری لمحات میں ان کی زبان پر یہ دعا جاری تھی۔ **اے اللہ! میں نے آخر دم تک تیرے دین کی حفاظت کی ہے، اب میری نعش کی حفاظت تو خود کرنا۔** ان کی دعا اللہ تعالیٰ نے اس معجزانہ رنگ میں قبول فرمائی کہ جب دشمن بے حرمتی کرنے کے لیے ان کی نعش اٹھانے لگا کہ اس کا مثلہ کریں تو بھڑوں کا ایک چھتہ ان پر حملہ آور ہوا اور ان کی نعش کی حفاظت کی۔ یہ سلسلہ بار بار جاری رہا یہاں تک کہ بارشوں سے سیلاب آیا اور حضرت عاصمؓ کی نعش کو بہا کر لے گیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 168 تا 171)۔

سامعین! یہ واقعہ "رجیع" کے نام سے معروف ہے، جس میں امیر دستہ، عاصم بن ثابت، اور ان کے چھ اور ساتھی شہید ہو چکے تو ان کے باقی تین ساتھیوں، خبیب، زید اور عبداللہ بن طارق، نے دشمن کا عہد قبول کرتے ہوئے گرفتاری دے دی۔ جب دشمن ان کو رسیوں سے باندھ رہے تھے تو عبداللہ کہنے لگے یہ پہلی بدعہدی ہے، مجھے یہ قید قبول نہیں اور انہوں نے وہیں لڑتے لڑتے جان دے دی۔ خبیب اور زید کو اہل مکہ نے خرید لیا تاکہ وہ اپنے مقتولین بدر کے عوض انہیں قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کریں۔ جس روز انہیں قتل گاہ لے گئے تو خبیبؓ نے کہا کہ **مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔** وہ جلد نماز سے فارغ ہوئے اور کہنے لگے۔ **خدا کی قسم! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت سے ڈرتا ہوں تو آج میں لمبی نماز پڑھتا۔** اس قتل ناحق کا تماشہ دیکھنے کے لیے شہر کی عورتیں، بچے اور غلام باہر نکل کر جمع ہو گئے تھے۔ ان سب کو قتل کا عبرتناک منظر دکھانے کے لیے ان کو ایک لمبی لکڑی پر لٹکایا گیا۔ پھر کہا گیا کہ ابھی بھی اسلام سے توبہ کر لو تو تجھے آزاد کر دیتے ہیں، ورنہ قتل کر دیں گے۔ خبیب نے کہا۔ **خدا کی راہ میں میری جان کی یہ قربانی ایک حقیر نذرانہ ہی تو ہے۔** پھر خبیبؓ نے دعا کی کہ **اے اللہ! یہاں کوئی ایسا شخص نہیں جو تیرے رسولؐ کو میرا اسلام پہنچائے، پس تو ہی میری طرف سے اپنے رسول کو میرا اسلام پہنچا دے اور جو سلوک یہ میرے ساتھ کر رہے ہیں اس کی اطلاع بھی فرما دے۔** دوسری طرف تین سو میل کے فاصلے پر مدینہ میں خدا کے رسولؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ مجلس میں تشریف فرما تھے، عین اس وقت اچانک اپؐ پر

وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ **ہم نے آپؐ کو "وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہتے سنا۔** جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا "**ابھی جبریل علیہ السلام آئے تھے وہ مجھے خبیبؓ کی طرف سے سلام پہنچا رہے تھے جنہیں قریش نے شہید کر دیا ہے۔**" قریش نے اپنے چالیس سرداروں کی اولاد کو (جو بدر میں ہلاک ہوئے تھے) خبیبؓ کے قتل پر اکٹھا کیا تھا اور نیزے ان کے ہاتھ میں تھما کر کہا کہ وہ سب اس شخص کو نیزے مار مار کر قتل کریں اور آتشِ انتقام سرد کریں۔ چنانچہ ان سب نے خبیبؓ کو شہید کیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 170)

مبلغین کی شہادت کا ایک اور واقعہ (بئر معونہ)

سامعین! اس واقعہ میں ستر (70) صحابہ شہید ہوئے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ قبیلہ بنی عامر کا سردار، عامر بن طفیل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے خود تو اسلام قبول نہ کیا لیکن کہا کہ **مجھے یہ پیغام اچھا لگا ہے، اگر آپؐ اپنے کچھ لوگ ہمارے علاقہ میں بھجوا دیں تو شاید وہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔** حضورؐ نے فرمایا: "**مجھے اہل نجد سے خطرہ ہے**"۔ ابو عامر نے کہا کہ میرا ذمہ ہے۔ چنانچہ اس نے واپس جا کر اہل نجد کو بتا دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو میں نے پناہ دی ہے۔ یہ ستر حفاظِ قرآن تھے جو دن کو قرآن اور نمازیں پڑھتے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ ان صحابہؓ کے امیر، حضرت حرام بن ملحانؓ نے بنی سلیم کو پیغامِ حق پہنچایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیتے ہوئے کہا کہ **اے اہل بئر معونہ! میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہو کر آیا ہوں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ۔** اس دوران ایک شخص نے پیچھے سے آکر ان کو نیزہ مارا۔ ان کی گردن سے خون کا فوارا نکلا۔ اس بہادر داعی الی اللہ نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ فُزْتُ وَرَبِّ الْکَعْبَۃ کا نعرہ لگایا کہ اللہ سب سے بڑا ہے، رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اپنے خون کو ہاتھوں میں لیا اور چہرے اور سر پر چھینٹا مارا۔ بعد ازاں ان کے ساتھیوں پر بھی حملہ کر دیا گیا اور اس میدان میں ستر (70) داعیان الی اللہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ (بخاری کتاب المغازی، السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 171 بیروت) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ساتھیوں کی وفا اور راضی بہ رضا رہنے کا یہ عالَم تھا کہ بوقت شہادت انہوں نے دعا کی **اے اللہ! ہمارے حال**

کی خبر اپنے رسول کو کر دے اور یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم اپنے رب کی رضا پر راضی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ہو گئی اور آپؐ نے صحابہؓ کو اس سے مطلع فرمایا۔ ان شہادتوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا صدمہ اور غم تھا کہ کبھی کسی اور کی وفات پر اتنا غم نہیں ہوا۔ ایک ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر نمازوں میں خدا تعالیٰ سے مدد و نصرت کی دعائیں کرتے رہے۔

(بخاری کتاب المغازی،السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 171 بیروت)

طائف کے سردار عروہ کی شہادت

معزز سامعین! فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز تک طائف کا محاصرہ کیا تھا مگر جلد ہی محاصرہ اٹھا کر مدینہ واپس لوٹ گئے تھے۔ مدینہ واپسی پر راستہ میں ہی ثقیف قبیلہ کے ایک سردار عروہ بن مسعود نے آکر اسلام قبول کر لیا اور پوچھا کہ **واپس اپنی قوم میں جا کر اسلام کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ثقیف تمہیں قتل کر دیں گے۔" عروہؓ نے کہا وہ مجھ سے اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں۔ عروہؓ واپس طائف پہنچے۔ قوم کے لوگ ملنے آئے تو عروہؓ نے اسلام کی طرف دعوت دی، انہوں نے انکار کر دیا اور بُرا بھلا کہنے لگے۔ اگلی صبح عروہؓ اپنے گھر میں کمرہ سے باہر نکلے اور کلمہ شہادت پڑھا تو ثقیف قبیلے کے ایک تیر انداز نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ آخری لمحات میں ان سے پوچھا گیا کہ اپنے خون کے بدلہ کے بارہ میں کیا کہتے ہو، کہنے لگے۔ **یہ تو ایک عزت ہے جو خدا نے مجھے بخشی اور شہادت کا رتبہ عطا فرمایا۔** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت پر فرمایا کہ: **"عروہ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کا ذکر سورۃ یٰسین میں ہے کہ 'اس نے اپنی قوم کو رسول کی پیروی کی طرف بلایا تھا۔"**

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 215 بیروت)

میدان جہاد میں دعوت الی اللہ

سامعین! ہجرت مدینہ کے بعد امن میسر آتے ہی دعوتِ اسلام کا کام تیز تر ہو گیا لیکن کفارِ مکہ نے وہاں بھی امن کا سانس نہ لینے دیا اور مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت امن کے بادشاہ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دفاع کے لئے مجبوراً تلوار اٹھانی پڑی۔ اس زمانہ میں بھی آپؐ نے دعوت الی اللہ کا

فریضہ ہمیشہ مقدم رکھا۔ خیبر کے یہود کی مدینہ پر حملہ کی دھمکیوں اور خطرہ کے پیش نظر اسلامی لشکر محاصرہ خیبر پر مجبور ہوا تو اس دوران ایک حبشی غلام یہود کی بکریاں چراتا ہوا ادھر نکل آیا۔ جنگ کی حالت تھی، محاصرہ جاری تھا، وہ غلام جنگل سے بکریاں لے کر شہر کی طرف آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ باہر مسلمانوں کی فوج نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس موقع پر سید و مولیٰ کا شوق تبلیغ دیکھنے کے لائق تھا۔ آپؐ تبلیغ کے لئے کسی کو حقیر نہ جانتے تھے۔ چنانچہ اس حبشی چرواہے کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ اس چرواہے نے کہا کہ **اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا۔** حضورؐ نے فرمایا: "**جنت، بشرطیکہ اسلام پر ثابت قدم رہو۔**" اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 39، داراحیاء الراث العربی بیروت)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ میں دعوت الی اللہ کا یہ پاکیزہ نمونہ دکھانے کے بعد حضرت علیؓ کو سالارِ لشکر بنا کر اس نوید کے ساتھ قلعہ خیبر فتح کرنے بھیجا کہ "**تمہارے ہاتھ پر فتح ہو گی**" انہیں یہ تلقین فرمائی کہ یہود (جن کی طرف سے اعلان جنگ ہوا تھا) پر حملہ سے قبل ایک دفعہ پھر انہیں دعوتِ اسلام دینا۔ چنانچہ فرمایا: "**اے علی! جب تم ان کے میدان جنگ میں اُترو تو پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ قبول اسلام کی صورت میں ان کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی اور یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو تیرے لئے کئی سرخ اونٹوں کی دولت سے زیادہ بہتر ہے۔**"

(بخاری کتاب الجھاد والسیر باب فضل من اسلم علی یدیہ)

غزوات میں جانی دشمن پر احسان اور تبلیغ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجد کی طرف ایک مہم پر تشریف لے گئے جسے غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں۔ واپسی پر دوپہر کے آرام کے لیے ایک سایہ دار درختوں کی وادی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ لوگ درختوں کے نیچے آرام کرنے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے لیٹ گئے اور تلوار اس کیکر پر لٹکا دی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں: **ابھی ہم کچھ دیر ہی سوئے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیں بلاتے سنا، حاضر خدمت ہوئے تو وہاں ایک بدو بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس شخص نے میرے سوتے ہوئے میری تلوار سونت لی اور مجھے**

جگا کر پوچھا کہ اب آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ میں نے کہا "اللہ" جس پر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، تب میں نے تلوار ہاتھ میں لے کر اس سے پوچھا: "اب تم بتاؤ تمہیں سے کون بچا سکتا ہے؟ اس نے کہا: سوائے آپ کے کوئی نہیں، آپ سے اچھے سلوک کی توقع ہے۔ دشمن قبیلہ کا یہ شخص غورث بن ارث دراصل آپؐ کے تعاقب میں تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو بلایا تو وہ اسے ڈرانے دھمکانے لگے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں" اس نے کہا لیکن میں آپ کے خلاف کبھی لڑائی میں شریک نہ ہوں گا۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانی دشمن کو بھی معاف کر دیا۔ وہ آپؐ کے شفقت بھرے سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ نہ صرف اس نے بلکہ اس کی قوم کے بہت سے لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا یہ معجزانہ نشان دیکھ کر اس کے ذریعہ اسلام قبول کرنے کی توفیق پائی۔

(شرح زرکانی علی المواہب اللدنیہ القسطلانی جلد 2 صفحہ 90 بیروت)

داعیان الی اللہ کی تیاری

سامعین! مدینہ کے نواحی قبائل اور قوموں سے لوگ آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے، تربیت پا کر واپس جاتے اور اپنے علاقے میں دعوتِ اسلام کی خدمات بجا لاتے تھے۔ حضرت مالک بن حویرثؓ ایک دفعہ بیس ساتھیوں کے ساتھ آکر مدینہ میں کئی روز ٹھہرے اور دینِ اسلام سیکھ کر واپس گئے۔ (بخاری کتاب الادب باب وفد بنی حنیفۃ و حدیث ثمامہ بن اثال) اصحاب صفہ کی تعلیم قرآن و سنت کا مسجد نبوی میں مستقل انتظام تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور تربیت کا بہترین طریق حسنِ عمل اور کردار تھا جو ہمیشہ ہی کامیاب ثابت ہوا۔ آغازِ اسلام میں حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ آپؐ پر ایمان لائے تو اس کا بنیادی سبب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن کردار ہی تھا۔ پھر ان کی تبلیغ اور نمونہ سے اور لوگ مسلمان ہوئے۔

قیدیوں سے تالیف قلب اور احسان کا سلوک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھڑ سوار دستہ نجد کی طرف بھجوایا۔ وہ بنی حنیفہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے لائے، جسے مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ثمامہ سے پوچھا "**تمہاری کیا رائے ہے یعنی تمہیں کس سلوک کی توقع ہے۔**" اس نے کہا میری رائے اچھی ہے کیونکہ آپؐ ہمیشہ احسان کرنے والے ہیں۔ اگر مجھے قتل کریں گے تو میرا قبیلہ اس کا بدلہ لے گا اور اگر آپؐ احسان کا سلوک کریں گے تو ایک شکر گزار انسان پر احسان کریں گے اور اگر آپؐ میری آزادی کے عوض کوئی مال وغیرہ چاہتے ہیں تو جو مانگنا چاہتے ہیں، مانگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ اگلے روز پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وہی سوال دہرایا۔ وہ بولا کہ میرا وہی جواب ہے جو پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اگر آپؐ مجھ پر احسان کریں گے تو یہ ایک شکر گزار بندے پر احسان ہو گا۔ دوسرے روز بھی حضورؐ نے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر تیسرے روز اس سے وہی سوال پوچھا۔ وہ کہنے لگا کہ میں پہلے ہی جواب عرض کر چکا ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "ثمامہ کو آزاد کر دو۔" ثمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک، مسلمانوں کی پنج وقتہ عبادت، اطاعت اور وحدت کے نظارے سے اس قدر متاثر ہو چکا تھا کہ آزاد ہوتے ہی قریب کے نخلستان میں جا کر غسل کیا، مسجدِ نبوی میں آکر کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کر لیا، پھر کہا۔ **اے محمد! آپؐ کا چہرہ روئے زمین پر میرے لیے سب سے زیادہ قابل نفرت تھا مگر آج آپ مجھے دنیا میں سب سے پیارے ہیں۔ خدا کی قسم! کوئی مذہب مجھے آپ کے مذہب سے زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا، مگر آج آپؐ کا دینِ اسلام مجھے تمام دینوں سے زیادہ پیارا ہو چکا ہے۔ خدا کی قسم! کوئی شہر آپؐ کے شہر سے زیادہ میرے لئے قابل نفرت نہ تھا، آج آپؐ کا شہر مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو چکا ہے، آپؐ کے دستہ نے جب مجھے گرفتار کیا تو میں عمرہ کے ارادہ سے جا رہا تھا، اب میرے لئے کیا حکم ہے؟** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے یہ تاثرات سن کر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ **ثمامہ کو دنیا و آخرت کی بھلائی کی بشارت دی اور عمرہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔** وہ مکہ عمرہ کرنے گئے تو کسی نے کہہ دیا تم بھی صابی ہو گئے ہو؟ یعنی نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ ثمامہ نے کہا **نہیں میں مسلمان ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں اور کان کھول کر سن لو!**

خدا کی قسم! تمہارے پاس یمامہ سے غلہ کا ایک دانہ نہیں آئے گا، جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت عطا نہ فرمائیں۔

(بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامہ بن اثال)

فتح مکہ کے موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف قلبی اور احسان کو دیکھ کر مکہ کے بڑے بڑے سرداروں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

عدی بن حاتم طائی کی آمد اور قبول اسلام کا اعلان

معزز سامعین! حاتم طائی کا نام اپنی سخاوت کی وجہ سے عربوں میں ضرب المثل ہے۔ حاتم طائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے ہی وفات پا چکا تھا۔ اس کے بیٹے "عدی" نے اپنے قبول اسلام کا دلچسپ واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ "میں اپنی قوم کا سردار تھا اور عرب رواج کے مطابق مالِ غنیمت کا چوتھا حصہ وصول کرتا تھا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارہ میں سنا تو مجھے یہ بات سخت ناگوار محسوس ہوئی اور میں نے اپنے ایک غلام کو جو میری بکریاں چراتا تھا، اس کام سے فارغ کر کے یہ ذمہ داری سونپی کہ جب تمہیں اس علاقے میں محمدؐ کے لشکروں کے آنے کا پتہ چلے تو مجھے اس کی اطلاع کرنا۔ ایک دن وہ میرے پاس آکر کہنے لگا کہ محمدؐ کے حملے کے وقت جو حفاظتی تدبیر تم نے کرنی ہے کر لو، محمدؐ کے لشکر سر پر کھڑے ہیں۔ عدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اونٹ منگوائے، اپنے بیوی بچوں کو ان پر سوار کیا اور ملک شام میں اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے پاس جا کر پناہ لی۔ اپنی ایک بہن اور دیگر رشتہ داروں کو پیچھے چھوڑ آیا۔ اس بے چاری پر یہ مصیبت گزری کہ وہ جنگ حنین میں قید ہو گئی۔ جب قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے اور حضورؐ کو پتہ چلا کہ میں ملک شام کو بھاگ گیا ہوں تو آپؐ نے میری بہن کے ساتھ بہت احسان کا سلوک کیا۔ اسے پوشاک، سواری اور اخراجات کے لیے رقم عنایت فرمائی۔ وہ مجھے ڈھونڈتی ہوئی ملک شام آنکلی۔ وہ مجھے کوسنے لگی کہ تم بہت ظالم اور قطع رحمی کرنے والے ہو۔ میں نے نادم ہو کر معذرت کی۔ وہ بہت دانا خاتون تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری مانو تو جتنا جلدی ممکن ہو ان سے جا کر ملاقات کرو، اگر تو وہ نبی ہیں تو تمہارا ان کے پاس جلد جانا باعث فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو بھی تمہیں ان کا

قرب نصیب ہو گا۔ میں نے سوچا کہ یہ مشورہ تو بہت عمدہ ہے۔ اس طرح عدی کی بہن نے اپنے مسلمان ہونے کا ذکر کیئے بغیر حکمت عملی سے انہیں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آمادہ کر لیا۔ عدی کہتے ہیں میں مدینہ پہنچا اور اپنا تعارف کروایا تو حضورؐ مجھے اپنے گھر لے جانے لگے۔ راستے میں ایک بوڑھی عورت آپؐ سے ملی، اس نے آپؐ کو روک لیا۔ آپؐ دیر تک اس کی بات سنتے رہے۔ میں نے دل میں کہا یہ شخص بادشاہ تو نہیں ہو سکتا۔ پھر جب حضورؐ کے گھر پہنچا تو وہاں ایک گدیلا پڑا ہوا تھا، جس کے اندر کھجور کی شاخیں بھری ہوئی تھیں۔ حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے اسے بچھا کر مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں نے عرض کیا کہ ''آپؐ اس پر تشریف رکھیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ''**نہیں آپ ہی بیٹھو گے**'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا خدا کی قسم! یہ تو بادشاہوں والی باتیں نہیں۔ پھر حضورؐ مجھے بار بار یہی فرماتے رہے کہ ''**عدی! تم اسلام قبول کر لو، امن میں آجاؤ گے۔**'' میں نے عرض کیا پہلے سے ہی ایک دین پر قائم ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ''**مجھے تمہارے دین کا تم سے زیادہ پتہ ہے۔**'' میں نے تعجب سے پوچھا: مجھ سے زیادہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''**تم فلاں عیسائی فرقہ سے ہو نا!**'' میں نے عرض کیا۔ جی ہاں! آپؐ نے فرمایا ''**تم عرب سرداروں کے قدیم دستور کے مطابق مال غنیمت کا چوتھا حصہ بھی وصول کرتے ہو؟**'' میں نے عرض کیا۔ جی ہاں! آپؐ نے فرمایا: ''تمہیں پتہ ہے تمہارے دین کے مطابق یہ طریق جائز نہیں ہے۔'' میں نے عرض کیا۔ جی حضور! یہ سن کر میں نے دل میں کہا کہ خدا کی قسم! یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا نبی معلوم ہوتا ہے جو ایسا علم رکھتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''**اے عدی! تمہیں اس دین میں داخل ہونے میں یہی روک ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ اس کی پیروی کمزور اور غریب لوگوں نے کی ہے، جنہیں سارے عرب نے دھتکار دیا ہے۔ خدا کی قسم! ان لوگوں میں مال کی بھی بڑی کثرت ہو گی یہاں تک کہ مال لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔**'' پھر فرمایا: ''**تمہارے اس مذہب کے قبول کرنے میں دوسری روک یہ ہو سکتی ہے کہ ہماری تعداد کم ہے اور دشمن زیادہ، تو سنو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ دین غالب آئے گا اور ایک شتر سوار عورت تنہا عرب کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بے خوف و خطر سفر کرے گی اور بیت اللہ میں آکر طواف کرے گی۔**'' پھر فرمایا: ''**تمہارے اسلام قبول کرنے میں تیسری روک یہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے پاس بادشاہت نہیں۔ خدا کی قسم!**

بڑے بڑے محلات مسلمانوں کے لئے فتح کئے جائیں گے۔ اسلام کی شوکت اور فتح کا یہ زمانہ بہت قریب ہے۔"

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 225-226 بیروت)

یہ موئثر تبلیغ سن کر عدی نے اسلام قبول کر لیا۔

فروہ قبیلہ کے وفد کی آمد اور قبول اسلام

سامعین! فروہ قبیلے کا سردار شاہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسلام کے ظہور سے پہلے ان کی جنگ قبیلہ ہمدان سے ہوئی تھی، جس میں ان کا بہت جانی نقصان ہوا اور وہ جنگ "یوم الروم"یعنی ہلاکت کے دن کے طور پر مشہور ہو گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ کے حوالے سے اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا"**وہ جنگ تم لوگوں کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوئی ہو گی۔**" اس نے کہا یا رسول اللہ ! جس قوم کو ایسی ہلاکت اور مصیبت پہنچے تو تکلیف اور رنج تو ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمدہ تبصرہ فرمایا "**اس جنگ کا ایک فائدہ بھی ہوا کہ اس واقعہ کے نتیجے میں تمہاری قوم کو اسلام قبول کرنے کی توفیق مل گئی۔**" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے اپنے قبیلہ کا امیر مقرر فرما دیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 226 بیروت)

کندہ وفد کی آمد اور قبول اسلام

کندہ قبیلے کا ساٹھ افراد پر مشتمل وفد اپنے سردار اشعث بن قیس کی سرکردگی میں حاضر خدمت ہوا۔ انہوں نے یمنی ریشمی جبے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آپ لعنت ملامت سے منع کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"**میں بادشاہ نہیں ہوں، محمد ابن عبداللہ ہوں۔**" انہوں نے کہا کہ ہم آپ کا نام لے کر نہیں پکاریں گے۔ آپؐ نے فرمایا"**تم ابوالقاسم کہہ لو**" انہوں نے کہا۔ اے ابولقاسم! ہم نے اپنے دل میں ایک بات رکھی ہے، آپ بوجھ کر بتائیں کہ وہ کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"**اللہ پاک ہے، یہ کام تو کاہنوں کا ہے اور کہانت کرنے والا جہنمی ہے۔**" انہوں نے کہا پھر ہمیں کیسے پتہ چلے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ نے فرمایا"**اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے**

اور مجھ پر ایسی عظیم الشان کتاب اُتاری ہے کہ جھوٹ نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔" انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اس میں سے کچھ سنائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المعارج:41 کی تلاوت شروع کی۔ جب آپؐ اس آیت فَلَآ اُقۡسِمُ بِرَبِّ الۡمَشٰرِقِ وَالۡمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ یعنی میں (اس قرآن کو نازل کرنے والے) مشرق و مغرب کے رب کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں، کہ ہم اس بات پر قادر ہیں، تک پہنچے تو خاموش ہو گئے اور بے حس و حرکت ہو کر رک گئے، آنسوؤں کی لڑی آپؐ کی آنکھوں سے ریشِ مبارک پر برس رہی تھی۔ وہ کہنے لگے۔ کیا آپ اپنے بھیجنے والے کے ڈر سے روتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "**ہاں مجھے اسی کا خوف رلاتا ہے، جس نے مجھے صراطِ مستقیم پر بھیجا ہے، جو تلوار کی دھار کی طرح سیدھی ہے۔ اگر میں اس سے بھٹک گیا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔**" پھر حضورؐ نے ان سے فرمایا: "**کیا تم مسلمان نہیں ہو گے؟**" انہوں نے کہا ضرور ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا "**پھر یہ ریشمی جبے کیسے ہیں؟**" چنانچہ انہوں نے وہ جبے اتار پھینکے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 228 بیروت)

قبیلہ "ہمدان" کے وفد کی آمد اور قبول اسلام

فروہ اور ہمدان قبائل کے درمیان جنگ ہو چکی تھی۔ فروہ قبیلہ نے قبولِ اسلام میں پہل کی تو ہمدان کو طبعاً وقتی روک پیدا ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہمدان کو دعوتِ اسلام کے لئے بھجوایا۔ چھ ماہ کی کوششوں کے باوجود جب یہ لوگ اسلام نہیں لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے حملہ کی اجازت کے حضرت علیؓ کو بھجوایا کہ انہیں دوبارہ اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت علیؓ نے جا کر دعوتِ اسلام دی، انہیں قرآن سنایا اور سارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت علیؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کے قبول اسلام کی اطلاع کی۔

سامعین! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شوقِ تبلیغ ملاحظہ ہو کہ حضرت علیؓ کا خط پڑھتے ہی فوراً سجدے میں گر گئے اور دو دفعہ فرمایا "**ہمدان قبیلے پر سلامتی ہو۔**" "**ہمدان قبیلے پر سلامتی ہو۔**" پھر آپؐ نے اس قبیلہ کی تعریف اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 230 بیروت)

قبیلہ تجیب کے وفد کی آمد اور قبول اسلام

قبیلہ تجیب کے تیرہ (13) افراد پر مشتمل یہ وفد اپنے ساتھ اموال زکوٰۃ بھی لے کر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**یہ اموال اپنے غرباء میں تقسیم کر دیں۔**" انہوں نے کہا کہ مقامی طور پر تقسیم کے بعد ہم بچا ہوا مال لے کر آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ کی آمد پر بہت خوش تھے کہ کسی طمع سے نہیں بلکہ دلی شوق سے مالی قربانی کرتے ہوئے اسلام قبول کر رہے ہیں۔ آپؐ نے انہیں بڑی محبت سے اسلام کی تعلیم دی۔ جب انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا "**جانے کی کیا جلدی ہے، کچھ روز اور قیام کریں۔**" انہوں نے عرض کی کہ واپس جا کر ہم اپنی قوم کو بھی اسلام کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ حضورؐ نے اس وفد کو بھی انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 230-231 بیروت)

قبیلہ سعد بن حزیم کے وفد کی آمد اور قبول اسلام

سامعین! بنی سعد حزیم کا وفد نعمان کی سرکردگی میں آیا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پڑھا رہے تھے، جس میں ہم شامل نہیں ہوئے۔ آپؐ نے ہمارے تعارف کے بعد پوچھا "**تم مسلمان ہو؟**" ہم نے اثبات میں جواب دیا تو فرمایا "**پھر تم اپنے بھائی کی نماز جنازہ میں کیوں شامل نہ ہوئے؟**" انہوں نے کہا بیعت سے پہلے ہم نے اسے جائز نہیں سمجھا۔ آپؐ نے فرمایا "**جس وقت تم نے دل سے اسلام قبول کر لیا اس وقت سے مسلمان ہو گئے۔**" اس کے بعد ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بھی بیعت کی سعادت حاصل کی۔ اس وفد کے لوگ بیان کرتے تھے جب ہم اپنے خیموں میں آئے تو جس لڑکے کو وہاں بغرض حفاظت چھوڑ کر آئے تھے، اسے حضورؐ نے بلوا بھیجا۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ ہم میں سے کم عمر اور ہمارا خادم ہے۔ آپؐ نے فرمایا "قوم کا سردار بھی ان کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے برکت دے۔" اس طرح اس خادم میں صلاحیت دیکھ کر اس کی عزت افزائی کی۔ نعمانؓ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو ہم پر امیر مقرر کیا اور وہ ہمیں نمازیں پڑھاتا تھا۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 232 بیروت)

قبیلہ قضاعہ (بلی) کے وفد کی آمد اور قبولِ اسلام

قضاعہ قبیلہ کا یہ وفد حضورؐ کی خدمت میں آیا اور اسلام کا اقرار کیا۔ ان کے بوڑھے سردار نے پوچھا مجھے مہمان نوازی سے شغف ہے، کیا اس کا اجر ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا "ہر نیکی کا اجر ہے خواہ امیر سے کی جائے یا غریب سے، مہمان نوازی تین دن تک ہوتی ہے۔" اس وفد نے تین روز قیام کیا، اسلام کی تعلیمات سیکھیں اور واپس اپنے قبائل میں جا کر پیغام پہنچانے لگے۔

(السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 236 بیروت)

قبیلہ بنی عذرہ کے وفد کی آمد اور قبولِ اسلام

سامعین! قبیلہ بنی عذرہ کا وفد یمن سے آیا۔ انہوں نے کہا ہم آپؐ کے ننھالی رشتہ دار ہیں کیونکہ ہم قصی بن کلاب کے بھائی کی اولاد ہیں۔ ہمارا آپؐ سے رحمی رشتہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت مسرت سے خوش آمدید کہا اور فرمایا "**پریشانی کی بات نہیں، تم لوگ اپنے گھر کی طرح یہاں رہو۔**" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی تعلیم دی۔ کہانت سے روکا اور فرمایا "**کاہنوں سے غیب کی باتیں وغیرہ مت پوچھا کرو۔ اسی طرح انہیں بتوں پر قربانیاں کرنے سے بھی منع فرمایا** اور وہ مسلمان ہو کر لوٹے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 235 بیروت)

ان قبائل کی آمد اور قبولِ حق سے عرب میں اسلام کا نام بلند ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کاوشوں کے نتیجہ میں اس بت پرست جزیرہ میں توحید کی منادی بر سرِ عام ہونے لگی۔

تبلیغ کے تعلق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت

معزز سامعین! عمر بھر حقِ تبلیغ ادا کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری حج کے موقع پر اپنی انقلاب انگیز تعلیم، امن کا خلاصہ بطور اعادہ، امت کے ہزاروں نمائندوں تک پہنچایا۔ انہیں آخری وصیت بھی تبلیغ ہی کے بارے میں فرمائی کہ جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک یہ پیغام ضرور پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں، کیونکہ بسا اوقات ایک غیر حاضر آدمی موجود شخص سے زیادہ بات کو یاد رکھنے والا اور سمجھ کر اس پر عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

(بخاری کتاب العلم، باب قول النبیؐ رب مبلغ اوعی من سامع)

اے ہمارے رب! ہمیں بھی اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَ غَمِّہٖ وَ حُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَ اَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِکَ اِلَی الْاَبَدِ

رَبِّ جلیل کی ترا دل جلوہ گاہ ہے
سینہ ترا جمالِ الٰہی کا مستقر
قبلہ بھی تو ہے، قبلہ نما بھی ترا وجود
شانِ خدا ہے تیری اداؤں میں جلوہ گر
نور و بشر کا فرق مٹاتی ہے تیری ذات
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

(اس تقریر کی تیاری میں مکرم چوہدری ناز احمد ناصر آف لندن کے ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے جس میں آنمحترم نے مکرم حافظ مظفر احمد کی تصنیف اسوہ حسنہ سے استفادہ کیا گیا۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ)

۞۞۞۞

﴿29﴾ ﴿مشاہدات۔523﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلمِ انسانیت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ(البقرہ:130)

ترجمہ: اے ہمارے ربّ! تو ان میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کر جو ان پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور (اس کی) حکمت بھی سکھائے اور اُن کا تزکیہ کر دے۔ یقیناً تُو ہی کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔

ہیچ محبوبے نماند ہمچو یار دلبرم
مہر و مہ را نیست قدرے در دیارِ دلبرم
آں کجا رُوئے کہ دارد ہمچو رُویش آب و تاب
واں کُجا باغے کہ مے دارد بہارِ دلبرم

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اول صفحہ 597-598 حاشیہ)

کہ میرے محبوب جیسا کوئی نہیں ہے۔ اس کے ہاں چاند اور سورج کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ ایسا چہرہ کہاں کہ اس جیسی آب و تاب رکھتا ہو اور ایسا باغ کہاں جو میرے محبوب جیسی بہار رکھتا ہو۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا موضوع ہے ”آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت معلمِ انسانیت“

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تو اس وقت دنیا ظلمت کے اندھیروں میں گھری ہوئی تھی۔ ظلم، زیادتی اور

بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں بے راہ روی اور فساد کی وجہ سے مذہبی، اخلاقی، معاشی، سیاسی اور علمی ہر طرح کی برائی موجود تھی۔ جزیرۂ عرب میں گنتی کے چند لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے لیکن وہ بھی کوئی اچھے رہنمانہ تھے کہ لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے۔ ان حالات میں رحمۃ للعالمینؐ نے دنیا کو وہ پیغام اوروہ تعلیم دی جس پر عمل کرنے سے انسانی زندگی کے ہر گوشے میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔ الٰہیات و عقائد میں، عبادات و معاملات میں انفرادی، گھریلو اور اجتماعی زندگی میں، اخلاقیات میں، معاشیات وسیاسیات میں، انسان کی مادی، روحانی، دنیوی واُخروی زندگی کے تصور کے بارے میں اِس کامل ذات، اِس معلمِ انسانیت کی برکات کی بدولت صحیح اصولی رہنمائی اور تعلیم حاصل ہوئی اور زندگی کے ہر دائرہ میں انتہائی مفید اور خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے دوسرے تمام پہلوؤں کی طرح آپؐ کا معلم ہونا بھی خاص اہمیت خاص رکھتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بھی علم سے شغف تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ مسجد میں منعقدہ دو مجلسوں میں سے گزرے۔ ان دونوں میں سے ایک عبادت اور دعا میں مصروف تھی۔ دوسری تعلیم و تعلم میں۔ آپؐ اس مجلس میں بیٹھ گئے جو تعلیمی مذاکرہ میں مصروف تھی۔ آپؐ نے فرمایا میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپؐ نے ابتداء ہی سے لوگوں کی تربیت کے لئے ایک مرکز کی ضرورت محسوس کی جہاں لوگ جمع ہوں اور اجتماعی طور پر ان کی تہذیب و اصلاح کا کام ہو سکے۔ جب تک دعوت کا سلسلہ مخفی تھا آپؐ نے حضرت ارقمؓ کے گھر کو مرکز قرار دیا تھا۔ یہاں تمام اولین صحابہ جمع ہوتے۔ قرآن کریم کی تلاوت ہوتی، اُسے یاد کرتے اور بنیادی مسائل کے معاملے میں حضورؐ سے رہنمائی حاصل کرتے۔ پھر آپؐ کا اپنا گھر بھی مسلمانوں کا مرکز بن گیا جہاں صحابہؓ جمع ہو کر اپنے عظیم معلم سے رہنمائی حاصل کر کے اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتابت سیکھنے کو تعلیم میں فوقیت دیتے تھے۔ کتابت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت جیسے پُر خطر سفر میں بھی سامانِ کتابت کو ساتھ رکھنا ضروری سمجھا تھا۔ اس کے علاوہ بدر کے قیدیوں میں سے کچھ پڑھے لکھے قیدیوں کا مزید یہ قرار پایا کہ ہر ایک دس دس مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ اسے اس

طرح جاری رکھتے کہ متعلم اکتاہٹ محسوس نہ کرے جب تک تعلیم اپنی خوشی سے حاصل نہ کی جائے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ اس لئے آپؐ دوران تعلیم کوئی ہلکی پھلکی پُر مزاح بات کہہ دیتے جس سے دلچسپی برقرار رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس بات کا دھیان رکھتے تھے کہ سامنے جو مخاطب ہے اُس کا ذہنی معیار کیا ہے۔ آپؐ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ لوگ آپؐ کی بات سمجھ جائیں۔ آپؐ کے پاس بدوی اور شہری،ان پڑھ اور تجربہ کار، کم عقل اور ذہین دونوں طرح کے لوگ آتے تھے آپؐ ہر ایک سے اس کی سمجھ کے مطابق سلوک کرتے۔ بطور معلم آپؐ کی ایک خوبی آپؐ کا انکسار اور تواضع بھی ہے۔ اگرچہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے حقیقی علم عطا ہوا تھا اس کے باوجود آپؐ نے کبھی غرور نہ کیا اور تواضع کو نہیں چھوڑا۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مؤثر ابلاغ کی مہارت بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اول سے آخر تک نہایت صاف ہوتی، کلام جامع فرماتے تھے جس کے الفاظ مختصر مگر پُراثر ہوتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں فصاحت وبلاغت جھلکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کی حکمت سے مالامال تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی طرح جلدی جلدی گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے مضمون سے ممتاز ہوتا تھا۔ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ کلام کو حسب ضرورت تین تین بار دہراتے تاکہ مخاطبین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ جس بات کا تفصیل سے ذکر کرنا تہذیب سے گرا ہوا ہوتا تو اس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مختصر اور اشارتاً بیان کرتے۔ بات کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے اور نہایت خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کی مجلس میں تشریف لاتے تو آتے ہی نصیحت کرنا شروع نہیں کر دیتے تھے بلکہ جو گفتگو چل رہی ہوتی اس میں شامل ہو جاتے یا ان کی توجہ مبذول کراتے پھر تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع کرتے۔ اصول آمادگی کو مد نظر رکھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تدریس بڑا دلچسپ ہوتا۔ آپؐ حاضرین کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھنے کے لیے دوطرفہ گفتگو بھی فرماتے۔

حاضرین سے سوال وجواب کرتے۔ بعض اوقات آپؐ بات کو اچھی طرح سمجھانے کے لیے خود ہی سوال کرتے اور پھر اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے جیسے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے ؟ حاضرین مجلس نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ نقدی ہو اور نہ کوئی سامان ہی ہو۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری امّت کا مفلس وہ ہوگا جو دنیا میں نمازی تھا، روزہ دار تھا اور زکواۃ دیا کرتا تھا۔ ان عبادات کے اجر وثواب کے ساتھ میدان حشر میں آئے گا۔ اس کے ساتھ اس کا یہ حال ہوگا کہ دنیا میں اُس نے کسی کو گالی دی تھی، کسی پر بدکاری کا الزام لگایا تھا، کسی کا مال ناحق کھایا تھا، کسی کی خون ریزی کی تھی اور کسی کو مارا تھا۔ ان تمام لوگوں میں جن جن پر اس نے ظلم وزیادتی کی تھی اُس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی۔ پھر اگر مظلوموں کے حق ادا ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان کے گناہ اس کے حساب میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

(صحیح مسلم:2581)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سبق کو دلچسپ بنانے کے لیے قصے، کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے اعمال مثلاً وضو، نماز، حج اور اس کے مناسک وغیرہ سکھائے۔ ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تدریس میں مثالیں، تشبیہات، وغیرہ کا استعمال بھی بکثرت نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سچے قصے بیان فرماتے اور بات کو سمجھانے کے لیے مختلف قسم کی دلچسپ مثالیں دیتے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ آجائے اور زیادہ دیر تک یاد رہے۔ مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا "اچھے ہم نشین اور بُرے ہم نشین کی مثال ایسی ہے، جیسے مُشک بیچنے والا اور بھٹیارہ۔ پس مشک بیچنے والا یا تو تمہیں مشک پیش کرے گا یا تم خود اس سے مُشک خرید لو گے، یا (کم از کم) اس کے پاس سے خوشبو آتی رہے گی۔ اور بھٹیارہ یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا۔ یا (کم از کم) اس سے بدبو تمہیں پہنچے گی۔

(صحیح بخاری، الذبائح والصید، باب المسك)

مختلف مزاج کے افراد کی تربیت میں انسانی نفسیات کا خیال رکھتے۔ سوال پوچھنے والے کے ظرف اور وسعت کے مطابق جواب دیتے۔ موقع کے لحاظ سے خوشخبری اور وعید سناتے۔ اہل وعیال، پڑوسی، ساتھی، غلام حتٰی کہ دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی لیتے۔ عملی سرگرمیوں کے انداز میں مسجد اور مدرسے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر و حضر کے مختلف مواقعوں پر بھی صحابہ کی تربیت کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

سامعین! استاد کا شاگرد کے ساتھ جب تک ذاتی تعلق شفقت کی بنیاد پر نہ ہو تو تدریسی عمل کامیاب نہیں ہوتا۔ ذاتی تعلق و شفقت ہی وہ چیز ہے جو ایک طالب علم کے دل و ذہن کو استاد سے اکتساب علم کے لیے تیار کرتا ہے۔ یہ خوبی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ جو ایک بار آپؐ سے ملاقات کرتا اس کے ساتھ حضورؐ مسکراتے ہوئے ملتے، جب یہ ملاقات ختم ہو جاتی تو ملنے والے کے دل میں اگلی ملاقات کے لیے شوق پیدا ہوتا۔ صحابہ میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ اُس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تعلق ہے۔ اپنے قریبی افراد کو ان کا نام لے کر مخاطب کرتے مثلاً اے عائشہ، اے ابوذر وغیرہ۔ یہ انداز گفتگو معلم اور شاگرد (صحابہ) کے درمیان یقیناً اپنائیت اور تعلق کی بہترین مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ہمراہ ایسے مفید کھیل کھیلتے جس سے جسم مضبوط اور مجاہدانہ زندگی کی تربیت ہو سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لطائف اور خوش طبعی کے ذریعے بھی تعلیم دیا کرتے تھے۔ انسان اسی کام کو توجہ اور لگن کے ساتھ کرتا ہے جس کام کا اس کو شوق ہو۔ ایک طالب علم میں علم حاصل کرنے کا شوق اور لگن پیدا کرنا ایک معلم کا کام ہوتا ہے۔ معلّم انسانیتؐ کا کمال یہ تھا کہ آپؐ پہلے صحابہ اکرامؓ کے اندر شوق پیدا فرماتے۔ اُن سے بار بار جنت کے تذکرے اس کے اندر نعمتوں کے حاصل ہونے کی باتیں، ثواب حاصل کرنے کے طریقے بتاتے بالکل اسی طرح جیسے کہ ایک ماہر کسان زمین میں بیج ڈالنے سے پہلے زمین کو تیار کرتا ہے۔

سامعین! معاشرے کی ترقی و استحکام کے لیے ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ اس کے افراد کی گھریلو زندگی پُرسکون، باسلیقہ اور منظم ہو۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی زندگی کو پُرسکون اور منظم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی اور ارشادات و تعلیمات خداوندی کے مطابق

مرد و عورت مسائل پر نہ صرف روشنی ڈالی بلکہ ان انتہائی صالح و مفید اصولوں کے مطابق ایک معاشرہ قائم کر کے دکھادیا جس میں عورت و مرد کا باہمی رشتہ، سکون، مودّت و رحمت کا رشتہ تھا جس میں عورت بحیثیت ماں، بہن، بیوی یا بیٹی ہر حیثیت میں قابل احترام تھی۔ جہاں والدین، شفقت و رحمت کا نمونہ تھے اور اولاد ادب و فرمانبرداری کی تصویر، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہ تھا کہ "تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لیے بہترین ہے اور میں تم سب سے اپنے اہل و عیال کے لیے بہترین ہوں"۔

اس عظیم معلم انسانیت ؐ نے انسان کو سیاست کے پاکیزہ اصول بھی دیئے اور اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم بھی دی، انسانوں کو افراط و تفریط سے بچا ہوا ایک متوازن نظام معیشت بھی دیا۔

سامعین! مُعلمِ انسانیت کی حیثیت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے اعلی صفت قول اور فعل میں ہم آہنگی تھی۔ جو تعلیم آپؐ دوسروں کو دیتے تو خود بھی اس پر عمل کرتے نظر آتے۔ اگر آپؐ نے امانت اور دیانت یا ایفائے عہد کے بارے میں تلقین کی تو آپؐ کی حیات مبارکہ میں اس پر عمل کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔ آپ تھوڑا تھوڑا سکھاتے تاکہ مقصد حاصل ہو اور وہ علم انسان کے اخلاق و کردار کا حصہ بن جائے۔ اسی طرح آسان سے مشکل کی طرف تعلیم، مہذب دنیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سیکھی۔ جب آپ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو خاص ہدایت کی کہ اپنے احکام اور معاملات کو لوگوں کے لیے سہولت کا باعث بنا اور انہیں خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے پیش امام کی شکایت کی کہ یہ بہت لمبی لمبی نمازیں پڑھاتے ہیں تو آپ نے خفگی کا اظہار فرمایا کہ خیال رکھو بزرگ بیمار اور اپنی ضرورت سے جانے والے لوگ بھی نماز میں ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں دنیاوی اور دینوی تعلیم کی تفریق نہ تھی بلکہ ہر وہ علم جو نبی کے ساتھ مخلوق کے فائدے کے لئے ہو وہ دینی کی شاخ تصور کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں جنگی قیدی جو فدیہ نہیں دے سکتے تھے اُن کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں تو یہی ان کا فدیہ ادا کرنا ہو گا۔

سامعین کرام! وہ عظیم الشان تہذیب و تمدن جس کی نظیر لاتعداد مؤرّخین کے قول کے مطابق دنیا میں کہیں نہیں ملتی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے قائم کیا اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرکاروں نے اُسے عروج کی انتہائی بلندیوں پر پہنچایا اور کم و بیش چھ سو سال تک سارے عالم کی تہذیبی، علمی و سائنسی قیادت فقط اور فقط مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہی اور مشرق و مغرب ان کی تہذیبی و علمی ترقی سے منور ہوئے۔

آج بھی فلاح انسانیت کا دارومدار اسی بابرکت ہستی کی تعلیمات و اسوہ حسنہ پر عمل کرنے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

﴿30﴾ ﴿مشاہدات۔180﴾

آنحضورؐ کی عورتوں سے بیعت کے تناظر میں

حضور ایدہ اللہ کی احمدی عورتوں کو نصائح

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّ عُمۡیَانًا (سورۃ الفرقان:74)

یعنی وہ لوگ کہ جب ان کے رب کی آیات انہیں یاد دلائی جاتی ہیں تو ان سے بہروں اور اندھوں کا معاملہ نہیں کرتے۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اُسے دے چکے مال و جان بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

معزز سامعین! حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے 19 نومبر 2006ء کو لجنہ اماء اللہ برطانیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

انسان کو کبھی خود غرض نہیں ہونا چاہئے کہ صرف اپنی فکر رہے، صرف اپنی ضروریات کا خیال رکھتا رہے، صرف اپنے جذبات کا خیال رکھے۔ بلکہ دوسروں کی بھی فکر ہونی چاہئے، دوسروں کی ضروریات کی خاطر

قربانی کی سوچ ہونی چاہیئے، دوسروں کے جذبات کا خیال بھی رہنا چاہیئے۔ صرف اپنی عزت کا نہیں سوچنا چاہیئے بلکہ اپنے خاندان اور جماعت کی عزت کا خیال بھی ہر وقت ذہن میں رہنا چاہیئے۔

یہ بات بھی ہر وقت ذہن میں رہنی چاہیئے کہ میرا ایک بصیر خدا ہے جو ہر وقت مجھے دیکھ رہا ہے، میرا ایک علیم و خبیر خدا ہے جس کی نظر کی گہرائی میرے پاتال تک کا بھی علم رکھتی ہے، میرے اندر تک گئی ہوئی ہے، میری ہر بات کی اس کو خبر ہے، اس لئے کوئی بات اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اور جب اس کی ہر بات پر نظر ہے، اس کو ہر بات کا علم ہے، اس کو میرے اندر اور باہر کے پل پل کی خبر ہے تو پھر جب میں یہ اعلان کرتی ہوں کہ میں ایک احمدی مسلمان عورت ہوں تو ہمیشہ آپ کو یہ خیال رہے کہ مجھے ان باتوں کی طرف توجہ دینی چاہیئے جو خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچائی ہیں۔ اگر کبھی ہم ان باتوں کو کسی وجہ سے بھول گئے تو جب بھی یاد کروائی جائیں تو پھر اللہ کے نیک بندوں کی طرح ان سے ایسا معاملہ کرنا چاہیئے جیسے اللہ کے نیک بندے کرتے ہیں اور جن کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّ عُمۡیَانًا (سورۃ الفرقان:74)

یعنی وہ لوگ کہ جب ان کے رب کی آیات انہیں یاد دلائی جاتی ہیں تو ان سے بہروں اور اندھوں کا معاملہ نہیں کرتے۔

تو یقیناً احمدی عورت جس کے دل میں نیکی کا بیج ہے جس نے اسے ابھی تک احمدیت پر قائم رکھا ہوا ہے، جو وفاؤں کی پتلی ہے، جو دین کی خاطر قربانی کا فہم رکھتی ہے، جو خلافتِ احمدیہ سے عشق و محبت کا تعلق رکھتی ہے، اسے جب نصیحت کی جائے تو اندھوں اور بہروں کی طرح سلوک نہیں کرتی۔ اگر حقیقی احمدی ہے اور یہی ہر احمدی سے امید کی جاتی ہے کہ اسے ہر نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ اندھوں اور بہروں کی طرح کا سلوک اس سے ہو۔ پس جیسا کہ میں نے کہا، ایک احمدی کی یہی سوچ ہونی چاہیئے کہ مَیں نے ان باتوں کی طرف توجہ دینی ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائی ہیں اور یہی ایک مومن کی نشانی اور ایک مومن کی شان ہے۔ آپ جو عہد کرتی ہیں، ہمیشہ اس عہد کو اپنے سامنے رکھیں۔

سامعین! حضور ایدہ اللہ نے فرمایا۔

دیکھیں! جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے عہدِ بیعت لیا تو اس میں مردوں کے عہدِ بیعت سے زائد باتیں رکھیں، جن کا قرآنِ کریم میں ذکر ملتا ہے۔ جس میں شرک سے بچنے کی طرف توجہ ہے، برائیوں سے بچنے کی طرف توجہ ہے، اولاد کی صحیح تربیت کرنے کی طرف توجہ ہے اور فرمایا

وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِيۡ مَعۡرُوۡفٍ (الممتحنہ:13)

کہ نیک باتوں میں تیری نافرمانی نہیں کریں گی۔ تو اللہ تعالیٰ کوئی زبردستی نہیں کر رہا کہ ہر ایک سے زبردستی یہ (عہد) لو۔ ہاں اگر مسلمان ہونے کے لئے آئی ہیں تو پھر ان شرائط کی پابندی کرنی بھی ضروری ہے جو اسلام میں شامل ہونے کیلئے ضروری ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو یہی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ پس بعض دماغوں میں خاص طور پر اس ماحول میں آکے، آج کل کے معاشرے میں ہر جگہ ہی جو یہ خیال آجاتا ہے کہ ہم آزاد ہیں تو یاد رکھیں کہ ایک حد تک آزاد ہیں۔ لیکن جہاں آپ کے دین کے، شریعت کے احکامات کا تعلق ہے وہاں آزاد نہیں ہیں۔ اگر جماعت میں شامل ہوئے ہیں تو ان شرائط کی بہرحال پابند ہیں جو ایک احمدی کیلئے ضروری ہیں۔ دیکھیں! ابتداء میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں جب ان عورتوں نے بیعت کی تھی تو وہ معاشرہ بالکل آزاد تھا، اس میں کوئی قانون نہیں تھا، آج کی برائیوں سے زیادہ ان میں برائیاں موجود تھیں، تعلیم کی کمی تھی، چند ایک مگر وہ بھی معمولی سا پڑھی لکھی تھیں۔ خدا کے وجود کا کوئی تصور نہ تھا، وہ صرف بتوں کو جانتی تھیں، یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ علیم وخبیر اور بصیر خدا کیا ہے؟

لیکن جب بیعت کی تو اپنی زندگیوں میں ایک انقلاب پیدا کر لیا۔ جہالت کے اندھیروں سے نکل کر جب اسلام کی روشنی حاصل کی تو علم کی روشنی پھیلانے کا منبع ایک عورت بن گئی، پردے وغیرہ کی تمام رعایت کے ساتھ بڑوں بڑوں کو دین کے مسائل سکھائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سرٹیفکیٹ حاصل کیا کہ دین کا آدھا علم اگر حاصل کرنا ہے تو عائشہ سے حاصل کرو۔

میدانِ جنگ میں اگر مثال قائم کی تو اپنے پردے کے تقدس کو قائم رکھتے ہوئے، اپنی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رومیوں کی فوج سے اکیلی اپنے قیدی بھائی کو آزاد کروا کے لے آئی اور تاریخ میں اس

عورت کا ذکر حضرت خولہ کے نام سے آتا ہے۔ پھر مدینہ پر جب کفار کا حملہ ہوا تو مرد اگر خندق کھود کر شہر کی اس طرف سے حفاظت کر رہے تھے تو گھروں کی حفاظت عورتوں نے اپنے ذمّہ لے لی اور جب یہودیوں نے جاسوسی کرنے کیلئے اپنا ایک آدمی بھیجا کہ پتہ کرو تا کہ ہم اس طرف سے حملہ کریں اور مدینہ پر قبضہ کرلیں تو مرد تو اس جاسوس کے مقابلے پر نہ آیا لیکن عورت نے اس کو زخمی کر کے، مار کے باندھ دیا اور اٹھا کر اس کو باہر پھینک دیا۔

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس وقت عورتیں ہی تھیں جنہوں نے دین کی غیرت میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایک مثالی کردار ادا کیا اور وفا کی ایک مثال قائم کر دی۔ پس یہ طاقت، یہ جرأت، یہ وفا، یہ علم ان میں اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے اور اسے اپنی زندگیوں کا حصہ بنانے کی وجہ سے آیا تھا۔ اس لئے ہمیشہ یاد رکھیں کہ اگر بے نفس ہو کر اپنے دین کی تعلیم کو اپنے اوپر لاگو کریں گی، اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کریں گی، خدا تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ پیدا کریں گی تو آپ میں دین کی غیرت بھی پیدا ہوگی اور وفا بھی پیدا ہوگی اور آپ ہر قسم کے کامپلیکس (Complex) سے بھی آزاد ہو جائیں گی۔ ورنہ اس دنیا کی رنگینیوں میں ڈوب کر دنیاداروں کی طرح غائب ہو جائیں گی۔

پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی عورت نے اپنے اندر یہ انقلاب پیدا کیا کہ حقیقی مسلمات بنیں، مومنات بنیں، قانتات بنیں، تائبات بنیں، عابدات بنیں، آپ نے بھی اگر ان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے تو پھر ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی تعلیم کو اپنے اوپر لاگو کرنا ہوگا۔ اگر یہ لاگو نہ کیا تو پھر آپ مسلمان نہیں کہلا سکتیں، اگر آپ نے اپنے ایمانوں میں مضبوطی پیدا نہ کی اور معاشرے کی برائیوں سے اپنے آپ کو نہ بچایا تو مومنات نہیں کہلا سکتیں، اگر فرمانبرداری کے اعلیٰ معیار قائم نہ کئے تو قانتات نہیں کہلا سکتیں، اگر توبہ اور عبادتوں کی طرف ہر وقت توجہ نہ رکھی تو تائبات اور عابدات نہیں کہلا سکتیں۔

پس اپنے جائزے لیں کہ دعوے کیا ہیں اور عمل کیا ہیں، اپنے آپ کو خود Assess کریں، اپنے خود جائزے لیں۔ ہمیشہ اس مقصد کو سامنے رکھیں جو انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ اللہ کی رضا حاصل کرنا

آپ کا مطمح نظر ہو۔ اپنے لئے بڑے بڑے Targets بنائیں کہ Goal بنائیں جن کو حاصل کرنا ہے۔ اعلیٰ مقاصد کی نشاندہی کریں جن کی طرف بڑھنا ہے۔ جب آپ کے سامنے Targets بڑے ہوں گے تو پھر آپ ان کو حاصل کرنے کیلئے حقیقی کوشش کریں گی۔ لڑکیاں بھی اپنے جائزے لیں اور مائیں بھی اپنے جائزے لیں۔ اس سے آپ اپنی بھی اصلاح کر سکتی ہیں اور اپنی نسل کی بھی اصلاح کر سکتی ہیں، بچوں کی تربیت بھی اچھے رنگ میں کر سکتی ہیں۔ آج معاشرے میں اسلام کے خلاف ہر طرف حملے ہو رہے ہیں، آج اس کے دفاع کیلئے ہر احمدی بچی، ہر احمدی لڑکی اور ہر احمدی عورت کو اسی طرح میدانِ عمل میں آنے کی ضرورت ہے جس طرح پہلے زمانے کی عورت آئی یا قرونِ اولیٰ کی عورت آئی، ورنہ پھر آپ پوچھی جائیں گی کہ تمہارے سپرد کام کیا تھا اور تم نے کیا کیا؟ تمہارے دعوے کیا تھے اور تمہارے عمل کیا تھے؟

معزز سامعین! حضور ایدہ اللہ نے فرمایا۔

آج عورت کے حوالے سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں، بڑا Issue آجکل جو اٹھا ہوا ہے وہ حجاب یا اسکارف یا برقعہ کا مسئلہ ہے۔ مرد اس کی لاکھ وضاحتیں پیش کریں، جتنی مرضی اس کی توجیہیں پیش کریں کہ اسلام میں پردہ کیوں کیا جاتا ہے، جتنی مرضی اس کی Justification پیش کریں اس کا صحیح جواب اگر کوئی دے سکتی ہے تو وہ ایک باعمل اور نیک احمدی عورت دے سکتی ہے۔ پس بجائے کسی کامپلیکس (Complex) میں مبتلا ہونے کے، جرأتمند مسلمان احمدی عورت کی طرح اپنے عمل سے اور دلائل سے اس بات کو اپنے ماحول میں، اپنے معاشرے میں پہنچائیں کہ یہ قرآنی حکم ہماری عزتوں کیلئے ہے، ہمارا شرف بحال کرنے کیلئے ہے، یہ کوئی قید نہیں ہے۔

ان لوگوں کی حالت بھی دیکھ لیں۔ ایک طرف تو یہ لوگ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں جبر ہے، سختی ہے اور دوسری طرف خود بھی کسی کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کر رہے ہیں۔ اگر کوئی عورت اسکارف لینا چاہتی ہے، حجاب لینا چاہتی ہے تو ان سے کوئی پوچھے کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ آجکل کیونکہ عمل تو رہا نہیں جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہیں مانا ان مسلمان عورتوں کی اکثریت پردہ نہیں کرتی تو اسلام انہیں کوئی سزا نہیں دیتا، کوئی قانون انہیں سزا نہیں دے رہا۔ لیکن جو دین کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے پردہ کرتی ہے اس پر کسی دوسرے مذہب والے کا کیا حق ہے کہ کہے کہ سخت قانون بنانا

چاہئے تاکہ وہ پردہ نہ کرے، اسکارف نہ لے، سر نہ ڈھانپے۔ کل کو کہہ دیں گے کہ یہ تمہارا لباس ٹھیک نہیں ہے، شلوار نہیں پہننی، فراکیں پہنو یا جین پہنو یا میکسی یا کوئی ایسی چیز پہنو، ہمیں اعتراض ہے اور پھر اس پر بھی اعتراض شروع ہو جائے گا۔ پھر یہ کہہ دیں گے کہ چھوٹی فراکیں پہنو، اس طرح کی پہنو اور پھر منی اسکرٹ پہنو، پھر ننگے ہو جاؤ۔

تو ان لوگوں کا کسی عورت کی عزت سے کھیلنے کا کوئی حق نہیں بنتا۔ یہ آپ لوگ ہیں جنہوں نے جواب دینے ہیں کہ تم کسی کے ذاتی معاملات میں دخل دینے والے کون ہو؟ ان سے پوچھیں کہ یہ بھی تو آزادی سلب کرنے والی بات ہے۔ کسی کا لباس اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ یہ کیوں اس کے لباس پہننے کی آزادی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن کیونکہ ان کی حکومتیں ہیں، دنیا میں آجکل ان کا سکّہ چلتا ہے اس لئے ناجائز اور احمقانہ باتیں کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑی عقل کی بات کی ہے۔ تو احمدی عورت نے اپنی عزت بھی قائم کرنی ہے اور ہر ایسے اعتراض کا جواب بھی دینا ہے۔ اس کیلئے تیار ہو جائیں۔

بعض عورتیں احمدی کہلا کر بھی پتہ نہیں کیوں کسی کامپلیکس (Complex) کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کسی نے بتایا کہ ایک عورت نے کہا کہ میری بیٹی اگر اسکارف نہیں پہنتی یا جین اور دوسرا لباس پہنتی ہے تو اسے کچھ نہ کہو، وہ بڑی ڈیسنٹ (Decent) ہے۔

ڈیسنٹ کیوں ہے؟ کہ اس کی لڑکوں سے دوستی نہیں ہے۔ وہ آزاد ہے، اپنا اچھا بُرا جانتی ہے۔ تو یہ تو بچوں کی تربیت خراب کرنے والی بات ہے۔ آج اگر دوستی نہیں ہے تو کل کو دوستی ہو بھی سکتی ہے، آج اگر کسی برائی میں مبتلا نہیں ہے تو اسی آزادی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی برائی میں مبتلا ہو بھی سکتی ہے۔ اگر وہ آزاد ہے، اپنا اچھا بُرا جانتی ہے اور اس بات پر آزاد ہے کہ اسلامی حکم یا قرآنی حکم پردے پر عمل نہ کرے تو پھر جماعت بھی آزاد ہے، نظامِ جماعت بھی آزاد ہے، خلیفۂ وقت سب سے زیادہ اس کا حق رکھتا ہے کہ ایسے لوگوں کو پھر جماعت سے باہر کر دے جنہوں نے قرآنِ کریم کے بنیادی حکم کی تعمیل نہیں کرنی۔

معزز سامعین! حضور ایدہ اللہ نے فرمایا۔

اگر آپ ایک دنیاوی کلب بھی جائن (Join) کرتے ہیں تو اس کی بھی ممبر شپ کے کوئی قواعد و ضوابط ہوتے ہیں۔ اگر ان کو پورا نہ کریں تو ممبر شپ ختم ہو جاتی ہے۔ تو دین کا معاملہ تو خدا کے ساتھ ایک بانڈ

(Bond) ہے ایک عہدِ بیعت ہے۔ اگر اس کی واضح تعلیم کے خلاف عمل کریں گی اور اس کی تعلیم پر عمل کرنے سے انکار کریں گی تو پھر اگر آپ کی لڑکی کو یا آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ پردہ نہ کریں تو پھر مجھے بھی یہ حق حاصل ہے، اسی حق کی وجہ سے جو آپ کو حاصل ہے کہ پھر ایسے نافرمانوں کو جماعت سے نکال کر باہر کردوں۔ مَیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ایسا کروں گا، اس لئے کسی کو کوئی شکوہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ یہاں مَیں انتظامیہ کو بھی یہ بتادوں کہ پہلے Step میں یہ جائزہ لیں کہ کوئی لڑکی، کوئی ایسی عورت عہدیدار نہ ہو جو پردہ نہ کرتی ہو اور اگر باپردہ کام کرنے والی نہیں ملتی تو اس مجلس کو جس مجلس میں کام کرنے والی کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو باپردہ ہو کسی ساتھ کی مجلس کے ساتھ Attach کردیں یا کوئی باپردہ چاہے کم علم رکھنے والی ہو تو اس کو کام سپرد کردیں۔ اگر اس مجلس میں کوئی بھی نہیں ملتا جو اسلامی حکم کہ 'اپنے سر اور بال اور زینت کو ڈھانپو' پر عمل کررہی ہو اور قریب کوئی مجلس بھی نہ ہو تو پھر ایسی مجلس کو ہی بند کردیں۔ اوّل تو مجھے امید ہے کہ یہ جو مَیں نے انتہائی صورت پیش کی ہے ایسی خوفناک شکل کہیں نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ کے فضل سے جماعت میں نیکیوں میں آگے بڑھنے والی بے شمار خواتین ہیں۔ اگر بڑی عمر کی عورتوں میں سے نہیں تو نوجوان بچیوں میں سے مَیں دیکھ رہا ہوں کہ ایسی ہیں جو منافقت سے پاک ہیں، جو کسی قسم کی منافقت نہیں کرتیں۔ بعض اپنے گھر کے ماحول کی وجہ سے ایسی ہوں گی لیکن بہت ساری ایسی ہیں جو اپنے بڑوں سے زیادہ نیکیوں پر قائم ہیں۔ کوشش کرتی ہیں کہ حجاب لیں، حیا رکھیں۔ ایم ٹی اے کیلئے ایک پروگرام انہوں نے بنایا ہے جو ابھی دکھایا نہیں لیکن مَیں ریکارڈنگ دیکھ رہا تھا اس میں ہماری ایک بچی نے جو ٹیچر بھی ہے، جب سکول میں حجاب کا مسئلہ آیا تو یہ کہا کہ مَیں سکول میں بھی سر ڈھانکوں گی کیونکہ مَیں بچوں کو سکول میں یہ نہیں سکھانا چاہتی کہ مَیں نے منافقانہ رویّہ یا دوہرا معیار رکھا ہوا ہے۔ بچے مجھے باہر اسکارف میں دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ سکول میں کیوں نہیں لیتی، سکول میں سر کیوں نہیں ڈھانکتی؟ وہاں ایک Discussion یہ بھی ہو رہی تھی کہ پرائمری سکول میں چھوٹے بچوں کو پڑھانے والی ہماری ایک ٹیچر ہے وہ سر نہیں ڈھانپتی۔ ٹھیک ہے جہاں چھوٹے بچے ہوں، عورتیں ہوں بے شک نہ ڈھانپیں،

کوئی حرج نہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جس بچی نے کہا کہ مَیں سکول میں بھی سر ڈھانکوں گی، اس کے سکول میں بڑے بچے ہوں۔

تو بہر حال پردہ ایک اسلامی حکم بھی ہے اور ایک احمدی عورت اور نوجوان لڑکی کی شان بھی ہے اور اس کا تقدّس بھی ہے کیونکہ احمدی عورت کا تقدّس بھی اسی سے قائم ہے، اس کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ اسکارف کے ساتھ نچلا لباس بھی ڈھیلا ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ زینت نظر نہ آئے۔ بعض غیر از جماعت لڑکیاں نظر آجاتی ہیں، انہوں نے اسکارف تو شاید اس ری ایکشن (Reaction) میں لیا ہوتا ہے کہ ہمیں کیوں اسکارف لینے سے روکا جارہا ہے۔ لیکن ان کا جو لباس ہوتا ہے وہ Tight جین اور بلاؤز پہنے ہوتے ہیں۔ اس پردے کا کوئی فائدہ نہیں، وہ تو منافقت ہے۔ پردہ ایسا ہو جو پردہ بھی ہو اور وقار بھی ہو۔

پھر مجھے پتہ چلا ہے کہ ایک جگہ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں تو ایک عہدیدار عورت نے دوسری کو کہا کہ حالات کی وجہ سے اب پردے میں ہمیں کچھ Relax ہونا چاہئے، اتنی سختی نہیں کرنی چاہئے۔ ٹھیک ہے Relax ہو جائیں تو جس طرح مَیں نے پہلے کہا ہے کہ پھر وہ اپنا حق استعمال کریں اور مَیں اپنا حق استعمال کروں گا۔ یہ تو نہیں ہے کہ آپ اپنے حق لیتی رہیں اور میرا حق کہیں کہ تم استعمال نہ کرو۔ میں نے تو بہر حال اس حکم کی پابندی کروانی ہے انشاء اللہ تعالیٰ، جو قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے۔ نہیں تو جیسا کہ مَیں نے کہا دروازہ کھلا ہے جو جانا چاہتا ہے چلا جائے۔

معزز سامعین! حضور ایدہ اللہ نے فرمایا۔

مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کامپلیکس (Complex) کس وجہ سے ہے، کیسا ہے، کیوں ہے؟ یہاں کی لوکل برٹش عورتیں بھی ہیں، یورپ میں اور جگہ بھی احمدی ہوتی ہیں، لڑکیاں بھی ہیں، جماعت میں داخل ہو رہی ہیں۔ انہوں نے تو اسکارف پہننا شروع کر دیا ہے، اپنے سر ڈھانکنے شروع کر دیئے ہیں اور آپ لوگوں میں سے بعض ایسی ہیں جو احساسِ کمتری کا شکار ہو رہی ہیں۔ ابھی کل ہی یہاں کی ایک انگریز لڑکی جو چند دن پہلے احمدی ہوئی ہے مجھے ملی ہے، اس کو تو اسکارف یا حجاب کی کوئی عادت نہیں تھی لیکن اس نے بڑا اچھا حجاب لیا

ہوا تھا۔ یہ لوگ تو اس خوبصورت تعلیم پر عمل کرنے کے لئے اسے قبول کررہے ہیں اور ہماری بعض خواتین احساسِ کمتری کا شکار ہیں اس پر سوائے اِنَّا لِلّٰہِ کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال ہو کہ اس طرح سختی سے جماعت کم ہو گی، جماعت سے لوگ دوڑنا شروع ہو جائیں گے تو یاد رکھیں کہ جماعت کم نہیں ہو گی۔ ایسی تمام عورتیں بھی اگر چھوڑ دیں تو اللہ میاں کا وعدہ ہے اور اس کے مطابق وہ نئ قومیں عطا فرمائے گا۔ یہاں کے برٹش لوگوں میں سے بھی جو عورتیں آئی ہیں، احمدی ہوئی ہیں بڑی مخلص ہیں اور آئندہ بھی ان لوگوں میں سے ہی آپ دیکھیں گی کہ قطراتِ محبت ٹپکیں گے جو اسلام اور اسلام کی تعلیم سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ ابھی جس کا میں نے ذکر کیا ہے کہ کل ہی مجھے ملی ہیں اور بہت ساری ایسی ہیں، اس وقت یہاں میرے سامنے بیٹھی ہوئی ہیں جو خود احمدی ہوئی ہیں اور پھر احمدیت میں ترقی کرتی چلی گئیں۔ یہاں آپ کی صدر صاحبہ ہیں یہ بھی تو پاکستانی نہیں، جرمن ہیں، پردہ کرتی ہیں، برقعہ پہنتی ہیں ان کو تو کوئی کامپلیکس نہیں۔ تو جیسا کہ مَیں نے ذکر کیا ہے وہ خاتون جو شاید عہدیدار بھی ہے، وہ پردے میں Relax ہونا چاہتی ہے۔ اصل بات جو مَیں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ بنیادی طور پر وہ اعتراض مجھ پر کرنا چاہتی ہے کہ مَیں پردے کے معاملہ میں سختی کرتا ہوں۔ اس قسم کے لوگ جو گول مول باتیں کرتے ہیں یہ بھی منافقانہ حرکت ہے، پس اپنے آپ کو سنبھالیں اور ان نئ احمدیوں سے میں کہتا ہوں جو ان قوموں میں سے آرہی ہیں کہ اگر یہ پیدائشی احمدی اپنے پر اسلامی تعلیم لاگو نہیں کرنا چاہتیں تو ان کو نہ دیکھیں، آپ آگے بڑھیں اور ان لوگوں کیلئے نمونہ بن جائیں اور آگے بڑھ کر اسلام اور احمدیت کے حسن اور خوبیوں کو اس ماحول میں پھیلائیں۔

پردہ اور حیا ہر زمانے میں، ہر مذہب کی تعلیم رہی ہے۔ حضرت موسیٰ کے وقت میں بھی قرآن کریم میں جن دو عورتوں کا ذکر ہے کہ وہ ایک طرف کھڑی تھیں، اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا رہی تھیں تو وہ پردہ اور حیا کی وجہ سے ہی کھڑی تھیں کہ مرد جب فارغ ہو جائیں گے تب ہم آگے جائیں گی۔

پس حیا کو ایمان کا حصہ سمجھیں اور یہی ہمیں سکھایا گیا ہے۔ عیسائی عورتیں شروع زمانے میں پردہ کرتی تھیں، اپنے لباس ڈھانکے ہوئے پہنتی تھیں، بائبل میں پردے کی یہ تعلیم کئی جگہ درج ہے۔ اگر آج عیسائی پردہ نہیں کررہے جن کو دیکھ کر آپ متاثر ہو رہی ہیں تو وہ اپنے دین کو بھول رہے ہیں۔ اگر اپنے دین کو یاد

رکھیں، اس پر عمل کریں تو بے شمار برائیاں جو ان لوگوں میں راہ پا گئی ہیں وہ ختم ہو جائیں۔ یہاں میں آپ کی تسلی کیلئے، جن لوگوں کو کامپلیکس ہے ان کے لئے بائبل میں سے چند حوالے پیش کر دیتا ہوں، ایک حوالہ ہے:

”عورت مرد کا لباس نہ پہنے اور نہ مرد عورت کی پوشاک پہنے کیونکہ جو ایسے کام کرتا ہے وہ خداوند تیرے خدا کے نزدیک مکروہ ہے۔“

(استثناء باب 22 آیت 5)

پھر بائبل میں لکھا ہے:

”حسن دھوکا اور جمال بے ثبات ہے۔ لیکن وہ عورت جو خداوند سے ڈرتی ہے ستودہ ہو گی۔“

(امثال باب 31 آیت 30)

پھر ایک جگہ لکھا ہے:

”اسی طرح عورتیں حیادار لباس سے شرم اور پرہیزگاری کے ساتھ اپنے آپ کو سنواریں نہ کہ بال گوندھنے اور سونے اور موتیوں اور قیمتی پوشاک سے۔ بلکہ نیک کاموں سے جیسا خدا پرستی کا اقرار کرنے والی عورتوں کو مناسب ہے۔“

(ا۔ تیمتھیس باب 2 آیت 10,9)

پھر ایک (جگہ) ہے:

”جو مرد سر ڈھنکے ہوئے دعا یا نبوت کرتا ہے وہ اپنے سر کو بے حرمت کرتا ہے اور جو عورت بے سر ڈھنکے دعا یا نبوت کرتی ہے وہ اپنے سر کو بے حرمت کرتی ہے کیونکہ وہ سر مُنڈی کے برابر ہے۔ اگر عورت اوڑھنی نہ اوڑھے تو بال بھی کٹائے۔ اگر عورت کا بال کٹانا یا سر منڈانا شرم کی بات ہے تو اوڑھنی اوڑھے۔ البتہ مرد کو اپنا سر ڈھانکنا نہ چاہئے کیونکہ وہ خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے مگر عورت مرد کا جلال ہے۔“

(1۔ کرنتھیوں باب 11 آیت 4 تا 7)

تو اسلام پر تو یہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ضمنی بات بھی آگئی کہ مرد کو عورت سے Superior تو یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ مرد کا اپنا ایک مقام ہے عورت کا مقام نہیں....تو یہ سب دیکھنے کے بعد آپ لوگوں کو مضبوط ہونا چاہئے، مزید مضبوط ہونا چاہئے کہ آپ تو اپنی تعلیم پر عمل کرنے والی ہیں جو اسلام کی خوبصورت تعلیم ہے اور جو زندہ خدا کے ساتھ تعلق جوڑنے والی ہے۔ جبکہ یہ مغربی معاشرہ مذہبی دیوالیہ ہو چکا ہے، اپنے دین کی ہدایات کو بھلا بیٹھا ہے۔ پس ان کو کہیں کہ ہمارے خلاف باتیں کرنے کی بجائے، مضمون لکھنے کی بجائے، قانون بنانے کی بجائے، بیان دینے کی بجائے اپنی فکر کرو، ہمارے سر ننگے کرنے کی بجائے جو ہم اپنی خوشی سے ڈھانپتی ہیں، اپنی تعلیم کے مطابق اپنی عورتوں کے سر ڈھانپو۔ پس مَیں دوبارہ یہ کہتا ہوں کہ بجائے یہ کہنے کے کہ پردہ میں نرمی کرو یا مجھے ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ کہنے کے کہ پردہ کے معاملہ میں سختی کرتا ہے، اپنے احساسِ کمتری کو ختم کریں جن میں بھی یہ احساسِ کمتری ہے اور اس تعلیم پر عمل کریں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو برائیوں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ مرد کو عورت سے پہلے اس بات کی تلقین کی ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو، اپنی نظریں نیچی رکھو۔ پھر عورت کو حکم دیا ہے کہ نظریں نیچی رکھو۔ اور مرد میں عورت کی نسبت کیونکہ بیباکی زیادہ ہوتی ہے اس لئے عورت کو حکم دیا کہ گو کہ نظر نیچی رکھنے اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے کا دونوں کو حکم ہے تاہم مرد کی فطرت کی وجہ سے تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی زینت کو ڈھانکو تا کہ مرد کی بے محابا اٹھی ہوئی نظر سے بچ سکو۔

معزز سامعین! حضور ایدہ اللہ نے فرمایا۔

بعض لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ پہلے خلفاء نے پردہ کے بارہ میں اتنی سختی نہیں کی تھی تو چند حوالے وہ بھی مَیں آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں تا کہ تسلی ہو جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”یورپ کی طرح بے پردگی پر بھی لوگ زور دے رہے ہیں لیکن یہ ہرگز مناسب نہیں۔ یہی عورتوں کی آزادی فسق و فجور کی جڑ ہے۔ جن ممالک نے اس قسم کی آزادی کو روا رکھا ہے ذرا ان کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرو۔ اگر اس کی آزادی اور بے پردگی سے ان کی عفت اور پاکدامنی بڑھ گئی ہے تو ہم مان لیں گے کہ

ہم غلطی پر ہیں۔ لیکن یہ بات بہت ہی صاف ہے کہ جب مرد اور عورت جوان ہوں اور آزادی اور بے پردگی بھی ہو تو ان کے تعلقات کس قدر خطرناک ہوں گے۔ بد نظر ڈالنی اور نفس کے جذبات سے اکثر مغلوب ہو جانا انسان کا خاصہ ہے۔ پھر جس حالت میں کہ پردہ میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور فسق وفجور کے مرتکب ہو جاتے ہیں تو آزادی میں کیا کچھ نہ ہوگا۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 104، جدید ایڈیشن)

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا بھی اس بارہ میں ایک بیان ہے، فرماتے ہیں:

"شرعی پردہ جو قرآن شریف سے ثابت ہے یہ ہے کہ عورت کے بال، گردن اور چہرہ کانوں کے آگے تک ڈھکا ہوا ہو۔ اس حکم کی تعمیل میں مختلف ممالک میں اپنے حالات اور لباس کے مطابق پردہ کیا جا سکتا ہے۔"

(الفضل مؤرخہ 3/ نومبر 1924ء)

پھر فرماتے ہیں کہ:

"ہاتھ کے جوڑ کے اوپر (ہاتھ کا اشارہ کر کے بتایا کہ "یہاں سے") سارے کا سارا حصہ پردہ میں شامل ہے۔"

(الازھار لذوات الخمار حصہ دوم صفحہ 150)

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا بیان بھی بڑا سخت ہے، یہ بھی غور سے سن لیں۔ ناروے میں لجنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"میں ایسی خواتین سے جو یہاں پردہ کو ضروری نہیں سمجھتیں پوچھتا ہوں کہ انہوں نے پردہ کو ترک کر کے اسلام کی کیا خدمت کی ہے...... آج بعض یہ کہتی ہیں کہ ہمیں یہاں پردہ نہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ پھر کہیں گی کہ ننگ دھڑنگ سمندر میں نہانے اور ریت پر لیٹنے کی اجازت دی جائے۔ پھر کہیں گی شادی سے پہلے بچہ جننے کی اجازت دی جائے۔ مَیں کہوں گا پھر تمہیں دوزخ میں جانے کیلئے بھی تیار رہنا چاہئے... وہ اپنے آپ کو ٹھیک کر لیں قبل اس کے کہ خدا کا قہر نازل ہو۔"

(دورہ مغرب اگست 1980ء صفحہ 238-239)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ:

”... کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ دنیا میں اکثر جگہ پردہ اس طرح غائب ہو رہا ہے کہ گویا اس کا وجود ہی کوئی نہیں اور اس کے نتیجے میں جو انتہائی خوفناک ہلاکتیں سامنے کھڑی قوم کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہی ہیں، ان ہلاکتوں کا کوئی احساس نہیں ہے۔ ماں باپ اپنی بے عملی اور غفلتوں کے نتیجے میں اپنی نئی نسلوں کو ایک معاشرتی جہنم میں جھونک رہے ہیں اور کوئی نہیں جو اس کی پرواہ کرے۔ یہ صورتِ حال ساری دنیا میں اتنی سنگین ہوتی جارہی ہے کہ مجھے خیال آیا کہ اگر احمدیوں نے فوری طور پر اسلام کے دفاع کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں نہ لیا تو معاملہ حد سے آگے بڑھ جائے گا......“۔

پھر آپ نے فرمایا:

”......پھر ایسی خواتین ہیں جن کو باہر تو نکلنا پڑتا ہے لیکن وہ سنگھار پٹار کر کے نکلتی ہیں۔ اب کام کا سنگھار پٹار سے کیا تعلق ہے؟......“

پھر آپ فرماتے ہیں:

”......عورتیں سمجھتی ہیں کہ اگر ہم اس دنیا میں جہاں سے پردے اٹھ رہے ہیں اپنی سہیلیوں کے سامنے برقع پہن کر جائیں گی تو وہ کہیں گی کہ یہ اگلے وقتوں کی ہیں، پگلی ہیں، پاگل ہوگئی ہیں، یہ کوئی برقعوں کا زمانہ ہے اور یہی بات مردوں کو بھی تکلیف دیتی ہے۔ حالانکہ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ عزتِ نفس اور دوسرے کا کسی کی عزت کرنا انسان کے اپنے کردار سے پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کی نظر میں لباس کی کوئی بھی حیثیت نہیں رہتی۔ اگر کوئی آدمی صاحبِ کردار ہو تو اس کی عزت پیدا ہوتی ہے اور یہ عزت سب سے پہلے اپنے نفس میں پیدا ہونی چاہئے۔“

(خطبات طاہر جلد اوّل صفحہ 361-367)

پھر آپ نے فرمایا:

”یہاں پرورش پانے والی بچیاں اپنے سر کے بالوں کے بارے میں ایک ذہنی الجھن میں مبتلا ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ بالوں کو ڈھانک کر رکھنا ایک دقیانوسی بات ہے (بڑی Backwardness ہے)۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف نیم دلی سے قدم اٹھاتی ہیں نہ کہ بشاشتِ قلبی سے۔ وہ دراصل یہ کہہ رہی ہوتی ہیں کہ

اے خدا تو ہمیں اسی طور سے قبول فرمالے کہ ہم دوپٹہ اوڑھے ہوئے ہیں مگر اس طور سے جس طور سے یہودی اپنے سر کی پشت پر ایک چھوٹی سی "چپنی نما" ٹوپی پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ پس تو اپنی طرف اٹھا ہوا یہ ادھورا قدم بھی قبول فرمالے۔ لیکن اگر آپ سب کچھ خدا کی خاطر کرتی ہیں تو پھر یہ بالکل نامناسب ہے۔ یاد رکھیں کہ عورتوں کے خدوخال کا سب سے دلکش حصہ ان کے بال ہوتے ہیں، بالخصوص جب کہ وہ سامنے کی طرف لٹکے ہوئے ہوں۔ بعض لڑکیوں کو مَیں نے دیکھا کہ جب وہ دوپٹہ اپنے سر پر کھینچتی ہیں تو ایسے طریق سے کہ جس سے ان کے بال سامنے کی طرف جھک آئیں...۔ (آپ یہ دیکھیں کہ) کیا مَیں خدا تعالیٰ کی زیادہ پرواہ کرتی ہوں یا انسانوں کی؟"

(بچوں کی اردو کلاس مؤرخہ 06.06.98)

معزز سامعین! حضور ایدہ اللہ نے فرمایا۔

تو یہ تھے مختلف خلفاء کے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان۔ بعض لوگوں میں جو یہ سوچ پیدا ہوگئی ہے کہ فلاں خلیفہ نے تو ایسا نہیں کہا تھا اور فلاں خلیفہ کہہ رہا ہے۔ تو پہلی بات یہ ہے کہ آپ لوگ بغیر علم کے خلفاء پر بدظنی کر رہی ہیں کہ نعوذ باللہ وہ اللہ تعالیٰ کے بنیادی حکم پر عمل نہیں کروانا چاہتے تھے۔ جتنے خلفاء پہلے گزرے ہیں میں نے سب کا بیان پڑھ دیا تاکہ آپ لوگوں میں سے جس کسی کے ذہن میں بھی یہ غلط فہمی یا خنّاس تھا تو وہ دور ہو جائے۔

دوسری بات یہ کہ بعض حالات میں کوئی خلیفہ کسی بات پر زیادہ زور دیتا ہے اور کوئی کسی بات پر۔ اس لئے یہ کہنا کہ پہلے خلیفہ نے اس بارہ میں یہ بات کی تھی، تم بھی اس بارے میں اسی طرح کرو یہ تو خلافت کو پابند کرنے والی بات ہے اور اس کی بے ادبی ہے اور یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے بیعت صرف معاشرے کے دباؤ، ماں باپ کے دباؤ، خاوند کے دباؤ یا بچوں کے دباؤ کی وجہ سے کی ہے، دل سے نہیں کی۔ اگر دل سے بیعت کی ہو تو تمام معروف فیصلوں پر عمل کرنے کا جو عہد آپ نے کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہو اور کبھی ایسی بات نہ نکلے کہ یہ فیصلہ کیوں کیا اور یہ فیصلہ کیوں نہیں کیا؟ میں پھر واضح کر دوں کہ وہ چند ایک لوگ میرے زیادہ مخاطب ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں، سارے نہیں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت سے منسلک رہنا ہے تو قرآنِ کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکامات کی پابندی

کرنی ہو گی۔ پھر جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا تھا دو عملی نہیں چلے گی۔ یا خدا سے ڈریں یا بندے سے ڈریں۔

پس آج ہر احمدی عورت کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ بجائے لوگوں سے ڈرنے کے آج جبکہ اس معاشرے میں اسلام کے خلاف نفرتوں کے بیج بوئے جارہے ہیں، طوفانِ بدتمیزی پیدا کرنے کیلئے فضا ہموار کی جارہی ہے، اعلان کر کر کے ہر ایک کو بتائیں کہ تم چاہے جتنی مرضی پابندیاں لگالو ہمارے دلوں سے، ہمارے چہروں سے، ہمارے عملوں سے اس خوبصورت تعلیم کو نہیں چھین سکتے اور اگر تم لوگ مذہب سے دور جارہے ہو، دور ہٹ رہے ہو، تباہی کے گڑھے میں گر رہے ہو تو ہم تمہارے ساتھ اس جہنم میں گرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انسانیت کو اپنے برے کرتوتوں اور عملوں کے بھیانک انجام سے بچائے۔ آؤ اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اور ہمارے ساتھ شامل ہو کر اللہ کے حکموں پر عمل کرتے ہوئے اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرو کہ اسی میں تمہارے دلوں کا سکون اور تمہاری نسلوں کی بقا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہر باغیرت احمدی عورت جس کے دل میں کبھی ہلکا سا بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے بارے میں کوئی شائبہ پیدا ہوتا ہے وہ اس کو اپنے دل سے نوچ کر باہر پھینک دے گی اور حقیقی مسلمات، مومنات، قانتات، تائبات اور عابدات میں شامل ہو جائے گی۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

پردہ اعزاز ہے عورت کا تذلیل نہیں، تحقیر نہیں
جو رنگِ حیا سے عاری ہو وہ عورت کی تصویر نہیں
پردہ ہے علامت عصمت کی، پردہ ہے روایت عظمت کی
عورت کے تقدس کی خاطر کوئی اس سے حسیں تدبیر نہیں
عفت ہے، حیا ہے، نیکی ہے، جنت ہے، سکینت ہے عورت
عورت تو گھر کی زینت ہے بازاروں کی تشہیر نہیں

✡✡✡✡

﴿31﴾ ﴿مشاہدات۔526﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا، کشوف اور پیشگوئیاں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ (الجن:27-28)

کہ وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ کسی کو اپنے غیب پر غلبہ عطا نہیں کرتا۔ بجز اپنے برگزیدہ رسول کے۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ

اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اس کا عاشق بن کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہے۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 649)

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا و کشوف''

مندرجہ بالا آیت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء ہی وہ مبارک وجود ہوتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کثرت کے ساتھ غیب کی خبریں عنایت فرماتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی صفتِ عالم الغیب اور علام الغیوب کے بھی مظہر اتم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بھیجے ہوئے انبیاء میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ کلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک پیش آنے والے واقعات کی خبر بھی دی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو غیب کا علم بصورت وحی کے پایا اُس کا ایک بڑا حصہ قرآن کریم میں ابد تک محفوظ ہے آپ کے بیان کردہ غیب کا ایک بڑا حصہ تو قرآن کریم میں محفوظ ہے اور دوسرا حصہ آپؐ کی احادیث میں بیان کیا گیا

ہے۔ ہر پوری ہونے والی خبر اپنی ذات میں بیان کرنے والے کی سچائی کا اٹل ثبوت ہے۔ علمِ روایت کے لحاظ سے کوئی حدیث کتنی ہی کمزور ہو لیکن اگر اس کی پیشگوئی پوری ہو جاتی ہے تو وہ یقیناً درست اور خدا کی طرف سے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام اہل عرب کاہنوں، نجومیوں کے جال میں گرفتار تھے۔ مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دراز سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے۔ کاہن جھوٹ موٹ کی باتیں سنا کر پورے معاشرے کو بے وقوف بناتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تو ان کے لیے ثبوت نبوت کی سب سے بڑی دلیل غیب کی خبریں اور پیشن گوئیاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل کے واقعات اور باتوں کو اس طرح پیش فرماتے کہ گویا کھلی آنکھوں سے دیکھ کر بتا رہے ہوں۔ جن جن باتوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی وہ سب کی سب پوری ہوئیں۔ یہ پیشن گوئیاں مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف حالتوں میں صادر ہوئیں اور ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی۔ مثلاً کبھی نزول وحی کی صورت میں، کبھی عالم خواب میں اور کبھی قلب مبارک پر القاء کر کے۔

سامعین کرام! آج خاکسار وقت کی مناسبت سے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کشوف اور رؤیا آپ کے سامنے بیان کرے گا۔

ایک دفعہ نماز کسوف کے دوران ہونے والے کشفی نظارہ کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے بھی اس جگہ آئندہ کے وہ تمام نظارے کروائے گئے جن کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جنت و دوزخ کی کیفیات بھی دکھائی گئیں۔“

اس واضح اور جلی کشف میں بعض نعمائے جنت اپنے سامنے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لینے کے لیے آگے بڑھے اور جہنم کی شدت و تمازت کا نظارہ کر کے پیچھے ہٹے۔

(بخاری کتاب الجمعۃ باب اذا فتلت الدابۃ فی الصلوٰۃ:1134)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ شادی سے قبل تصویر دکھا کر بتایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہے۔ ظاہری حالات میں ایسا ہونا بظاہر ممکن نہ تھا۔ کیونکہ آپ دونوں کی عمروں میں

چالیس سال سے زیادہ کا فرق تھا۔ اس پیشگی غیبی خبر پر کامل ایمان کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال احتیاط سے اس کی تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ

”اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس رؤیا کا ظاہری رنگ میں پورا ہونا ہی مراد ہے تو وہ خود اس کے سامان پیدا کر دے گا۔“

(بخاری کتاب النکاح باب الابکار: 4688)

بظاہر ناموافق حالات کے اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کو پورا فرمایا اور حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں لانے کا اعزاز ملا۔

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان حائل ہو گئی جب صحابہ کرام اس کو توڑنے سے عاجز آ گئے اور چٹان باوجود کوشش کے نہ ٹوٹ سکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی گئی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ضربیں لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، خدا کی قسم میں شام کے سرخ محلات اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ اکبر۔ فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں خدا کی قسم! مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں۔ خدا کی قسم! صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل امین نے مجھے خبر دی کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 303 دارالفکر بیروت)

تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئیاں ہو بہو پوری ہوئیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے قریش کے متعدد کفار کے نام لیکر ان کی قتل گاہ کی نشاندہی کی کہ فلاں شخص اِس جگہ پر قتل ہو گا اور فلاں اِس جگہ پر قتل ہو گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی یہ پیشین گوئی بھی حرف بحرف ثابت ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کررہے تھے۔ اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل بدر کے متعلق ایک حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ جنگِ بدر سے ایک دن پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آگاہ فرمایا کہ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فلاں شخص کل یہاں قتل کیا جائے گا ان شاء اللہ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! جو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے قتل کی مقرر کی تھی وہ اس سے ذرہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوا، یعنی بعینہٖ اسی جگہ پر قتل ہوا۔

(صحیح مسلم:2873)

سامعین! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو گھر سے باہر لائے، پھر اسے منبر پر لے گئے اور ارشاد فرمایا "اِبْنِی هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے۔"

(صحیح بخاری حدیث:2704)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فوج ان سے جنگ کرنے پر تیار ہو گئی لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو گئے جس سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کی راہ ہموار ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ہی تھے اور مسلمان انتہائی کمزور، مظلوم ومقہور تھے۔ چنانچہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو پہلی قوموں کی قربانیوں کی مثالیں دے دے کر صبر کی تلقین فرماتے تھے، جب کہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے تازہ نشان بھی مسلمانوں کے لیے انشراح صدر اور مضبوطیٔ ایمان کا موجب ہوتے تھے، مثلاً معجزہ شقِ قمر وغیرہ۔ چاند عربوں میں حکومت کا نشان سمجھا جاتا تھا، اس کے دو ٹکڑے کر کے دکھانے میں یہ بلیغ اشارہ بھی تھا کہ قریش کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے

ہو جائے گی اور ان کی وحدتِ ملّی پارہ پارہ ہو کر رہے گی۔ سورۃ قمر، جس میں واقعہ شقِ قمر کے بارے میں ذکر ہے، اسی میں مسلمانوں کے مقابل پر کفار کے ایک بڑے گروہ کی پسپائی کا ذکر ہے، جیسے فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر:46) یعنی (اس روز قریش کی) جمعیت پسپا ہو گی اور یہ (اور ان کے لشکر) پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ کمزوری کے اس زمانے میں دشمن اس پیشگوئی کو دیوانے کی ایک بڑ کہہ سکتے تھے اور اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ساحر و مجنون کا الزام لگاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے جس شان سے ان وعدوں کو پورا فرمایا، اس پر اہلِ مکہ بھی انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ بظاہر نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کو حیرت انگیز فتح عطا فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنکریوں کی ایک مٹھی آندھی وطوفان بن کر کفار کو پسپا کرنے کا موجب بن گئی۔

(بخاری کتاب الجہاد باب ما قبل فی درع النبیؐ:2699)

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور پیشگوئی کسریٰ شاہ ایران کی ہلاکت کے بارہ میں بھی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ شاہ ایران کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے خط لکھا، شاہ ایران نے وہ خط پھاڑ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپؐ کو دلی تکلیف ہوئی اور آپؐ کے دل سے اس کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی دعا نکلی جس کے مطابق یہ جابر و ظالم بادشاہ بھی ہلاک ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی خط کو کسریٰ نے اپنی ہتک سمجھا اور یمن کے حاکم باذان کو بھجوایا کہ اس شخص کو جو حجاز میں ہے، دو مضبوط آدمی بھجوا کر گرفتار کراؤ اور اُسے میرے پاس لاؤ۔ باذان نے ایک افسر بابویہ نامی اور ایک ایرانی شخص کے ہاتھ اپنا خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں اشخاص کے ساتھ شاہ ایران کے پاس حاضر ہوں۔ بابویہ کو اس نے یہ بھی کہا کہ نبوت کے دعویدار سے جا کر خود بات کرو اور اس کے حالات سے مجھے مطلع کرو۔ یہ لوگ طائف پہنچے تو پتہ چلا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہیں دونوں قاصد مدینہ پہنچے، بابویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی اور بتایا کہ کسریٰ شاہ ایران نے شاہ یمن کو حکم بھجوایا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھجوایا جائے۔ مجھے باذان نے بھیجا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں لیکن اگر آپ میرے ساتھ چلنے سے انکاری ہیں تو آپ خود جانتے ہیں کہ اس میں آپ کی پوری قوم کی ہلاکت اور

آپ کے ملک کی تباہی و بربادی ہے۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ ”اس وقت تم دونوں جاؤ، صبح آنا۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی کہ شہنشاہ ایران کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا گیا ہے، اس نے اپنے باپ کو فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا ہے۔

اگلی صبح جب وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان دونوں سے فرمایا کہ ”میرے رب نے فلاں مہینے کی فلاں تاریخ رات کے وقت تمہارے رب کو ہلاک کر دیا ہے اور اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر کے اسے قتل کر دیا ہے۔“ وہ دونوں کہنے لگے: ”آپ کو پتہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا ہم آپ کی یہ بات شہنشاہ ایران کو لکھ دیں؟“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جلال سے فرمایا: ”ہاں! میری طرف سے اسے اطلاع کر دو اور جا کر یہ پیغام دے دو کہ میرا دین اور میرا غلبہ یقیناً تمہارے ملک پر بھی ہو گا اور اس کو کہہ دینا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تمہارا یہ ملک تمہارے ماتحت کر دیا جائے گا اور تمہیں تمہاری قوم پر حاکم بنا دیا جائے گا۔“

یہ دونوں جب حاکم یمن باذان کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ ”یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں ہے، یہ شخص تو نبی معلوم ہوتا ہے۔ جو کچھ اس نے کہا ہے ہم اس کا انتظار کرتے ہیں۔ اگر تو یہ سچ نکلا تو یقیناً یہ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم اس کے بارہ میں اپنا فیصلہ کریں گے۔“ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد باذان کو نئے شہنشاہ شیرویہ کا خط آیا جس میں اس نے لکھا تھا: ” میں نے اپنے ملک ایران کے مفاد کی خاطر اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے، کیونکہ وہ ایرانی سرداروں اور معززین کے قتل کا حکم دیتا اور ان کو قید کرتا تھا۔ اب تم میرا یہ خط پہنچتے ہی عوام سے میری اطاعت کا عہد لو اور میرے باپ نے جو خط حجاز کے ایک شخص کی گرفتاری کا لکھا تھا، کالعدم سمجھو، یہاں تک کہ میرا دوسرا حکم تمہیں پہنچے۔“ کسریٰ کے بیٹے کا خط پڑھتے ہی باذان کہنے لگا کہ ”یہ شخص تو اللہ کا رسول ہے۔“ چنانچہ اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور کئی ایرانی باشندے بھی جو یمن میں آباد تھے، مسلمان ہو گئے۔

(طبری، تاریخ الامم والملوک جز 3 صفحہ 248، دارالفکر بیروت)

معزز سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ پیشن گوئیاں، رؤیا الٰہی منشاء کے مطابق کسی نہ کسی رنگ میں ضرور پوری ہوئیں اور ہمیں یقین ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے وہ وعدے بھی ضرور پورے ہوں گے۔

آخری زمانہ کے بعض خوش قسمت گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ فرمایا ہے، ایک وہ جو ہندوستان سے جہاد کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگی۔"

(نسائی کتاب الجهاد باب غزوة الهند)

اس پیشگوئی کا پہلا حصہ محمد بن قاسمؒ کے سندھ فتح کرنے سے مکمل ہوا جب محمد بن قاسم نے سندھ کے لوگوں کو وہاں کے ظالم حکمرانوں سے نجات دلائی اور وہاں عدل و انصاف کی حکومت قائم کیا اور اسلام کا آغاز کیا۔ پیشن گوئی کے دوسرے حصہ کا تعلق اس آخری زمانہ سے معلوم ہوتا ہے، جس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

"اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ کر دکھایا، یہاں تک کہ اس کے مشرقی کنارے بھی اور مغربی کنارے بھی اور میری امت کی حکومت زمین کے ان تمام کناروں تک پہنچے گی جو مجھے سمیٹ کر دکھائے گئے تھے اور مجھے دو خزانے دیے گئے، ایک سرخ خزانہ (یعنی سونے کا) اور ایک سفید خزانہ (یعنی چاندی کا)"

(مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعة باب هَلاكُ هذه الامة بعضهم ببعض:5144)

آخری زمانہ کے بارے کی علامات کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ کا حال ہوا اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ لیکن ایک فرقے کے سوا سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کون سا ہے فرمایا وہ فرقہ جو میرے اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہو گا۔

(ترمذی ابواب الایمان باب افتراق هذه الامة حدیث نمبر 2564)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے تب اللہ تعالیٰ مہدی کو ظاہر ہونے کا ارشاد فرمائے گا اس کے ذریعہ اسلام کو غلبہ بخشے گا اور اس کی تجدید کرے گا۔

(ینابیع المودہ جلد 3 صفحہ 100 شیخ سلیمان۔ طبع دوم مطبع عرفان بیروت)

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میں تمہیں مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو لوگوں کے اختلاف اور زلازل کے وقت آئے گا اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔

(مسند احمد۔ حدیث نمبر 10898)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کی علامات میں موعود امام کی بشارت بھی بیان فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ پر سورت جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپؐ نے آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کی تلاوت فرمائی تو میں نے سوال کیا کہ اے خدا کے رسول! یہ کون لوگ ہیں۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ میں نے دو تین مرتبہ یہ بات پوچھی۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں ہمارے درمیان سلمان فارسی موجود تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا ستارہ کی بلندی تک بھی چلا گیا تو ان لوگوں یعنی قوم سلمان میں سے کچھ لوگ اسے واپس لے آئیں گے۔

(صحیح البخاری کتاب التفسیر سورت الجمعہ وآخرین منھم حدیث نمبر 4897)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم پیشن گوئیوں میں سے ایک خلافت علیٰ منہاج النبوت کے قیام کی پیش گوئی بھی تھی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اندر نبوت موجود رہے گی جب تک خدا چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھالے گا پھر خلافت علیٰ منہاج النبوت ہوگی

جب تک خدا چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ یہ نعمت بھی اٹھالے گا پھر ایک طاقتور اور مضبوط بادشاہت کا دور آئے گا جب تک اللہ چاہے گا وہ رہے گا پھر اسے بھی اٹھالے گا اور ظالم وجابر حکومت کا زمانہ آئے گا پھر خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہو گی۔

(مسند احمد حدیث 17680)

حضرت نواس بن سمعانؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مجھے دکھایا گیا کہ عیسیٰ ابن مریم دمشق سے شرقی جانب اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے سفید منارہ سے نکلیں گے ... وہ اس حال میں چلیں گے کہ ان پر سکینت طاری ہو گی اور زمین ان کے لیے سمیٹی جائے گی... اور جو اس وقت عیسیٰ ابن مریم کا دامن پکڑے گا لوگوں میں بڑی مرتبت والا ہو گا۔

(کنز العمال کتاب القیامہ ذکر یاجوج ماجوج قسم الافعال حدیث نمبر 39725)

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کا قادیان میں ہونا بھی اس پیش گوئی پر پورا اترتا ہے کیونکہ قادیان دمشق کے عین مشرق میں ہے۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ پیش گوئی بھی پوری اترتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ اتریں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو مٹائیں گے۔ ان کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی وہ مال دیں گے لیکن کوئی قبول نہیں کرے گا۔ خراج ختم کریں گے۔

(مسند احمد حدیث نمبر 7562)

سامعین! ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مسیح موعود کے ماننے کی توفیق دی جس کی آمد کا اعلان ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیش خبریوں میں اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمال بھی بجالانے کی توفیق دے کہ ہم حقیقی طور پر مسیح موعود کی جماعت کہلاسکیں کیونکہ اسی صورت میں ہم صحابہ کی جماعت میں شامل ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

مبارک	وہ	جو	اب	ایمان	لایا
صحابہ	سے	ملا	جب	مجھ کو	پایا
وہی	مَے	ان	کو	ساقی نے	پلا دی
فسبحان		الذی		الاخزی	الاعادی

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

﴿32﴾ ﴿مشاہدات۔305﴾

خطبہ حجۃ الوداع۔ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ

انسانی حقوق کا جامع منشور

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (المائدہ:9)

محمدؐ عربی بادشاہ ہر دو سرا
کرے ہے روحِ قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پر کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

سامعین! آج میری تقریر کا موضوع ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع۔ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک ہی حج کیا۔ ایک دفعہ اِس سے قبل حج کی نیت سے صحابہؓ کے ساتھ مکّہ تشریف لے گئے۔ مگر سردارانِ مکہ کی مخالفت کی وجہ سے حدیبیہ کے مقام پر چند دن قیام فرما کر حج کئے بغیر مدینہ واپس تشریف لے آئے تھے۔ 10 ہجری کو جب حج کا موسم قریب آیا تو آپؐ نے حج کرنے کا ارادہ فرمایا اور سینکڑوں صحابہ کے ساتھ عازمِ مکّہ ہوئے اور اپنی زندگی کے آخری حج کی عبادات سرانجام دیں۔ اس موقع پر آپؐ پر آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (المائدہ:9) نازل ہوئی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے کہ آج مَیں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور جتنے روحانی انعامات خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر

نازل ہو سکتے ہیں وہ سب مَیں نے تمہاری امت کو بخش دیئے ہیں اور اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ تمہارا دین خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی ہے۔

(ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ از دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ:345)

اِس مبارک سفر کے دوران مقامِ منیٰ پہنچ کر آپؐ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو حجۃ الوداع کے خطبہ کے نام سے موسوم ہوا یعنی الوداع کرنے والا خطبہ۔ اِس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کرنے کی زندگی نے مہلت نہ دی۔ اس کو آخری حج دو وجہ سے کہا جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ لَعَلِّیْ لَا اَلْقَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا بِھٰذَا الْمَوْقَفِ اَبَدًا کہ آج میری تم سے آخری اجتماعی ملاقات ہے شاید اس مقام پر آج کے بعد آپ سے ملاقات نہ ہو سکے اور دوم ایک روز قبل مزدلفہ مقام پر حضورؐ نے سورۃ المائدہ آیت 4 کی تلاوت فرمائی جس میں تکمیلِ دینِ اسلام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس کو سُن کر صحابہؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور اُداس اُداس سے نظر آنے لگے تھے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الوداع ہونے کا وقت اب قریب ہے۔ بالخصوص حضرت عمرؓ کے رونے اور اُداس ہونے کا ذکر بطورِ خاص احادیث میں ملتا ہے۔

سامعین! مجھے اِس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس حج کی تفصیلات بیان کرنی مقصود نہیں۔ میرا اصل مقصد آپؐ کے 23 سالہ دورِ رسالت کی ہمہ جہت تعلیمات کے خلاصے پر مشتمل اُس تاریخ ساز خطبہ کی تفصیلات بیان کرنا ہے جسے انسانی حقوق کا چارٹر یا منشور کا نام دیا جا سکتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے اور شاید اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اِس حوالے سے رہنمائی بھی فرما دی ہو کہ اسلام جب فیج اعوج کے دَور سے گزرتا ہوا اُس آخری مبارک دَور میں داخل ہو گا جب رَجُلِ فارس، ثریا سے ایمان کو لا کر لوگوں کے دلوں میں از سرِ نو جاگزین کرے گا۔ اُس گمشدہ ایمان کی ایک شق جس کا تعلق حقوق العباد سے ہو گا۔ اُس کو، اُس کی اہمیت، افادیت اور برکات کو دلوں میں ڈالے گا کیونکہ انسانیت اور اُس کا احترام مفقود ہو چکا ہو گا۔ اسی لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جو آخری پیغام دیا وہ احترامِ انسانیت کا تھا۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے ہماری فیملی یا خاندان سے کسی بزرگ کی وفات ہو تو وہ بزرگ دنیا چھوڑنے سے قبل کوئی نصیحت یا پیغام اپنی نسل کے لئے اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو ورثاء اس نصیحت اور پیغام کو یاد رکھتے ہیں،

دہراتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو یاددہانی کرواتے رہتے ہیں۔ بعینہٖ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے روحانی بزرگ اور خاتم النبیین ہیں اور امتِ مسلمہ بطور خاندان کے ہے۔ آپؐ نے اپنے روحانی خاندان کے افراد وخواتین کو اپنے آخری پیغام میں انسانی حقوق کا منشور عنایت فرمایاہے۔ جسے آج پرچار کرنے کی ضرورت ہے۔ جسے آج اپنی نجی اور اجتماعی محفلوں میں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ جسے سوشل میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ پھیلانے کی ضرورت ہے تا آج بھی وہ اسلامی روحانی معاشرہ قائم ہو جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں تھا اور ہم بھی صحابہؓ کے رفیق کہلا سکیں اور قولِ رسولؐ اَصْحَابِیْ کَالنَّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَ یْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ کا درجہ پا کر ہم جہاں ہدایت یافتہ کہلائیں وہاں دوسروں کو ہدایت دینے والے بھی ہوں۔

سامعین! یہ خطبہ سینکڑوں کتب احادیث، تواریخ، سِیَر اور دیگر کتب میں ملتاہے اور ہر مصنّف نے اِس کا کچھ حصہ اپنی کتاب میں دیا۔ بعض مصنّفین نے بہت محنت کے ساتھ مختلف کتب کی چھان پھٹک کرکے اِس خطبہ کے الفاظ اکھٹے کئے ہیں۔ اِس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حج کا یہ مبارک و مقدس مجمع لاکھوں افراد پر مشتمل تھا۔ اُس وقت آواز سامعین تک بآسانی پہنچانے کے لئے کوئی آلہ تو میسر نہ ہوتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ آگے اپنی بلند آواز میں بیان کرتے رہے اور اِن کی آواز کو بعض اور لوگوں نے اخیر تک پہنچایا۔ ہر سامع نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اِس کو یاد رکھا اور آنے والے لوگوں کے لئے تاریخ کا حصہ بنایا۔ مَیں آج تقریر میں جو خطبہ جمعہ کے پوائنٹس رکھنے جارہاہوں اُن میں سب سے پہلے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا بیان شدہ خطبہ آپ سامعین کے سامنے رکھوں گا جو آپؓ نے دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ 345-347 میں تحریر فرمایا ہے۔ خاکسار سامعین کی آسانی کے لئے اِس متن کو ذیلی عناوین کی سہ سرخیوں کے ساتھ پیش کر رہاہے۔

میری بات کو غور سے سنو

اے لوگو! میری بات کو اچھی طرح سنو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اِس سال کے بعد کبھی بھی میں تم لوگوں کے درمیان اِس میدان میں کھڑے ہو کر کوئی تقریر کروں گا۔

وراثت کے حقوق

تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں کو خدا تعالیٰ نے ایک دوسرے کے حملہ سے قیامت تک کے لئے محفوظ قرار دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر شخص کے لئے وراثت میں اُس کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ کوئی وصیت ایسی جائز نہیں جو دوسرے وارث کے حق کو نقصان پہنچائے۔

نسب سے وفاداری

فرمایا۔ جو بچہ جس کے گھر میں پیدا ہو وہ اُس کا سمجھا جائے گا اور اگر کوئی بدکاری کی بناء پر اُس بچے کا دعویٰ کرے گا تو وہ خود شرعی سزا کا مستحق ہو گا۔ جو شخص کسی کے باپ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے یا کسی کو جھوٹے طور پر اپنا آقا قرار دیتا ہے خدا اور اُس کے فرشتوں اور بنی نوع انسان کی لعنت اُس پر ہے۔

میاں بیوی اور عورتوں کے حقوق

فرمایا۔ اے لوگو! تمہارے کچھ حق تمہاری بیویوں پر ہیں اور تمہاری بیویوں کے کچھ حق تم پر ہیں۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ عفت کی زندگی بسر کریں اور ایسی کمینگی کا طریق اختیار نہ کریں جس سے خاوندوں کی قوم میں بے عزتی ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم (جیسا کہ قرآن کریم کی ہدایت ہے کہ با قاعدہ تحقیق اور عدالتی فیصلہ کے بعد ایسا کیا جا سکتا ہے) انہیں سزا دے سکتے ہو مگر اس میں بھی سختی نہ کرنا۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرتیں جو خاندان اور خاوند کی عزت کو بٹہ لگانے والی ہو تو تمہارا کام ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق ان کی خوراک اور لباس وغیرہ کا انتظام کرو اور یاد رکھو کہ ہمیشہ اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کی نگہداشت تمہارے سپرد کی ہے۔ عورت کمزور وجود ہوتی ہے اور وہ اپنے حقوق کی خود حفاظت نہیں کر سکتی۔ تم نے جب ان کے ساتھ شادی کی تو خدا تعالیٰ کو ان کے حقوق کا ضامن بنایا تھا اور خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت تم کو اپنے گھروں میں لائے تھے (پس خدا تعالیٰ کی ضمانت کی تحقیر نہ کرنا اور عورتوں کے حقوق کے ادا کرنے کا ہمیشہ خیال رکھنا۔

قیدیوں کے حقوق

فرمایا۔ اے لوگو! تمہارے ہاتھوں میں ابھی کچھ جنگی قیدی بھی باقی ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ان کو وہی کچھ کھلانا جو تم خود کھاتے ہو اور ان کو وہی پہنانا جو تم خود پہنتے ہو۔ اگر ان سے کوئی ایسا قصور

ہو جائے جو تم معاف نہیں کر سکتے تو ان کو کسی اَور کے پاس فروخت کر دو کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں اور ان کو تکلیف دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

مسلمان بھائی بھائی اور تمام بنی نوع انسان برابر ہیں

آپؐ نے مزید فرمایا۔ اے لوگو! جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں سنو اور اچھی طرح اس کو یاد رکھو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے تم سب ایک ہی درجہ کے ہو۔ تم تمام انسان خواہ کسی قوم اور کسی حیثیت کے ہو انسان ہونے کے لحاظ سے ایک درجہ رکھتے ہو۔ یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں ملادیں اور کہا جس طرح ان دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں برابر ہیں اِسی طرح تم بنی نوع انسان آپس میں برابر ہو۔ تمہیں ایک دوسرے پر فضیلت اور درجہ ظاہر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ تم آپس میں بھائیوں کی طرح ہو۔

ہر ایک کی جان و مال اور عزت و آبرو مقدس ہے

پھر (سوالیہ رنگ میں پوچھتے ہوئے) فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم ہے آج کونسا مہینہ ہے؟ کیا تمہیں معلوم ہے یہ علاقہ کون سا ہے؟ کیا تمہیں معلوم ہے یہ دن کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں! یہ مقدس مہینہ ہے، یہ مقدس علاقہ ہے اور یہ حج کا دن ہے۔ ہر جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس طرح یہ مہینہ مقدس ہے، جس طرح یہ علاقہ مقدس ہے، جس طرح یہ دن مقدس ہے اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی جان اور اُس کے مال کو مقدس قرار دیا ہے اور کسی کی جان اور کسی کے مال پر حملہ کرنا ایسا ہی ناجائز ہے جیسے کہ اس مہینے اوراِس علاقہ اور اِس دن کی ہتک کرنا۔ یہ حکم آج کے لئے نہیں، کل کے لئے نہیں بلکہ اُس دن تک کے لئے ہے کہ تم خدا سے جا کر ملو۔

(بخاری کتابُ المغازی باب حجۃ الوداع از دیباچہ تفسیرُ القرآن صفحہ 345-347)

حبشی کی بھی اطاعت کرو

اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اگر کسی حبشی کو بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے جو اگرچہ کَن کٹا ہی ہو، تو تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق احکام جاری کرے۔

(ترمذی از بدر قادیان 19 دسمبر 2013ء)

علم حاصل کرو اور سوالات سے بچو

اے لوگو! علم حاصل کرو قبل اس کے کہ وہ قبض کیا جائے اور قبل اس کے کہ وہ (علم) اٹھالیا جائے اور اللہ تعالیٰ عزّوجلّ نے نازل فرمایا ہے۔ "اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگواری ہو اور اگر تم قرآن کے نازل ہوتے وقت ان کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (گزشتہ سوالات) اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! اور علم کا جانا یہ ہے کہ اس کے اٹھانے والے چلے جائیں۔ آپؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔"

(مسند احمد از بدر قادیان 19 دسمبر 2013ء)

اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو

مَیں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے "اللہ کی کتاب۔"

(مسلم)

ایک روایت میں قرآن و سنت دونوں کا ذکر ہے۔

ارکانِ اسلام کی ادائیگی کرتے رہو

فرمایا۔ اے لوگو! یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچ وقت نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا اور خوشی خوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دینا، اپنے پروردگار کے گھر کا حج کرنا اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرنا۔ ایسا کرو گے تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہوگے۔

(ابن ماجہ، ابن عساکر، رحمۃ للعالمین 1/263)

سود حرام ہے

ہر سود حرام ہے۔ ہاں تم لوگ اپنا اصل روپیہ بغیر ظلم کیے اور ظلم اٹھائے لے سکتے ہو۔

شرک کا خاتمہ

اے لوگو! دیکھو! دین کے بارے میں شیطان سے ڈرو۔ نیز زمانہ جاہلیت کی ہر رسم میرے قدموں کے نیچے ہے۔

توحید

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے۔ کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی۔ تنہا اس کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

مساوات

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و اکرام والا وہی ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر۔ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ انسان سارے آدم علیہ السلام کی ہی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ پس بیت اللہ کی تولّیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہ باقی رہیں گی۔

خود احتسابی

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

باہمی حقوق

خبردار! اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہو گا۔ نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ ہی بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے۔ سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور اس کو خوشی خوشی دے دے۔ لہذا اپنے اُوپر ظلم نہ کرنا۔

احسان و دیانتداری

قرض واجب الادا ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کی جائے۔ تحفے کا بدلہ دیا جائے اور جو شخص جس کا ضامن ہے وہ تاوان ادا کرے۔

غلاموں کے حقوق

اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔

ادائیگی امانت

دیکھو! کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچادے۔

شہادت حق

تم سے میرے بارے میں (اللہ کے ہاں) سوال کیا جائے گا بتاؤ! تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت پہنچادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقِ رسالت ادا فرمایا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور پھر لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا: ”اے اللہ! گواہ رہنا۔ اے اللہ! گواہ رہنا۔ اے اللہ! گواہ رہنا۔“

فریضۂ تبلیغ

خطبہ کے آخر پر آنحضور صلی اللہ علیہ فرمایا۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں جو میں تم سے آج کہہ رہا ہوں اِن کو دنیا کے کناروں تک پہنچادو کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور بات کو زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو، کبھی سننے والا پیغام پہنچانے والے سے زیادہ سمجھنے اور عمل کرنے والا ہوتا ہے۔

اے مولیٰ کریم! ہم سب کو انسانی حقوق کے اِس چارٹر پر کماحقہ عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں
محمدؐ است فرو زندۂ زمین و زماں

خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا
خدا نما ست وجودش برائے عالمیاں

(کتاب البریہ روحانی خزائن جلد نمبر 13 صفحہ نمبر 157 حاشیہ)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی دونوں جہانوں کا امام اور چراغ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی زمین وزماں کا روشن کرنے والا ہے۔ مَیں خوفِ خدا کی وجہ سے اُسے خدا تو نہیں کہتا مگر خدا کی قسم اس کا وجود اہل جہاں کے لئے خدا نما ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَ غَمِّهٖ وَ حُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ اَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿33﴾ ﴿مشاہدات۔310﴾

واقعہ معراج اور اسراء کی حقیقت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم:12)

ترجمہ: پس اس نے اپنے بندے کی طرف وہ وحی کیا جو بھی وحی کیا-اور دل نے جھوٹ بیان نہیں کیا جو اس نے دیکھا۔

محمدؐ عربی بادشاہ ہر دو سرا
کرے ہے روحِ قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پر کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

معزز سامعین!میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔**واقعہ معراج کی حقیقت**

سامعین! معراج اور اسراء آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو الگ الگ سفر ہیں جو آپؐ نے رؤیا اور کشف میں کئے۔ واقعہ معراج اور اسراء کے بارہ میں اُمت مسلمہ کی اکثریت ایک ہی واقعہ تصور کرتی اور جسمانی وجود کے ساتھ آسمان یا بیت المقدس کی سیر سمجھتی ہے اور ہر سال 27 رجب کو اس واقعہ کی یاد میں شب معراج منائی جاتی ہے اور مختلف قسم کی بدعات اور خلافِ اسلام رسومات کے ساتھ یہ شب منائی جاتی ہے۔

سامعین! واقعہ معراج اور اسراء کے دونوں واقعات میں کم از کم پانچ سے سات سال کے عرصہ کا فرق ہے۔ معراج کا سفر نبوت کے پانچویں سال یا اس سے کچھ پہلے کا ہے جبکہ اسراء کا سفر ہجرت سے چھ ماہ یا ایک سال قبل پیش آیا۔ قرآن کریم میں معراج کا واقعہ سورۃ النجم میں بیان ہوا ہے جس میں بیت المقدس یا

مسجد اقصیٰ کا کوئی ذکر نہیں ملتا جبکہ اسراء کا واقعہ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے جس میں آسمان پر جانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اِن دونوں واقعات کی تفصیل میں جانے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رؤیا اور کشوف کے بارہ میں کچھ عرض کر دوں۔

رؤیا کا لفظ اردو میں خواب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی سوتے ہوئے کوئی نظارہ دیکھنا اور انبیاء کو جو رؤیا ہوتے ہیں وہ اپنی کیفیت، شان و شوکت اور عظمت میں عام انسان کی رؤیا یا خواب سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ رؤیائے صادقہ ہوتے ہیں جن میں الہامی رنگ نظر آتا ہے اور بعض میں مستقبل کی پیشگوئیاں موجود ہوتی ہیں۔

اور جہاں تک کشف کا تعلق ہے۔ یہ عربی کا لفظ ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے جس کے معنیٰ ہیں کسی چیز کا کھولنا یا ظاہر کرنا یا کسی امر کا انکشاف کرنا۔ یہ ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جب انسان غنودگی یا عین بیداری کی حالت میں ایسے مشاہدات کر لیتا ہے جو عام انسان کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسے غیبی امور سے اطلاع دی جاتی ہے۔ جو کشوف انبیاء اور اولیاءُ اللہ کو دکھائے جاتے ہیں وہ اپنی قدر و منزلت کے لحاظ سے اور امورِ غیبیہ کی کثرت کی وجہ سے خاص ہوتے ہیں۔

سامعین! جیسا کہ مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ قرآن نے دونوں واقعات کو الگ الگ دو علیحدہ علیحدہ مقامات پر بیان کیا ہے۔ اِسی طرح احادیث میں بھی ان دونوں واقعات کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ معراج کی حدیث بخاری میں چھ جگہوں پر بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح واقعہ اسراء کا ذکر بھی کئی مقامات پر آیا ہے۔

سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد جلد اول میں بھی دونوں کو علیحدہ علیحدہ تاریخوں میں مختلف تفاصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ **لیکن سامعین!** اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہونے کے باوجود جہاں یہ واقعہ دیگر اختلافات کا شکار ہے وہاں اِس کے رونما ہونے میں بھی اختلاف ہے سال، مہینہ حتٰی کہ دِنوں میں اختلاف ہے اگر صرف سال کے تعیین کی بات کریں تو کوئی ہجرت سے چھ ماہ قبل بتاتا ہے کوئی ایک سال قبل۔ کسی روایت میں دو سال قبل ہجرت کا ذکر ہے اور کسی میں پانچ سال کا، وغیرہ۔ اسی طرح مہینہ کی تعیین کے بارہ

میں ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، شعبان اور رمضان کا ذکر ملتا ہے۔ دن میں بھی اختلاف میں جمعہ، ہفتہ اور پیر کے دن بتائے گئے ہیں۔

جس رات کو معراج ہوئی اس بارہ میں چار تاریخوں کا تذکرہ ملتا ہے یعنی 17 ربیع الاول، 27 ربیع الاول، 29 رمضان اور 27 رجب وغیرہ۔ زیادہ تر مسلمان علماء اور عوام 27 رجب کی روایت پر یقین رکھتے ہیں اور اس رات منانے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ساری رات عبادت کرنے اور مختلف قسم کی بدعات اور رسومات اس رات کے ساتھ منسلک کر دی گئی ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی نہ تو اس رات کسی خاص تقریب کا اہتمام فرمایا اور نہ ہی اُمت کو اس کی فضیلت بیان کر کے اس رات عبادت کا حکم دیا۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی شبِ معراج منانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ سب بعد کی ایجادات ہیں جن کا اسلام کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں سوئے ہوئے تھے جبکہ اسراء والے واقعہ کی رات آپ اپنی چچازاد بہن اُم ہانی (حضرت ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علی کی بہن) کے گھر سوئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ علمائے امت نے اسراء اور معراج دونوں کو جسمانی سمجھ لیا ہے جو کہ واضح قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل جسے سورۃ اسراء بھی کہا گیا ہے اس دعویٰ کو واضح طور پر ردّ کرتی ہے۔

جیسا کہ لکھا ہے کہ کُفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے اور وہاں سے نشان کے طور پر کتاب لانے کا مطالبہ کیا تھا جس کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب (ان باتوں سے) پاک ہے (اور) مَیں تو ایک بشر اور رسول کے سوا کچھ نہیں۔ (بنی اسرائیل:94)

تاہم ایک ایسا گروہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ معراج دو دفعہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ عالَمِ خواب میں اور دوسری مرتبہ جسمانی معراج ہوئی۔ تاہم جماعتِ احمدیہ کا موقف بہت واضح ہے کہ یہ دونوں دفعہ کشفی اور روحانی تھا۔

سامعین! سورۃ بنی اسرائیل میں خدا تعالیٰ نے واقعہ اسراء کو رؤیا قرار دیا اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت اسراء کے واقعہ سے متعلق ہے۔ فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (الاسراء:61) کہ وہ خواب جو ہم نے تجھے دکھایا اُسے ہم نے نہیں بنایا مگر لوگوں کے لئے آزمائش۔

سورۃ النجم جس میں واقعہ معراج بیان ہوا ہے اس میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (النجم:12) کہ اس موقع پر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے دیکھا وہ ٹھیک ٹھیک اور سچ تھا۔

حضرت امام بخاریؒ واقعہ معراج پر جو حدیث لائے ہیں وہ کِتَابُ التَّوْحِيْدِ بَاب كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا میں موجود ہے۔ اِس کے آغاز میں لکھا ہے: وَهُوَ نَآئِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَام کہ جس رات معراج کا واقعہ پیش آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں سو رہے تھے اور پھر لمبی روایت کے بیان کے بعد اختتام پر درج ہے کہ وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کہ جب آپؐ نیند سے بیدار ہوئے تو آپؐ مسجد حرام میں موجود تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ معراج کا نظارہ آپ کو نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں دکھایا گیا۔ (بخاری باب بدء الخلق)

مشہور اسلامی مؤرخ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر غائب نہیں ہوا تھا مَا فُقِدَ جَسَدُہٗ یعنی "اللہ رب العزت نے آپ کی روح کو سیر کرائی"۔ ابن اسحاق مزید لکھتے ہیں جب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے حضورؐ کی معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "وہ اللہ کی جانب سے سچی خواب تھی۔" (سیرت ابن ہشام جلد دوم)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا سو یہ عقیدہ غلط ہے اور جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت اسی جسدِ عَنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی

رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔"

(الحکم جلد 10 نمبر 21 مورخہ 17 جون 1906 صفحہ 4)

سامعین! جو لوگ اسراء اور معراج کے واقعات کو ایک ہی سمجھتے ہیں اُن کو ایک تو لفظِ اسراء سے غلطی لگی ہے۔ اسراء عربی زبان میں رات کے سفر کو کہتے ہیں چونکہ یہ دونوں سفر رات کو ہوئے اور اُسی رات مکمل ہوئے اس لئے دونوں سفروں کے لئے اسراء کا لفظ استعمال کیا جانے لگا اور دوسری بات جس سے علماء نے غلطی کھائی یہ ہے کہ ان دونوں سفروں میں بعض باتیں مشترک تھیں جیسے دونوں سفروں میں 1۔ براق کا ذکر ملتا ہے۔ 2۔ انبیاء سے ملاقات کا ذکر ہے۔ 3۔ انبیاء کو نماز پڑھانے یعنی امامت کا ذکر آتا ہے۔ اور جنت اور دوزخ کے بعض مناظر دیکھنے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ انہی وجوہات کی بناء پر اسراء اور معراج کو ایک واقعہ سمجھ لیا گیا۔ یعنی ایک ہی رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر اور پھر مسجد اقصیٰ سے آسمان کا سفر۔ پھر واپسی پر آسمان سے مسجد اقصیٰ اور واپس مکہ مکرمہ۔

واقعہ معراج

سامعین! معراج عربی زبان کا لفظ ہے جو عَرَجَ سے نکلا ہے جس کے معنٰی اوپر چڑھنے کے ہیں اور اسی وجہ سے سیڑھی کو معراج کہا جاتا ہے جو بلندی پر چڑھنے کے کام آتی ہے نیز عروج (پانا) کا لفظ بھی اِسی سے مشتق ہے۔ قرآن کریم میں واقعہ معراج سورۃ النجم میں بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: اسے مضبوط طاقتوں والے نے سکھایا ہے۔ جو بڑی حکمت والا ہے۔ پس وہ فائز ہوا۔ جبکہ وہ بلند ترین اُفق پر تھا۔ پھر وہ نزدیک ہوا۔ پھر وہ نیچے اُتر آیا۔ پس وہ دو قوسوں کے وتر کی طرح ہو گیا یا اس سے بھی قریب تر۔ پس اس نے اپنے بندے کی طرف وہ وحی کیا جو بھی وحی کیا اور دل نے جھوٹ بیان نہیں کیا جو اُس نے دیکھا۔ پس کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو اُس نے دیکھا؟ جبکہ وہ اسے ایک اور کیفیت میں بھی دیکھ چکا ہے۔ آخری حد پر واقع بیری کے پاس اور اس کے قریب ہی پناہ دینے والی جنت ہے۔ جب بیری کو اس نے ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا۔ نہ نظر کج ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کے نشانات میں سے سب سے بڑا نشان دیکھا۔ (النجم: 6 تا 19)

حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ اِس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے اس حصہ میں جو حطیم کہلاتا ہے لیٹے ہوئے تھے اور یقظہ اور نوم کی درمیانی حالت تھی یعنی آپ کی آنکھ تو سوتی تھی مگر دل بیدار تھا کہ آپ نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے آپ کے قریب آکر آپ کو اُٹھایا اور چاہ زمزم کے پاس لاکر آپ کا سینہ چاک کیا اور آپ کے دل کو زمزم کے مصفا پانی سے اچھی طرح دھویا۔ اس کے بعد ایک سونے کی طشتری لائی گئی جو ایمان وحکمت سے لبریز تھی اور حضرت جبرائیل نے آپ کے دل میں حکمت وایمان کا خزانہ بھر کر آپ کے سینہ کو پھر اُسی طرح بند کر دیا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام آپ کو اپنے ساتھ لے کر آسمان کی طرف اُٹھ گئے اور پہلے آسمان پر پہنچ کر دستک دی۔ دربان نے پوچھا کون ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا میں جبرائیل ہوں اور میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دربان نے پوچھا۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا ہاں۔ اس پر دربان نے دروازہ کھول کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا۔ اندر داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بزرگ انسان کو دیکھا۔ جس نے آپ کو مخاطب ہو کر کہا” مَرْحَبًا اے صالح نبی اور اے صالح فرزند۔“ اور آپ نے بھی اُسے سلام کیا۔ اس شخص کے دائیں اور بائیں ایک بہت بڑی تعداد میں روحوں کا سایہ پڑ رہا تھا۔ جب وہ اپنے دائیں طرف دیکھتا تو اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھتا تھا اور جب بائیں طرف دیکھتا تھا تو غم سے اُس کا منہ اُتر جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے پوچھا! یہ صاحب کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا یہ آدم ہیں اور ان کے دائیں طرف ان کی نسل میں سے اہل جنت کا سایہ پڑ رہا ہے جسے دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں اور بائیں طرف اہل نار کا سایہ ہے جسے دیکھ کر وہ غم محسوس کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل آپ کو لے کر آگے چلے اور دوسرے آسمان کے دروازہ پر بھی آپ کو یہی واقعہ پیش آیا اور اس کے اندر داخل ہو کر آپ نے دو شخصوں کو دیکھا جنہوں نے ان الفاظ میں آپ کو خیر مقدم کیا کہ ”مَرْحَبًا اے صالح نبی اور صالح بھائی!“ اور آپ نے بھی انہیں سلام کیا اور جبرائیل نے آپ کو بتایا کہ یہ حضرت عیسٰیؑ اور حضرت یحیٰیؑ ہیں جو خالہ زاد بھائی تھے۔ اسی طرح جبرائیل آپ کو اپنے ساتھ لے کر تیسرے اور چوتھے اور پانچویں آسمان میں سے گزرے جن میں آپ نے علی الترتیب حضرت یوسفؑ اور

حضرت ادریسؑ اور حضرت ہارونؑ کو پایا۔ چھٹے آسمان پر آپ کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی اور حضرت موسیٰؑ نے بھی آپ کو اسی طرح مَرحَبًا کہا اور آپ نے سلام کیا۔ جب آپ ان سے آگے گزرنے لگے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے جس پر آواز آئی۔ اے موسیٰ! کیوں روتے ہو؟ حضرت موسیٰؑ نے کہا۔ اے میرے اللہ! یہ نوجوان میرے پیچھے آیا مگر اس کی اُمت میری اُمت کی نسبت جنت میں زیادہ داخل ہو گی۔ میرے اللہ مَیں نہیں سمجھتا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے آکر مجھ سے آگے نکل جائے گا۔ اس کے بعد آپ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے جہاں آپ کی حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی جو بیت معمور کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے یہ بیت معمور آسمانی عبادت گاہ کا منظر تھا (جس کے گویا ظل کے طور پر دنیا میں کعبۃ اللہ تعمیر ہوا تھا)۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی آپ کو دیکھ کر اُسی طرح مَرحَبًا کہا جس طرح حضرت آدم نے کہا تھا (کیونکہ وہ بھی حضرت آدم کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے) اور آپ نے بھی اسی طرح اُن کو سلام کہا۔ اس کے بعد آپ اور آگے بڑھے اور وہاں پہنچے جہاں اس وقت تک کسی بشر کا قدم نہیں پہنچا تھا۔ یہاں آپ نے اپنے اوپر سے بہت سی قلموں کے چلنے کی آواز سنی (جو گویا قضاو قدر کی قلمیں تھیں)۔ اس کے بعد آپ کو اپنے سامنے ایک بیری کا درخت نظر آیا جو گویا زمینی تعلقات کے لئے آسمان کا آخری نقطہ تھا اور اس کے ساتھ سے جنت الماویٰ شروع ہوتی تھی۔ اس بیری کے درخت کے پھل اور پتے بڑے بڑے اور عجیب وغریب قسم کے تھے۔ جب آپ نے اس درخت کو دیکھا تو اس پر ایک فوق البیان اور گوناگوں تجلّی کا ظہور ہوا جس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ الفاظ میں یہ طاقت نہیں کہ انہیں بیان کر سکیں۔ اس بیری کے نیچے چار دریا بہہ رہے تھے جن کے متعلق جبرائیل نے آپ کو بتایا کہ ان میں سے دو دریا تو دنیا کے ظاہری دریا نیل و فرات ہیں اور دو باطنی دریا ہیں جو جنت کی طرف کو بہتے ہیں۔ اس موقع پر آپ کو حضرت جبرائیل اپنی اصلی شکل وصورت میں نظر آئے اور آپ نے دیکھا کہ وہ چھ سو پروں سے آراستہ ہیں۔ اس کے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی اور بالآخر آپ نے دیکھا کہ آپ خدائے ذوالجلال کے دربار میں پیش ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے بلاواسطہ کلام فرمایا اور بعض بشارات دیں اور آخر کار خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ آپ کی اُمت کے لئے رات دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ آپ یہ حکم لے کر واپس آئے تو راستہ میں حضرت موسیٰ نے آپ کو روک کر پوچھا کہ آپ کو کیا احکام

ملے ہیں ؟ آپ نے پچاس نمازوں کا حکم بیان کیا۔ حضرت موسیٰؑ یہ حکم سن کر چونک پڑے اور کہا کہ مَیں بنی اسرائیل کے ساتھ واسطہ پڑنے کی وجہ سے صاحبِ تجربہ ہوں۔ آپکی امت کو اتنی نمازوں کی ہر گز برداشت نہ ہوگی۔ پس آپ واپس جائیں اور خدا تعالیٰ سے اس حکم میں تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ گئے اور اللہ تعالیٰ نے پچاس میں دس کی کمی کر کے چالیس نمازوں کا حکم دیا۔ مگر واپسی پر حضرت موسیٰ نے پھر روکا اور کہا کہ یہ بھی بہت زیادہ ہیں آپ واپس جا کر مزید رعایت مانگیں۔ اس پر آپ پھر گئے اور دس کی مزید رعایت منظور ہوئی۔ غرض اس طرح حضرت موسیٰؑ کے مشورہ پر آپ بار بار خدا کے دربار میں گئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں کا حکم دیا۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے آپ کو پھر روکا اور مزید رعایت کے لئے واپس جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ مَیں بنی اسرائیل کو دیکھ چکا ہوں اور وہ اس سے بھی کم عبادت کو نباہ نہیں سکے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اب مجھے واپس جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس پر غیب سے آواز آئی "اے محمد! یہ پانچ نمازیں بھی ہیں اور پچاس بھی کیونکہ ہم نے ایک نماز کے بدلے میں دس کا اجر مقرر کر دیا ہے۔ اس طرح ہمارے بندوں سے تخفیف بھی ہوگئی اور ہمارا اصل حکم بھی قائم رہا۔ اس کے بعد جب آپ مختلف آسمانوں سے ہوتے ہوئے نیچے اترے تو آپ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے دیکھا کہ اسی طرح مسجد حرام میں لیٹے ہوئے ہیں۔"

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت مرزا بشیر احمدؓ)

سامعین! قَابَ قَوْسَیْنِ کا مطلب بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اِس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اِس آیت کے تفسیری ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"اور وہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کے اضطراب کو دیکھ کر اور ان پر رحم کر کے خدا سے ملنے کے لئے) اس سے قریب ہوئے اور وہ (خدا) بھی (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے شوق میں) اوپر سے نیچے آگیا۔" (تفسیر صغیر سورۃ النجم)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آیت دَنَا فَتَدَلّٰی کے تفسیری ترجمہ میں مزید فرمایا۔

"اور اس وقت اس نے یہ کلام نازل کیا جبکہ وہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اَلْاُفُقِ الْاَعْلٰی پر تھے (یعنی سب سے اعلیٰ مقام پر) محمد رسول اللہ خدا کے اور قریب ہوئے اور قریب ہو کر پھر نیچے کی طرف

آئے یعنی بنی نوع انسان کے قریب ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ دو قوسوں کے درمیان کی وتروں کی طرح ہو گئے بلکہ اس سے بھی قریب۔ یعنی دو مشترک وتروں کی جگہ ایک ہی وتر ہو گیا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر وحی نازل کی جو اس قرآن میں موجود ہے۔"

(تفسیر کبیر تفسیر سورۃ اسراء)

حضرت مصلح موعودؓ معراج دو مرتبہ ہونے کے نظریہ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوا۔ پہلا معراج ابتدائے نبوت میں ہوا جس میں نمازیں فرض ہوئیں اور دوسرا معراج نبوت کے پانچویں سال یا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہوا۔ سورۃ نجم میں جس معراج کا ذکر ہے وہ دوسرا معراج ہے۔"

(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ)

معراج کے واقعہ کے سلسلہ کی ایک حدیث ہمیں یہ بھی ملتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مجھے معراج ہوا تو حالت کشف میں ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہیں تو انہوں نے بتایا لوگوں کی غیبت کرتے تھے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

واقعہ اسراء

سامعین! سورۃ بنی اسرائیل جسے سورۃ اسراء بھی کہا جاتا ہے کے آغاز پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ (بنی اسرائیل:2)

ترجمہ: پاک ہے وہ جو رات کے وقت اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے۔ تاکہ ہم اسے اپنے نشانات میں سے کچھ دکھائیں۔ یقیناً وہ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔

واقعہ اسراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عظیم الشان کشف ہے جس میں آپ کو رات کے ایک حصے میں مسجد الحرام سے بیت المقدس کی سیر کروائی گئی۔

سامعین! یہ واقعہ ہجرت سے چھ ماہ یا ایک سال قبل پیش آیا۔ اگرچہ مؤرخین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسراء کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے 17 ربیع الاول کو پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس رات حضرت اُم ہانیؓ کے گھر پر تھے۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم ہانیؓ ہی کو اس واقعہ کے بارہ میں بتایا۔ حضرت اُم ہانیؓ کی روایت کے مطابق حضورؐ اس رات بیت المقدس کے سفر سے واپس مکہ تشریف لے آئے۔ آپؐ نے اس سفر میں آسمان پر جانے کا قطعی کوئی ذکر نہیں کیا۔ بعض راویوں نے معراج اور اسراء کے واقعات کو ملا کر ایک واقعہ بنا دیا اور بیت المقدس کے امور سے فراغت کے بعد آسمان پر جانے کا ذکر شروع کر دیا جبکہ اُم ہانی نے اپنی روایت میں اسراء کو مکہ اور بیت المقدس تک ہی محدود رکھا ہے۔

سامعین! حضرت انس سے مروی ہے کہ

"ابن جریر انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق لائے تو اس نے اپنی دُم ہلائی یعنی کچھ انکار کیا تو اسے جبرائیل نے کہا کہ آرام سے کھڑا رہ۔ اے بُراق! خدا کی قسم! تجھ پر ایسا سوار کبھی نہیں بیٹھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چڑھ کر روانہ ہوئے تو راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑھیا راستے کے ایک جانب کھڑی ہے تو آپؐ نے پوچھا اے جبرائیل! یہ کون ہے؟ تو جبریل نے کہا چلئے چلئے اے محمد! پھر آپ چلے جتنا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کہ کوئی شخص راستہ کی ایک جانب سے آپؐ کو بلا رہا ہے اور کہتا ہے کہ ادھر آیئے اے محمد! اس پر جبرائیل نے پھر آپ کو بولنے سے منع کیا اور کہا اے محمد! چلئے چلئے اور کچھ جواب نہ دیجئے۔ پھر آپؐ آگے چلے جتنا کہ خدا کی مرضی تھی کہ پھر آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کچھ لوگ ملے تو انہوں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَوَّلُ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اٰخِرُ! اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَاشِرُ! اس پر جبرائیل نے کہا اے محمد! ان کو سلام کا جواب دیجئے تو آپؐ نے ان کو سلام کا جواب دیا۔ پھر آپؐ کو ایسی ہی ایک اور جماعت ملی اس نے بھی پہلی جماعت کے الفاظ میں آپؐ کو سلام کہا (پھر آپ آگے چلے) یہاں تک کہ آپؐ بیت المقدس

تک پہنچے تو آپؐ کے سامنے حضرت جبرائیلؑ نے تین پیالے پیش کئے ایک پانی کا، ایک دودھ کا اور ایک شراب کا۔ آپؐ نے دودھ لے کر پی لیا۔ تو آپؐ کو جبرائیل نے کہا آپؐ نے فطرت صحیحہ کو پالیا۔ اگر آپؐ پانی پی لیتے تو آپ بھی غرق ہوتے اور آپ کی اُمت بھی غرق ہوتی اور اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ بھی گمراہ ہوتے اور آپ کی اُمت بھی گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپؐ کے سامنے آدم اور دیگر انبیاء لائے گئے اور اس رات ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ کو جبرائیل نے کہا کہ جو بڑھیا آپؐ نے راستہ کے ایک جانب دیکھی تھی وہ دنیا تھی اور اس کی عمر سے اسی قدر باقی ہے جو کہ اس بڑھیا کی عمر سے باقی ہے اور جو شخص رستہ سے ہٹ کر آپ کو بلاتا تھا تا آپ اس کی طرف مائل ہوں وہ خدا کا دشمن ابلیس تھا اور وہ لوگ جنہوں نے آپ کو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ کہا وہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ تھے۔"

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ مزید تحریر فرماتے ہیں۔

"میرے نزدیک اسراء بیت المقدس ایک لطیف کشف تھا اور اس کے ثبوت مندرجہ ذیل ہیں:

اول۔ وہی حدیث انس رضی اللہ عنہ کی جسے میں نے سب روایتوں سے تفصیل کے لحاظ سے بہتر قرار دیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایک بڑھیا کو دیکھا اور پھر ایک اور شخص کو دیکھا اور پانی شراب اور دودھ کے پیالے دیکھے اور ان میں سے دودھ کا پیالہ پیا۔ ان تمام امور کی حضرت جبرائیل تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ کشف نہ تھا تو تعبیر کا کیا مطلب؟"

"دوسرا ثبوت اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی اس کا نام رؤیا ہی رکھا ہے جیسے اسی سورۃ کے چھٹے رکوع میں فرمایا۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل:61)

کہ یہ رؤیا لوگوں کے فتنہ کے لئے تھی۔ چنانچہ اس آیت کی وجہ سے کئی صحابہ اور سابق علماء نے بھی اسے رؤیاء ہی قرار دیا۔"

"اس جگہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گو قرآن کریم میں اس کے متعلق رؤیا کا لفظ آیا ہے مگر اس لفظ سے دھوکا کھا کر اسے عام خوابوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ عربی میں رؤیا کا مفہوم اور ہے اور اردو میں اور۔ اردو میں تو رؤیا اس نظارہ کو کہتے ہیں جو انسان سوتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن عربی میں کشف اور عام خواب دونوں کے لئے کشف کا لفظ بولا جاتا ہے۔" (تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو انسانوں کے لئے ایک فتنہ قرار دیا جس کے ایک معنی ہیں کہ اسے آزمائش بنادیا۔ چونکہ یہ ناممکن تھا کہ مکہ مکرمہ سے شام (بیت المقدس) تک کا سفر کوئی ایک ہی رات میں طے کر لے جس کے لئے کم از کم دو ماہ کا عرصہ درکار ہوتا تھا۔ اس بات کو بعض مفسرین نے اسراء کے جسمانی ہونے کی دلیل کے طور پر بھی پیش کیا ہے کہ اگر یہ محض خواب کا واقعہ تھا تو اس میں کسی کے لئے کوئی آزمائش نہ تھی کیونکہ ایسی خوابیں آجایا کرتی ہیں۔ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے بارہ میں سوالات کئے۔ اللہ تعالیٰ نے کشفی طور پر بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا جسے دیکھ دیکھ کر آپ کفار کے سوالوں کے درست جوابات دیتے رہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ جسمانی طور پر بیت المقدس تشریف لے گئے تھے تو آپ کفار کے سوالوں کے جوابات بغیر کسی پریشانی کے فوراً دے دیتے مگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سوالات پر کچھ پریشان ہوئے جس پر خدا تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر بیت المقدس کو کشفی طور پر آپؐ کے سامنے کر دیا اور آپ نے کفار کو ان کے تمام سوالوں کے درست جوابات دے کر مطمئن کر دیا۔

سامعین! ایک اہم بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی سیر کروائی گئی تو اس رات آپ نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی نماز میں امامت کروائی اور آپؐ امام الانبیاء کہلائے۔ اس عظیم الشان کشف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ آنے والے غلبہ اسلام اور مسلمانوں کی فتوحات کی خبر دی گئی اور انبیاء کی امامت سے آپ کے بلند و بالا مقام اور رتبے کا اظہار کیا گیا۔ اس کشف کی ایک اور تعبیر ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ دور کی مسجد (مسجد اقصیٰ) سے مراد مسیح موعود کی مسجد اقصیٰ ہے۔

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرآن شریف کی یہ آیت کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ معراج مکانی اور زمانی دونوں پر مشتمل ہے اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکتِ اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا زمانہ تھا برکاتِ اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رو سے جو اسلام کے انتہا زمانہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیر کشفی ہے مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے۔"

یَارَبِّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّکَ دَائِمًا

فِیْ ھٰذِہٖ الدُّنْیَا وَ بَعْثٍ ثَانٖ

(اِس تقریر کی تیاری میں مکرم ڈاکٹر فضل الرحمان بشیر آف تنزانیہ کے ایک مضمون سے مدد لی گئی ہے)

۞۞۞۞

﴿34﴾ ﴿مشاہدات۔238﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جَوَامِعُ الکَلِم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (العنکبوت:49)

ترجمہ: اور اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا، نہ لوگوں کو سناتا تھا اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا تھا۔

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبر یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

پیارے سامعین! آج میں نے اپنی تقریر کے لیے جس موضوع کو چنا ہے وہ **آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جَوَامِعُ الکَلِم** ہے۔

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعماءِ الٰہی عطا ہوئیں اُن میں جوامع الکلم بھی ہیں یعنی ایسے عمدہ اور مختصر کلمات جو بظاہر چھوٹے ہیں مگر معانی کے اعتبار سے بہت وسیع ہیں اور آپ جتنا ان پر غور کریں گے ان کے معنی کی وسعت بڑھتی جاتی ہے۔ یہ بے نظیر کلمات عام لوگوں کے لیے بھی

مفید ہیں اور خواص کے لیے بھی۔ یاد کرنے میں اتنے آسان ہیں کہ بچے بھی حفظ کر لیں اور معنی میں ایسے ہمہ گیر کہ ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کتب احادیث میں بے شمار احادیث ایسی ہیں جن میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے فرمودہ جَوَامِعُ الکَلِم بکثرت پائے جاتے ہیں جو سراسر حکمت، معرفت اور جامعیت سے پُر ہیں اور آپؐ کے لا انتہا کمالات میں سے ایک کمال کا اظہار کرتے ہیں اور یہ خصوصیت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے خدا تعالی کی طرف سے ایسے جامع کلمات دیے گئے ہیں جو اپنے اندر بہت سے معنی اور مطالب رکھتے ہیں۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ

(مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے انبیاء پر 6 باتوں میں فضیلت دی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم دیئے گئے ہیں اور رعب سے مجھے مدد دی گئی ہے اور غنیمتیں میرے لئے جائز کی گئی ہیں اور زمین میرے لئے پاکیزگی کا ذریعہ اور مسجد بنائی گئی ہے اور مجھے سب مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے ذریعہ نبیوں پر مہر لگائی گئی ہے۔

ایک دوسری روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ کے الفاظ ہیں یعنی مجھے جوامع الکلم کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب باب قول النبیؐ بعثت بجوامع الکلم)

ان احادیث مبارکہ میں درج فضیلتوں میں سے سب سے پہلی فضیلت جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں۔"

پیارے سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ کریم میں اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیّ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اُمی ہونے کے یہ فرمانا کہ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی اعجاز کی نشاندہی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا۔ یہ اعجاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی صورت میں اور طرز خطابت کی صورت میں عطا ہوا تھا۔ جیسا کہ بعض حدیث کے شارحین نے لکھا ہے۔ صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں امام زہریؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

اَنَّهُ ﷺ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِالْقَوْلِ الْمُوْجِزِ، اَلْقَلِيْلِ اللَّفْظِ، اَلْكَثِيْرِ الْمَعَانِيْ۔ وَجَزَمَ غَيْرَ الزُّهْرِيِّ بِأَنَّ الْمُرَادَ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ :اَلْقُرْآنُ، بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهِ : بُعِثْتُ؛ وَالْقُرْآنُ هُوَالْغَايَةُ فِيْ اِيْجَازِاللَّفْظِ وَاتِّسَاعِ الْمَعَانِيْ۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری الجزء الثالث عشر صفحہ 261 سن اشاعت 2001ء)

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مختصر کلام فرمایا کرتے تھے کہ جس میں الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوتے تھے۔

امام زہریؒ کے علاوہ بعض کا خیال ہے کہ جوامع الکلم سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور قرآن کا یہ اعجاز تو بڑا نمایاں ہے کہ اس کے الفاظ تو مختصر ہیں لیکن معنی میں بہت زیادہ وسعت ہے۔

اسی طرح صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں لکھا ہے کہ ”جَوَامِعِ الْكَلِمِ؛ اَیْ:اَنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِالْقَوْلِ الْمُوْجِزِ، اَلْقَلِيْلِ اللَّفْظِ، اَلْكَثِيْرِ الْمَعَانِيْ۔ وَجَزَمَ بَعْضُهُمْ بِأَنَّ الْمُرَادَ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ :اَلْقُرْآنُ، بِقَرِيْنَةِ قَوْلِهِ فِي الطَّرِيْقِ الْآخَرِ: بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ؛ وَالْقُرْآنُ هُوَالْغَايَةُ فِي اِيْجَازِاللَّفْظِ وَاتِّسَاعِ الْمَعَانِيْ۔“

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم جز رابع، صفحہ 12 حاشیہ نمبر 523 شائع کردہ دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان 2006ء)

یعنی جوامع الکلم سے یہ مراد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مختصر کلام فرمایا کرتے تھے کہ جس میں الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوتے تھے اور بعض کا خیال ہے کہ جوامع الکلم سے مراد قرآن کریم ہے اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ میں جوامع الکلم

کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہوں اور قرآن کا یہ اعجاز تو بڑا نمایاں ہے کہ اس کے الفاظ تو مختصر ہیں لیکن معنی میں بہت زیادہ وسعت ہے۔

فقہ حنفی کے مشہور امام، عظیم الشان محدّث، شارح مشکوٰۃ المصابیح اور اہل سنت کے مشہور امام علامہ شیخ القاری علی بن سلطان محمد القاریؒ المعروف ملا علی قاریؒ (متوفی 1014 ہجری، 1606ء) نے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ جوامع الکلم کا مطلب یہ ہے کہ مجھے الفاظ کے اختصار کی قوت دی گئی ہے۔ چنانچہ میں بہت کم الفاظ میں کثیر معانی کا اظہار کرتا ہوں۔

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تائید الٰہی بھی حاصل تھی جس کا ذریعہ وحی ربانی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات و ارشادات، حکمت و موعظہ حسنہ کے انمول موتی، حقیقت وصداقت کا خزینہ، بے بہا معرفت کا گنجینہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خصوصیت کے عطا ہونے کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات نہایت سادہ اور مختصر ہوا کرتے تھے۔ لیکن یہ خطبات، فصاحت اور بلاغت میں بھی بے نظیر ہوتے تھے۔ غزوہ حنین کے موقع پر دیا جانے والا خطبہ ہو یا خطبہ حجۃ الوداع ہو یہ تمام خطبات نہ صرف جوامع الکلم کا بہترین نمونہ ہیں اور آج بھی ان کو پڑھنے کے بعد ان کا ایک ایسا اثر دل پر طاری ہوتا ہے کہ دل لرز جاتے ہیں اور آنکھیں بہنے لگتی ہیں۔ یہ جوامع الکلم آپؐ کی عظمت نبوت کا ثبوت ہیں اور یہ آپؐ کے خصائص عظیمہ میں سے ہیں۔

ایک بار حضرت ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں سارے عرب میں پھرا ہوں اور میں نے بڑے بڑے خطیبوں کا کلام سنا ہے اور شعراء کے اشعار سنے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپؐ سے بڑا فصیح و بلیغ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ ایک بار مسجد نبوی میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام مسلمان ایک ہی نسل سے ہیں۔ اے لوگو! اس رب سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا، اس کے بعد فرمایا کہ درہم، غلہ، کھجور کا ایک ٹکڑا جو بھی ہو راہ رب میں دے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے آپؐ کے سامنے رکھ دیا حتیٰ کہ بعض صحابہؓ نے تو اپنے کپڑے بھی آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ قبیلہ اوس و خزرج جو کہ دشمنی و عداوت میں بہت آگے نکل گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی فصاحت و بلاغت نے محبت و اخوات کے دریا بہا دیئے اور یوں وہ قومیں آپس میں شیر و شکر بن گئیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ نے تقریر فرمائی اور اس تقریر میں اس قدر تاثیر تھی کہ ایسا بیان آج تک نہیں سنا۔ دوران تقریر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر وہ سب کچھ آپ جانتے تو آپ ہنستے کم اور روتے زیادہ۔ جب آپؐ نے یہ فقرہ ادا فرمایا تو صحابہ کرام دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی جس میں قبر اور عالم برزخ کے حالات و واقعات بیان فرمائے۔ آپؐ کے بیان میں اس قدر تاثیر تھی کہ حاضرینِ محفل پر رقت طاری ہو گئی اور لوگ رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام و خطبہ اس قدر واضح اور آسان ہوتا تھا کہ ہر شخص کے ذہن میں بات بآسانی اتر جاتی۔ آپؐ کا کلام و خطبہ بڑا فصیح و بلیغ، مدلل اور جامع و بامعنی ہوا کرتا تھا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تکلم اور فصاحت و بلاغت کا ہی نتیجہ تھا کہ دین اسلام ترقی کے زینے چڑھتا گیا اور لوگ آپؐ کے اخلاق کریمانہ اور قول لین کو دیکھ کر دین اسلام کو جوق در جوق قبول کرنے لگے اور اگر بڑے سے بڑا کافر و مشرک بھی آپؐ کے سامنے آتا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حاوی ہو جاتا۔

سامعین! مشکوۃ المصابیح کی ایک اور معروف شرح "مظاہر حق جدید" میں جوامع الکلم کے معنی میں یہ لکھا ہے کہ

"مجھے جامع کلمات عطا ہوئے" کا مطلب یہ ہے کہ دین کی حکمتیں اور احکام، ہدایات کی باتیں اور مذہبی و دنیاوی امور سے متعلق دوسری چیزوں کو بیان کرنے کا ایسا مخصوص اسلوب مجھے عطا فرمایا گیا ہے جو نہ پہلے کسی نبی اور رسول کو عطا ہوا اور نہ دنیا کے کسی بھی بڑے سے بڑے فصیح و بلیغ کو نصیب ہوا۔ اس اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ تھوڑے سے الفاظ کے ایک چھوٹے سے جملہ میں معانی و مفہوم کا ایک گنجینہ پنہاں ہوتا ہے، پڑھیے اور لکھیے تو چھوٹی سی سطر بھی پوری نہ ہو لیکن اس کا فہم اور وضاحت بیان کیجیے تو کتاب کی کتاب تیار ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات میں اس طرح کے کلمات کی ایک بڑی تعداد ہے جن کو " جَوَامِعُ الکَلِم " سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

معزز سامعین! اب میں آپ کے سامنے مثال کے طور پر چند ایسے کلمات پیش کروں گا۔ جو بیان کرنے میں مختصر ہیں لیکن اپنے اندر علم کا ایک سمندر رکھتے ہیں۔

(1) مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ. جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

(2) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ-اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

(3) خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَ ھلِہٖ۔ تم میں سے نیک وہی ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ بھی نیک سلوک کرے۔

(4) اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ۔ دین، خیر خواہی کا نام ہے۔

(5) اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ۔ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

(6) اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی۔ اوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(7) مَا ھَلَكَ امْرُءٌ عَرَفَ قَدْرَہٗ۔ نہیں ہلاک ہوا وہ آدمی جس نے پہچان لی اپنی حقیقت۔

(8) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے۔

(9) السَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

(10) اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔ دولتمندی اصل میں دل کی دولتمندی ہے۔

(11) اَلْبَلَآءُ مُؤَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ۔ بعض دفعہ مصیبت موقوف ہوتی ہے بات کرنے پر۔

(12) لَیْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا۔ وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جو ہمیں دھوکا دے۔

(13) عِدَۃُ الْمُؤْمِنِ كَأَخْذِ الْكَفِّ۔ مومن کا وعدہ ایسا ہی سچا ہے جیسے کوئی چیز ہاتھ میں دے دی جائے۔

(14) اَلْحَیَآءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ۔ حیا سراسر بہتر ہے۔

(15) اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃٌ لِلْکَافِرِ۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

(16) الدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ۔ نیکی پر آگاہ کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

(17) الْمُسْلِمُ مِرْآةُ الْمُسْلِمِ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے۔

(18) لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ۔ نہیں ہے سنی سنائی بات خود دیکھنے کی طرح۔

(19) عَفْوُ الْمُلُوْكِ اِبْقَآءٌ لِلْمُلْكِ۔ بادشاہوں کا معاف کر دینا ان کی سلطنت کی بقا کا باعث ہوتا ہے۔

(20) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

(21) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ کی ایذا سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

(22) لَا يُلْدَغُ الْمَرْءُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَيْنِ۔ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں کاٹا جاتا۔

(23) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

(24) اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ۔ صفائی نصف ایمان ہے۔

(25) مَجَالِسُ الذِّكْرِ رِيَاضُ الْجَنَّةِ۔ ذکر کی مجالس جنت کے باغ ہیں۔

(26) مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللّٰهُ۔ جو لوگوں پر رحم نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔

(27) أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ۔ میں بندے کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔

(28) اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ۔ (اگر اپنی اصلاح اور درستی کے لئے فتوی کی ضرورت پڑے تو سب سے پہلے) اپنے دل سے فتویٰ پوچھو۔

(29) الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّيْنِ۔ نماز دین کا ستون ہے۔

(30) الصَّلَاةُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ۔ نماز جنت کی کنجی ہے۔

(31) مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ۔ جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

(32) كَانَ خُلُقُه الْقُرآن۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کے عین مطابق تھے۔

(33) طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔

(34) كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِن۔ حکمت اور دانائی کی بات مومن کا گمشدہ خزانہ ہے۔

(35) اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْئٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ۔ جس کو قرآن کریم کا کچھ حصہ یاد نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

(36) كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ ہر نئی بات جو دین کے نام سے جاری ہو بدعت ہے اور بدعت نری گمراہی ہے۔

(37) شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ بدترین فعل دین میں نئی نئی بدعات کو پیدا کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

(38) اَلْاِيْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ۔ ایمان یہ ہے کہ دل سے شناخت ہو۔

(39) اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَ شَبَّكَ اَصَابِعِهٖ۔ مومن دوسرے مومن کے لیے مضبوط عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت دیتا اور مستحکم بناتا ہے۔

(40) اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ۔ مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

(41) وَاِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ بازاروں میں شور وغوغا کرنے سے بچو۔

(42) مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلٰى بَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ۔ پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس پانی سے بھری نہر چل رہی ہو اور وہ اس میں پانچ بار نہائے۔

(43) السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِ۔ مسواک کرنا منہ کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے۔

(44) وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ جس نے (نماز میں) صف توڑی اللہ تعالیٰ اسے توڑ دے گا۔

(45) يُصَلِّيْ وَ فِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الرَّحٰى مِنْ بُكَائِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ دوران نماز آپؐ کی گریہ زاری کی وجہ سے آپؐ کے سینہ سے ایسی آواز نکلتی جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے۔

(46) اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ۔ روزہ ڈھال ہے۔

(47) مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

(48) اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہنا ہے۔

(49) مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ۔ جو بڑی جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(50) لَا صَرُوْرَةَ فِي الْاِسْلَامِ۔ اسلام تجرُّد کو پسند نہیں کرتا۔

(51) تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الامَمَ۔ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنا جانتی ہوں اور بچے پیدا کرنے والی ہو جن سے زیادہ اولاد ہو تاکہ میں کثرت افراد کی وجہ سے سابقہ امتوں پر فخر کر سکوں۔

(52) فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔ اللہ تیرا بھلا کرے اور تجھے دیندار عورت حاصل ہو۔

(53) رُوَيْدَكَ سَوْقًا بِالْقَوَارِيْرِ۔ ذرا ٹھہر کر چلو کیونکہ اونٹوں پر نازک شیشے اور آبگینے ہیں یعنی نازک مزاج عورتیں سوار ہیں۔

(54) مَا نَحَلَ وَلِدٌ وَلَدَهُ مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ۔ اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں جو ایک باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔

(55) اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ وَ اَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ۔ اپنی اولاد سے عزت سے پیش آؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔

(56) اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ۔ وہ مومن نہیں جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں۔

(57) وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ۔ کیا اونٹ اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا۔

(58) یَا اَیُّهَا النَّاسُ ! اَفْشُوا السَّلَامَ۔ اے لوگو! سلام کو رواج دو۔

(59) زُرْغِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔ کبھی کبھی ملنے سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔

(60) اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ۔ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔

(61) خَیْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُهَا۔ بہترین مجالس وہ ہیں جو کشادہ اور فراخ ہوں۔

(62) وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ جو نفس بخل سے بچائے گئے وہی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں

(63) کُلْ بِیَمِیْنِكَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْكَ۔ اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

(64) هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَیَّرَتِ النَّارُ۔ آگ پر پکی ہوئی چیز کا وضو ہے۔ (یعنی کھانے کے بعد ہاتھ صاف کر لئے جائیں)

(65) لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ۔ خلافت کے نظام کا ایک اہم ستون مشاورت ہے۔

(66) عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ اس دین کو تم مضبوطی سے پکڑو۔

(67) المُؤْمِنُ کَالْجَمَلِ الْاَنُفِ حَیْثُمَا اُنْقِیْدَ۔ مومن کی مثال نکیل والے اونٹ کی سی ہے جدھر اسے لے جاؤ وہ اُدھر چل پڑے گا۔

(68) کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّ کُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ ۔ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اس سے اپنی رعایا کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔

(69) اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ ۔ بیّنہ اور ثبوت پیش کرنا مدعی کا فرض ہے۔

(70) اَلْاِمَامَ اَنْ یُّخْطِئَی فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ مِنْ اَنْ یَّخْطِیَ فِی الْعُقُوْبَۃِ ۔ امام کا معاف اور در گزر کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

(71) لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ ۔ وہ شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا جو لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے میں لگا رہتا ہے۔

(72) اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا۔ تم میں سے وہ بہتر ہے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔

(73) أَقِلِّ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ ۔ کم ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مُردہ بنا دیتا ہے۔

(74) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ ۔ اسلام کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ انسان لا یعنی باتوں کو چھوڑ دے۔

(75) دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ ۔ شک میں ڈالنے والی باتوں کو چھوڑ دو۔ شک سے مبّرا یقین کو اختیار کرو۔

(76) لِیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ ۔ حاضر، غائب کو پیغام کو پہنچا دیں

(77) لَا تَحَاسَدُوْا۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔

(78) کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَکَبِّرٍ۔ ہر سرکش، خود پسند، شعلہ مزاج۔ متکبر دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

(79) اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ ۔ تمام مخلوقات اللہ کی عیال ہیں۔

(80) شَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ ۔ بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم سے برا سلوک ہوتا ہے۔

(81) اَعْطُوا الاَ جِيْرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهُ ۔ مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

(82) مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا ۔ جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حملہ نہیں کرتا۔)

(83) اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ۔ صدقہ دے کر آگ سے بچو خواہ ایک کھجور خرچ کرنے کی ہی استطاعت ہو۔

(84) تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُّوْا تَحَابُّوْا تَذْهَبُ السَّحْنَاءُ ۔ آپس میں مصافحہ کیا کرو اس سے بغض اور کینہ دور ہو جائے گا اور آپس میں تحفے تحائف دیا کرو اس سے ایک دوسرے سے محبت زیادہ ہو گی۔

(85) جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِی الثَّنَآءِ ۔ اللہ تجھے اس کی جزائے خیر اور اس کا بہتر بدلہ دے تو اس نے ثناء کا حق ادا کر دیا۔ (اگر کسی نے کوئی احسان کیا ہو تو اس کے جواب میں کہے)

(86) اَلْقَنَاعَةُ كَنْزٌ لَا يَفْنٰی ۔ قناعت ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔

(87) كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ ۔ تو دنیا میں ایسا بن گویا تو پردیسی ہے یا راہ گزر مسافر ہے۔

(88) لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ ۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

(89) اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ۔ مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ کے عطا کردہ نور سے دیکھتا ہے۔

(90) لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ ۔ طاقتور پہلوان وہ شخص نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے اصل پہلوان وہ ہے جو غصّے کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔

(91) لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقٌ وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔ ہر دین کا ایک خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا یہ خاص خلق حیاء ہے۔

(92) حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ۔ حُسنِ ظن ایک حسین عبادت ہے۔

(93) اِنَّ خَيْرَكُمْ اَوْ مِنْ خَيْرِكُمْ اُحَاسِنُكُمْ قَضَاءً۔ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو لین دین، قرض اور دوسری ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں بہت اچھا ہے۔

(94) اَعْطُوْهُ فَاِنَّ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنا قرض زیادہ عمدہ اور اچھی صورت میں ادا کرتا ہے

(95) اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ ۔اے میرے اللہ! تیرا دیا ہوا حلال رزق میرے لیے کافی ہو حرام رزق کی مجھے ضرورت نہ پڑے اور اپنے فضل سے مجھے اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز اور مستغنی کردے۔

(96) اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ۔اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔

(97) لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔

(98) عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِیْ اِلَى الْبِرِّ۔ تمہیں سچ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے۔

(99) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔ چغلخور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(100) مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَمِنْهُمْ۔جو شخص کسی قوم کی نقالی کرے اور اس کی چال ڈھال رکھے وہ انہی میں شمار ہوگا۔

(101) اِنَّمَا یُبْعَثُ النَّاسُ عَلٰی نِیَّاتِهِمْ۔ لوگوں کا حشر ان کی نیتوں کے مطابق ہو گا۔

(102) کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَأُ فِیْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ ہر وہ کام جو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بغیر شروع کیا جائے وہ ناقص اور برکت سے خالی ہوتا ہے۔

(103) اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ بہترین ذکر کلمہ توحید ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بہترین دعا الحمد للہ ہے۔

محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام

علیك الصلوۃ علیك السلام

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿35﴾ ﴿مشاہدات۔ 431﴾

امثال الحدیث

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ(ال عمران:32)

ترجمہ: آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تم میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

یَا صَاحِبَ الۡجَمَالِ وَ یَا سَیِّدَ الۡبَشَرۡ

مِنۡ وَجۡہِ الۡمُنِیۡرِ لَقَدۡ نُوِّرَ الۡقَمَرۡ

لَا یُمۡکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

میری آج کی تقریر کا موضوع ''امثال الحدیث'' ہے۔

سامعین! جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سمجھانے کے لیے قرآن کریم میں کئی مثالیں بیان کی ہیں اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کے لیے یہ طریق اپنایا اور ان پر احکامات واضح فرمائے کیونکہ مثال دے کر کوئی بات سمجھانا بہت آسان ہوتا ہے اور سننے والے کی دلچسپی بھی قائم رہتی ہے۔ آج میں احادیث سے کچھ مثالیں بیان کروں گا۔

آئیں! سب سے پہلے تو ہم قرآن کریم پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے کی مثالیں سنتے ہیں۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

" **قرآن کریم پڑھنے والے مومن کی مثال نارنگی کی سی ہے** جس کا مزہ بھی اچھا ہوتا ہے اور خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتا وہ کھجور کی طرح ہے کہ اس کا مزہ تو اچھا ہے لیکن اس کی خوشبو نہیں ہوتی اور اس فاجر کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت کا عادی ہے گُلِ ریحان کی طرح ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے لیکن اس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے اور اس فاجر کی مثال جو قرآن کریم نہیں پڑھتا حَنْظَل کی طرح ہے جس میں مہک اور خوشبو بھی نہیں ہوتا اور اس کا مزہ بھی تلخ اور کڑوا ہوتا ہے۔"

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 221)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف قرآن کریم کی تلاوت ضروری ہے بلکہ اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ جو قرآن کریم پڑھتے بھی ہیں اور اس پر غور بھی کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں وہ ایسے خوشبودار پھل کی طرح ہیں جس کا مزا بھی اچھا ہے اور جس کی خوشبو بھی اچھی ہے یعنی کہ ایسا پھل جس کا مزا بھی اچھا ہے جب انسان کوئی مزیدار چیز کھاتا ہے تو پھر دوبارہ کھانے کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ تو قرآن کریم کو جو اس طرح پڑھے گا کہ اس کو سمجھ آرہی ہو گی اس کو سمجھنے سے ایک قسم کا مزا بھی آرہا ہو گا اور جب اس پر عمل کر رہا ہو گا تو اس کی خوشبو بھی ہر طرف پھیلا رہا ہو گا۔ اس کے احکام کی خوبصورتی ہر ایک کو ایسے شخص میں نظر آرہی ہو گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو قرآن کریم کا کچھ حصّہ بھی یاد نہیں **وہ ویران گھر کی طرح ہے۔**

(ترمذی فضائل القرآن از حدیقۃ الصالحین صفحہ 222)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو۔ اس کی تلاوت کرتے رہو۔ یاد رکھو! قرآن کریم کی مثال جب کوئی اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے **اس تھیلے کی مانند ہے جو کستوری سے بھرا ہوا ہو** اور اس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہو اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی پھر وہ غافل ہو کر سویا رہا حالانکہ

قرآن کریم اس کے دل میں اس تھیلے کی مانند ہے جو کستوری سے بھرا ہوا ہے لیکن اس کا منہ رسی سے باندھا گیا ہے"

(ترمذی فضائل القرآن)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی سورۃ البقرہ اور آل عمران کی مثال سائبان سے دیتے ہوئے فرمایا" ذھراوین" کی تلاوت کرو اور وہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران ہیں۔ روزِ قیامت یہ اپنے پڑھنے والے کے پاس **روشنی کی شکل میں ان کے آگے آگے ہوں گی گویا وہ دو بادل ہیں یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں** جن سے روشنی چمکتی ہے یا صف بستہ پرندوں کی دو قطاریں ہیں (سایہ کیے ہوئے)۔ سورۃ البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کو حفظ کرنا باعثِ برکت ہے اور اسے چھوڑنا باعثِ حسرت ہے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "علم کے لحاظ سے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کی مثال اُس زمین کی سی ہوتی ہے جو ڈھلوان ہوتی ہے اور سخت بھی جس پر پانی ٹھہرتا ہی نہیں۔ ایک زمین ایسی ہوتی ہے جو نشیب میں ہوتی ہے اُس پر پانی پڑتا ہے اور جمع ہو جاتا ہے لیکن پانی تہ میں نہیں جاتا وہ زمین پانی نہیں پیتی لیکن چارپائے آتے اور پیتے ہیں۔ تیسری مثال ایسی زمین کی ہے جو عمدہ قسم کی ہوتی ہے جس میں روئیدگی اُگانے کی طاقت ہے اُس میں ڈھلوان نہیں کہ پانی بہ جائے اور وہ کنکریلی نہیں کہ پانی جذب نہ کرسکے بلکہ جب آسمان سے بارش ہوتی ہے تو وہ اُس پانی کو جذب کر لیتی ہے، پیتی ہے پھر سبزہ اُگاتی ہے، پھل پھول اور اناج اُگاتی ہے دوسرے لوگ آتے ہیں اور اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، انسان اُس سے پھل کھاتا ہے اور اناج حاصل کرتا ہے، جانور اُس سے چارہ حاصل کرتے ہیں وہ زمین آپ بھی پانی پیتی ہے اور دوسروں کو بھی پلاتی ہے۔"

(بخاری کتاب العلم)

پس اگر ہم نے جو کچھ قرآن کریم میں پڑھا ہے اُس کو بُھلا دیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی مثال یہ بتائی ہے کہ جیسے کنکریلی ڈھلوان زمین جس نے نہ ہم نے خود پانی پیا اور نہ دوسروں کو پلایا۔ اگر ہم نے قرآن شریف کی باتیں سُنیں اور لوگوں کو جا کر سمجھائیں لیکن خود اُن پر عمل نہ کیا تو ہماری مثال اُس جوہڑ کی سی ہو گی جس میں پانی جمع ہو جاتا ہے لیکن وہ خود اس میں سے پانی نہیں پیتا ہاں لوگوں کو پلا

دیتا ہے۔ لیکن اگر ہم نے قرآن شریف کی باتیں سُنیں اور اُن پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی قرآن شریف پڑھایا اور سمجھایا تو پھر ہماری مثال ایسی اچھی زمین کی ہوگی جو خود پانی پیتی ہے اور دوسروں کو گھاس، چارہ، پھل اور پھول دیتی ہے اور بنی نوع انسان اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

سامعین! صحبت صالحین کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کستوری کے ساتھ مثال دیتے ہوئے فرمایا:

”نیک ساتھی اور بُرے ساتھی کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن میں سے ایک کستوری اٹھائے ہوئے ہو اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا ہو۔ کستوری اٹھانے والا تجھے مفت خوشبو دے گا یا تو اس سے خرید لے گا۔ ورنہ کم از کم تو اس کی خوشبو اور مہک سونگھ ہی لے گا اور بھٹی جھونکنے والا یا تیرے کپڑوں کو جلادے گا یا اس کا بدبودار دھواں تجھے تنگ کرے گا“

(مسلم کتاب البر والصلة۔ باب استحباب مجالسة الصالحین)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

”صحبت میں بڑا اشرف ہے۔ اس کی تاثیر کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتی ہے۔ کسی کے پاس اگر خوشبو ہو تو پاس والے کو بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر صادقوں کی صحبت ایک روح صدق کی نفخ کر دیتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ گہری صحبت نبی اور صاحب نبی کو ایک کر دیتی ہے۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 609)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی مثال ایک کھیتی سے دیتے ہوئے فرمایا

”مومن کی مثال کھیتی کی مانند ہے کہ ہوا اسے ہمیشہ جھکاتی رہتی ہے کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ پھر مومن ہمیشہ آزمائش میں رہتا ہے۔ منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے کہ کبھی نہیں ہلتا یہاں تک کہ جڑ سے کاٹ دیا جائے۔“

(جامع ترمذی الامثال، باب ما جاء فی مثل المومن)

یعنی ایک مومن کھیت میں لگے پودے کی مانند نرم لیکن مضبوط ہوتا ہے جو ہوا کے تھپیڑوں اور موسم کی شدت کو برداشت کرتا ہے، کبھی اس کو مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو کبھی صحت کے مسائل آتے ہیں، کبھی خوشی وارد ہوتی اور کبھی غم برداشت کرتا ہے لیکن اپنے ایمان میں کمی نہیں آنے دیتا اور خدا کی

رضا کی خاطر صبر سے کام لیتا ہے۔ جبکہ منافق جس پر کسی قسم کے مصائب نہیں آتے لیکن وہ ساری زندگی خدا کے احکامات کو نظر انداز کرتا ہے اور آخر خدا کی ناراضگی کا موجب ہو کر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے کبھی اِس ریوڑ میں چرتی ہے اور کبھی اُس ریوڑ میں۔“

(بخاری کتاب الادب)

منافق ہمیشہ تذبذب اور بے یقینی کی کیفیت میں رہتا اور فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ اللہ تعالیٰ کی رضا دین اسلام کی پیروی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہی ہے۔

سامعین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کی مثال ایک جسم سے بھی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مومن بندوں کی مثال ان کی آپس میں محبت اور اتحاد اور شفقت میں جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کے سارے جسم کو نیند نہیں آنے اور بخار چڑھ جانے میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔“

(مسلم کتاب البر والصلة والآداب بَابُ تَرَاحُمِ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعَاطُفِهِمْ وَتَعَاضُدِهِمْ)

اسی طرح آپؐ نے مومنین کو ایک عمارت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ

” ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے۔“

(بخاری کتاب الادب بَابُ تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو امدادِ باہمی کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہ دستور ہونا چاہیے کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جاوے اور ان کو طاقت دی جاوے۔ یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ دو بھائی ہیں۔ ایک تیرنا جانتا ہے اور دوسرا نہیں۔ تو کیا پہلے کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے کو ڈوبنے سے بچاوے یا اس کو ڈوبنے دے۔ اس کا فرض ہے کہ اس کو غرق ہونے سے بچائے۔ اسی لیے

قرآن شریف میں آیا ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (المائدۃ:3)۔ کمزور بھائیوں کا بار اُٹھاؤ۔ عملی ایمانی اور مالی کمزوریوں میں بھی شریک ہو جاؤ۔ بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔ کوئی جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جبتک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہیں دیتے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 263-265)

"**حرام اور حلال اشیاء واضح ہیں** اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو لوگ مشتبہات سے بچتے رہتے ہیں وہ اپنے دین کو اور اپنی آبرو کو محفوظ کر لیتے ہیں اور جو شخص شبہات میں گرفتار رہتا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ حرام میں جا پھنسے یا کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھے۔ **ایسے شخص کی مثال بالکل اُس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ علاقہ کے قریب اپنے جانور چراتا ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ اس کے جانور اس علاقہ میں گھس جائیں۔** دیکھو! ہر بادشاہ کا ایک علاقہ ہوتا ہے جس میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا محفوظ علاقہ اُس کے محارم ہیں۔"

(بخاری کتاب الایمان، حدیقۃ الصالحین صفحہ 516-517)

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"**انسان کے جسم میں ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے** کہ جب وہ اچھا ہو جائے تو تمام جسم اچھا ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے اور اے مسلمانو! ہوشیار ہو کر سُن لو کہ وہ دل ہے۔"

(صحیح بخاری، چالیس جواہر پارے صفحہ 86)

اس حدیث میں ہمیں اصلاح نفس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے تمام اعمال کا منبع اس کا دل ہے اگر اس کے دل میں نیکی کا رجحان ہو گا، تقویٰ ہو گا، پاکیزہ خیالات ہوں گے تو ہی وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے گا۔ برے اور ناپاک خیالات اس کو برائی کی طرف لے جائیں گے۔ انسانی جذبات بیج کا رنگ رکھتے ہیں اور اس کے اعمال اس بیج سے پیدا ہو کر درخت کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ برے خیالات اور بد اعمال اس جڑ کو ضائع کر دیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

ہر ایک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

سامعین! ایمان اور نفاق کی مثال دیتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”**دل چار قسم کے ہوتے ہیں** ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو، دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں، تیسرے وہ دل جو اُلٹے ہیں، چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے، دوسرا دل کافر کا ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں، تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے، چوتھا دل اس منافق کی طرح ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں“

(مسند احمد 3/17)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بارہ میں فرمایا:

”**میرے اس دین کی مثال جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس آدمی کی طرح ہے جو اپنی قوم سے آکر کہے اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے دشمن کا ایک لشکر دیکھا ہے اور مَیں تم کو واضح طور پر ڈراتا ہوں تو تم اپنے آپ کو دشمن سے بچاؤ** اور اس قوم میں سے ایک جماعت نے اس کی اطاعت کی اور شام ہوتے ہی اس مہلت کی بناء پر بھاگ گئی اور ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ یہی مثال ہے جو میری اطاعت کرتا ہے اور مَیں جو دینِ حق لے کر آیا ہوں اس کی اتباع کرتا ہے اور مثال اُن لوگوں کی جو میری نافرمانی کرتے ہیں اور جو دینِ حق لے کر آیا ہوں اُس کو جھٹلاتے ہیں۔“

(مسلم الفضائل ،باب شفقة علی اُمته..)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ قرآن وحدیث پر عمل انسان کو گناہ اور جہنم سے بچاتا ہے اور قرآن وحدیث پر عمل نہ کرنے والے لوگ اخروی زندگی میں تباہ وبرباد ہوں گے اور اللہ کے عذاب کا سامنا کریں گے۔

سامعین کرام! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ

"میری اور لوگوں کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے رہے۔ اسی طرح میں تمہاری کمر کو پکڑ کر آگ سے تمہیں نکالتا ہوں اور تم ہو کہ اسی میں گرتے جاتے ہو۔"

(صحیح بخاری)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر وہ تمام اعمال واضح فرما دیے جو ان کو جنت میں لے جانے والے اور جہنم سے بچانے والے ہیں۔ اس حدیث میں آگ سے مراد شریعت کی بیان کردہ حدود اور گناہ کے امور ہیں جو کہ مشرق و مغرب تک پہنچی اور وہاں روشنی کی، لیکن لوگ بجائے اس کے کہ اس آگ سے بچتے اور اللہ کی حدود نہ پھلانگتے لیکن گناہ کا ارتکاب کرتے رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو گویا لوگوں کو ان کی پیٹھوں سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانا چاہتے ہیں لیکن وہ لوگ جو شریعت پر عمل نہیں کرتے آخر کار وہ آگ میں ہی گریں گے۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اور **باقی انبیاء کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "میری مثال اور ان تمام انبیاء کرام کی مثال جو مجھ سے پہلے آچکے ہیں ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے گھر بنایا اور اس کو اچھا خوبصورت اور مکمل طور پر بنایا لیکن اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی** لوگ اس مکان کے چاروں طرف گھومتے ہیں اور اسے دیکھتے ہیں اور وہ مکان اُن کو اچھا لگتا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگر اِس جگہ ایک اینٹ رکھ دی جاتی تو تمہارا مکان مکمل ہو جاتا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَیں ہی وہ اینٹ ہوں۔"

(صحیح مسلم باب ذکر خاتم النبین)

یعنی آنحضور صلی اللہ وسلم کی بعثت نے تمام دینوں کو اسلام کی صورت میں مکمل کر دیا ہے اور آخری اینٹ آپؐ کے وجودِ مبارک کے ساتھ اِس عمارت میں لگا دی گئی ہے۔

حضرت معاویہ بن سفیانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عنقریب میری امّت میں سے ایسے لوگ نکلیں گے کہ گمراہی ان میں ایسے سرایت کر جائے گی **جیسے باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے جسم میں زہر سرایت کر جاتا ہے۔"**

(ابوداؤدالسنۃ)

جس طرح پاگل کتے کا ٹنے سے انسان کے جسم میں زہر پھیل جاتا ہے اور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اسی طرح جو شخص دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے یا گمراہ ہو جاتا ہے اُس میں بھی ایمان کی رمق باقی نہیں رہتی۔ وہ اسلام کو نقصان ہی پہنچاتا ہے فائدہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام قصور، کوتاہیاں اور کمزوریاں معاف فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر ہو۔ آمین

بھیج درود اُس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفی نبیوں کا سردار

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿36﴾ ﴿مشاہدات۔432﴾

امثال الاحادیث

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:152)

جیسا کہ ہم نے تمہارے اندر تم ہی میں سے رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور (اس کی) حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کا تمہیں پہلے کچھ علم نہ تھا۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سَيِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَجْهِ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ
لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

معزز سامعین! آج میری تقریر کا موضوع ”امثال الاحادیث“ ہے۔

ہم اپنی روز مرہ زندگی میں بھی دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ اگر کوئی بات سمجھ نہ آرہی ہو تو اس کو مثال دے کر سمجھایا جاتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں یہ طرزِ بیان بڑی کثرت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے، اس لیے تمثیلات کا مضمون بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں تدبر کرنا قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"یہ تمثیلات ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ تفکّر کریں۔"

(الحشر:22)

اسی طرح احادیث میں بے شمار باتیں مثالیں دے کر سمجھائی گئی ہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ احادیث مبارکہ میں جو باتیں مثالیں دے کر سمجھائی گئی ہیں ان کو عام کیا جائے اور لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان سے حاصل ہونے والی عبرتیں، نصیحتیں اور مسائل کو بیان کیا جائے تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں۔

آج میں وقت کی مناسبت سے آپ کے سامنے کچھ امثال الاحادیث پیش کروں گا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

(ابن ماجه الزهد)

ایک مومن کو دنیا میں کتنا ہی آرام میسر ہو لیکن وہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے گھبراتا رہتا ہے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے جبکہ ایک کافر دنیاوی عیش و آرام کو ہی اپنا سب کچھ سمجھتا ہے اسے آخرت کی فکر نہیں ہوتی کہ عذاب اس کا مقدر ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کعبہ کا دروازہ پکڑ کر یوں بیان کیا

"مَیں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یاد رکھو! تمہارے حق میں **میرے اہلِ بیت کی مثال وہی ہے جو نوح کی کشتی کی ہے** جو اس میں سوار ہو گیا اس نے نجات پالی اور جو شخص اس کشتی میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔"

(احمد فی فضائل الصحابة)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”**عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسی چاند کی دوسرے ستاروں پر**، علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء روپیہ پیسہ ورثہ میں نہیں چھوڑ جاتے بلکہ ان کا ورثہ علم و عرفان ہے۔ جو شخص علم حاصل کرتا ہے وہ بہت بڑا نصیبہ اور خیرِ کثیر حاصل کرتا ہے۔“

(ترمذی کتاب العلم باب فی فضل الفقه، حدیقة الصالحین صفحہ 210)

اس حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عابد شخص پر ایک عالم شخص کو فوقیت دی ہے۔ ایک عالم کا فائدہ صرف اُسی کی ذات کو نہیں پہنچتا بلکہ اس سے دوسرے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح چودھویں کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر روشن ہو کر ساری دنیا کو روشن کرتا ہے لیکن ایک عابد تو ستارے کی مانند ہے جو خود اپنی ہی جگہ روشن ہوتا ہے اس کی روشنی سے سب فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اس کی روشنی محدود ہوتی ہے۔

پھر علم سے متعلق ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”**اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانہ کی مانند ہے** جس میں سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔“

(مسند احمد 2/399)

یعنی علم حاصل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم کو صرف اپنی حد تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کو دوسروں میں پھیلائے خاص طور پر دین کا علم۔

پھر ایک روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو خوب چرو۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ حضور! یہ ریاض الجنة (یعنی جنت کے باغ) کیا چیز ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجالس علمی۔ یعنی مجالس میں بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔

(الترغیب الترھیب۔ باب الترغیب فی مجالسة العلماء جلد نمبر 1 صفحہ 76 بحوالہ الطبرانی الکبیر)

سامعین! آج کے دور میں ہمارے اجلاسات، اجتماعات اور جلسے بھی علم کے باغ ہیں جن سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں:

"جب اجتماعات یا جلسوں پہ آتے ہیں تو وہاں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور صرف یہی مقصد ہونا چاہئے کہ ہم نے یہاں سے اپنی علمی اور روحانی پیاس بجھانی ہے اور ان جلسوں کا جو مقصد ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اگر جلسوں پہ آکے پھر دنیاوی مجلسیں لگا کر بیٹھنا ہے اور ان سے پورا استفادہ نہیں کرنا تو پھر ان جلسوں پہ آنے کا فائدہ کیا ہے؟ یہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آج کل کے زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کو بھی پڑھنے کی طرف توجہ دینی چاہئے اور ان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے یہ بھی قرآن کریم کی ایک تشریح و تفسیر ہے جو ہمیں آپؑ کی کتب سے ملتی ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 جون 2004ء)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یاد رکھو یہ **دل زنگ پکڑتے ہیں جیسا کہ پانی پہنچنے سے لوہا زنگ پکڑتا ہے۔** عرض کیا گیا کہ یارسول اللہؐ! اس کی صقل روشن کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ موت کو زیادہ یاد کرو اور قرآن کی تلاوت۔"

(بھیقی فی شعب الایمان 2/353)

سامعین! روزے کے بارہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**روزہ ایک ایسی ڈھال ہے جو گناہ سے بچاتی ہے** اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھتی ہے۔"

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 402 مطبوعہ بیروت)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ ڈھال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ قلعہ تو ہے لیکن اس ڈھال کے پیچھے اور اس قلعہ کے اندر کب تک اس قلعے میں حفاظت ہوتی رہے گی، کب تک محفوظ رہو گے.... اگر جھوٹ بول رہے ہو تو اس ڈھال کو پھاڑ دیتے ہو۔ لوگوں کی غیبت کر رہے ہو، چغلیاں کر رہے ہو، پیچھے بیٹھ کے ان کی باتیں کر رہے ہو تو یہ بھی تمہارے روزے کی ڈھال کو پھاڑنے والی ہیں۔ تو روزہ اگر تمام لوازمات کے ساتھ رکھا جائے تو ڈھال بنے گا۔ ورنہ دوسری جگہ فرمایا پھر تو یہ روزہ صرف بھوک اور پیاس ہی ہے جو آدمی برداشت کر رہا ہوتا ہے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ 15 اکتوبر 2004ء)

ایک مرتبہ ایک عورت اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ اس کی بیٹی نے سونے کے بھاری کنگن پہنے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے اس عورت سے پوچھا کیا ان کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟۔ اس نے جواب دیا نہیں یا حضرت! آپؐ نے فرمایا **کیا تُو پسند کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے آگ کے کنگن پہنائے**۔ یہ سُن کر اس عورت نے اپنی بیٹی کے ہاتھ سے کنگن اتار لیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔"

(ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ھُو و زکوٰۃ الحلی)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ گوارہ نہ ہوتا کہ تین راتیں گزر جاتیں اور وہ تمام سونا یا اس کا کچھ حصہ علاوہ بقدر ادائے قرض کے میرے پاس موجود رہتا۔"

(صحیح بخاری، الاستقراض، باب اداء الدیون 2389)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخیل اور صدقہ دینے کی مثال ایسے دو اشخاص کی ہے جن کے جسموں پر لوہے کی زرہیں ہوں اور ان زرہوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے ہاتھ ان کی چھاتیوں اور گردن کی ہنسلی کی طرف چمٹے ہوئے ہوں۔ چنانچہ جب صدقہ دینے والا صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کھل جاتی ہے لیکن جب بخیل صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس زرہ کے حلقے اور تنگ ہو جاتے ہیں۔"

(صحیح بخاری، اللباس باب جیب القمیص من عند الصدور)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے والے کے ثواب کو پہاڑ سے مثال دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص کھجور برابر حلال کمائی میں سے خرچ کرے اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ صرف مال حلال ہی قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر اس صدقہ کو صدقہ دینے والے کے لیے اس طرح پالتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنا بچھڑا پالتا ہے **یہاں تک کہ وہ صدقہ یا اس کا ثواب پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے**۔"

(صحیح بخاری، الزکوٰۃ باب الصدقۃ من کسب طیب)

یعنی انسان کے پاس اگر مال متاع ہے تو اس کو کوشش کرنی چاہیے کہ اپنا مال حقداروں میں بانٹ دے سوائے اس کے جو اس نے کسی کا قرض ادا کرنا ہے کیونکہ قرض ادا کرنا صدقہ دینے سے مقدم ہے۔ صدقہ دینے والے کے لیے اللہ تعالیٰ آسانیاں فراہم کرتا ہے جبکہ بخیل جو کبھی کبھار ہی صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگی کر دیتا ہے۔ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”تم نیکی کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے، تمہیں نیکیاں بجالانے کی توفیق ہرگز نہیں مل سکتی جب تک تمہارے دل کی کنجوسی اور بُخل دُور نہیں ہوتا اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی مخلوق کی راہ میں وہ مال خرچ نہیں کرتے جو تمہیں بہت عزیز ہے۔ جب تک تم اپنے خرچ کے حساب کو صاف نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کے حساب کو صاف نہیں رکھتے، جب تک تم اس مال میں سے جو تمہیں بہت عزیز ہے، جس سے تمہیں بڑی محبت ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور یہ مال جو ہے اپنا جب تک تم اپنے مال کو صرف اپنے پر خرچ کرنے کی سوچتے رہو گے یا سنبھال کر تجوریوں میں بند کر لو گے، ان کنجوسوں اور بخیلوں کی طرح جو اپنی آل اولاد پر بھی بعض اوقات مال خرچ نہیں کرتے اور جمع کرتے رہتے ہیں اور آخر کار اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اور مال ان کے کچھ بھی کام نہیں آتا۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28 مئی 2004ء)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

”جس مسلمان کو بیماری کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ (اس طرح) دور کر دیتا ہے **جیسے درخت اپنے پتے جھاڑتا ہے۔**“

(صحیح بخاری۔ المرض باب اشد الناس بلاء الانبیاء)

حضرت اُمّ علاءؓ بیان کرتی ہیں کہ مَیں بیمار تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے میرے ہاں تشریف لائے اور میری تسلی کے لیے فرمایا اُمّ علاء بیماری کا ایک خوش کُن پہلو بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مرض کی وجہ سے ایک مسلمان کی خطائیں اس طرح دور کر دیتا ہے **جس طرح آگ سونے اور چاندی کا میل کچیل دُور کر دیتی ہے۔**“

(ابوداؤد کتاب الجنائز باب عیادۃ النساء)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کیا' آپؐ نے فرمایا: ''مومن کو جب کوئی بیماری آتی ہے اور پھر اللہ اسے عافیت اور شفا دے دیتا ہے تو وہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کے لیے نصیحت کا سبب ہوتی ہے اور منافق جب بیمار پڑتا ہے اور پھر اسے عافیت دی جاتی ہے تو اس **کی مثال اونٹ کی سی ہوتی ہے** جسے اس کے گھر والوں نے باندھا ہو اور پھر کھول دیا ہو۔ اسے **معلوم** نہیں ہوتا کہ کیوں باندھا تھا اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں چھوڑ دیا ہے۔''

(ابوداؤد، الجنائز باب الامراض)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر بلکہ راہ گیر ہو۔''

حضرت ابن عمرؓ اس کے بعد لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو، نیز اپنی صحت کو بیماری سے غنیمت جانو اور اپنی زندگی کو موت سے غنیمت سمجھو۔

(صحیح بخاری، الرقاق باب قول النبی ،کن فی الدنیا کانك غریب)

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! دنیا کی قدر و قیمت آخرت کے مقابلے میں اتنی ہی ہے **جیسے تم میں سے کوئی آدمی سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے، پھر دیکھے کہ وہ انگلی کتنا پانی لے کر آئی ہے۔''**

(صحیح مسلم کتاب الجنۃ)

یعنی ہمیں چاہیے کہ ہم صرف دنیا کی لذتوں میں ہی نہ کھو جائیں بلکہ ایک مسافر کی طرح اس دنیا میں رہیں جس کی ساری توجہ اپنی آخری منزل پر پہنچنے کی ہو۔

نماز پڑھتے وقت جن جانوروں کی حرکات و سکنات اختیار کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا اُن کا ذکر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''**جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ایسے نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے**، چاہیے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے۔'' (سنن ابوداؤد)

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سجدہ کرنے کی پوزیشن کو کتے کی مثال سے واضح فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”سجدوں میں اعتدال کرو اور **تم میں سے کوئی اپنے بازو کتے کی طرح بچھا کر سجدہ نہ کرے“**

(صحیح بخاری، سنن نسائی باب سجود القرآن)

کتے کی طرح بازو پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہتھیلیوں کے ساتھ ساتھ کہنیوں کو بھی زمین پر رکھ دے۔ یہ منع ہے۔ کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھیں۔ پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کیا جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ اس کے سر کو **گدھے** کا سر بنا دے؟“

(ترمذی)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مرغ کو گالی نہ دو چونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔“

(ابوداؤد، باب ما جاء فی الدیك)

پھر فرمایا:

”جب تم **مرغ** کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو، کیونکہ وہ فرشتہ دیکھ کر آواز لگاتا ہے اور جب تم گدھے کو ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے“

(صحیح البخاری بدء الخلق 15)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو ایک اونٹ سے مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے مومن کی مثال نکیل والے اونٹ کی سی ہے جدھر اسے لے جاؤ چل پڑتا ہے اور اطاعت کا عادی ہوتا ہے۔

(ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی الزوم الطاعۃ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حافظ قرآن کے لیے فرمایا کہ **قرآن پڑھنے والے کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی طرح ہے اگر** تو مالک اچھی طرح خیال کرے گا تو وہ بندھا رہے گا اور اگر وہ خبر گیری میں کمی

کرے گا تو اونٹ بھاگ جائے گا اسی طرح اگر حافظ قرآن تلاوت کرتا رہتا ہے تو قرآن یاد رہتا ہے اور اگر تلاوت چھوڑ دے گا تو قرآن بھول جائے گا اور سینے سے نکل جائے گا۔

(مسلم و بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس شخص نے دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا تو اس کے گناہ ختم کر دیے جاتے ہیں اگرچہ وہ **دریا کے جھاگ کی مانند یعنی کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔**"

(صحیح بخاری، الدعوات باب فضل التسبیح)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خشک پتوں والے ایک درخت کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے اپنا عصا مبارک اس کی ٹہنیوں پر مارا جس سے پتے جھڑنے لگے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ "**الحمدللہ و سبحان اللہ لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھنا بندوں کے گناہوں کو اسی طرح جھاڑتا ہے جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔**"

(ترمذی الدعوات 3533)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس وقت لوگوں کے درمیان اپنے دین پر صبر کرنے والا (یعنی دنیا سے اپنا دامن بچا کر دینی احکام کی حفاظت اور پیروی کرنے والا) اس شخص کی مانند ہو گا **جس نے اپنی مٹھی میں انگارہ لے لیا ہو۔**

(ترمذی باب الفتن)

سامعین! ہم آج کے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ جب برائی عام ہو گئی اور فسق و فجور دنیا میں پھیلتا جا رہا ہے اور معاشرہ میں بدکار لوگوں کا اتنا غلبہ ہے کہ ایک عام انسان جو اپنے دین پر قائم رہنا چاہتا ہے اس کے لیے بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ہمیں اُسوہ رسول پر چلتے ہوئے اپنے اخلاق کو ہر لحاظ سے اور ہر موقع پہ اور ہر جگہ اور ہر صورت میں بہتر سے بہتر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے اخلاق کے معیار اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہوں، نہ کہ دنیا دکھاوے کے لئے۔ مخلوق کی سچی ہمدردی ہمارے دلوں میں پیدا ہو۔ تقویٰ کے معیار بلند کرنے والے ہم ہوں۔ ہم نے زمانے کے امام کو مانا ہے تو ہماری سوچ ہر وقت یہ رہے کہ ہمارا کوئی عمل اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی بدنامی کا باعث نہ بنے بلکہ اسلام کی خوبصورت تعلیم کو ہم پھیلانے والے ہوں اور دنیا کو اس سے متاثر کرنے والے ہوں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 مارچ 2018ء)

بھیج درود اُس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفی نبیوں کا سردار

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿37﴾ ﴿مشاہدات۔490﴾

چھوٹی چیزیں، بڑے نتائج
(احادیث کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (البقرہ:139)

اللہ کا رنگ پکڑو۔ اور رنگ میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

قرآں کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

معزز سامعین! گزشتہ دنوں کسی دوست نے جنابِ شاعر منیر احمد باجوہ آف ہمبرگ، جرمنی کی ایک نظم بعنوان چھوٹی چیزیں، بڑے نتائج شیئر کی۔ خاکسار نے اس پورے منظوم کلام کو بہت دلچسپ اور سبق آموز پایا۔ دنیا میں یہ رواج ہے کہ انسان اپنے کلام کو مختصر رکھے جو دل و دماغ پر اثر کرے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی باتیں بھی مَاقَلَّ وَ دَلَّ کے مطابق ہوتیں۔ ہم نے دنیا میں بولے جانے والی مختلف زبانوں کا مطالعہ کیا ہے ہر زبان میں چھوٹے چھوٹے مختصر مگر جامع مفہوم لئے ہوئے محاورے، ضرب المثل اور Proverb ہوتی ہیں۔ جو چند الفاظ پر مشتمل ہوتی ہیں مگر اپنے اندر معنی کا ایک سمندر رکھتی ہیں جیسے کہتے ہیں۔ زُبانِ خلق کو نقّارہ خدا سمجھو کہ اکثر لوگ جو باتیں کہیں وہ ہو جاتی ہیں یا کہتے ہیں بدن میں دم نہیں نام زور آور خان بمعنی اُن صفات سے کسی کو یا اپنے آپ کو موصوف کرنا جو موجود نہ ہوں۔ شیخی مارنے والے کے متعلق یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ اِس طرح کے ہزاروں لاکھوں بامعنی اور

سبق آموز محاورے اردو زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ بانی اسلام حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء سے جو ممتاز خوبیاں عطا ہوئی تھیں اُن میں سے ایک جوامع الکلم تھی۔ یعنی آقا و مولی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی خوبی عطا ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم مختصر مگر جامع کلام چند الفاظ میں کیا کرتے تھے جو جوامع الکلم کہلائے یعنی جامع مانع کلام۔

آج مجھے اپنی تقریر میں احادیث کے حوالہ سے انہی چھوٹی چھوٹی باتیں جو نتیجہ خیز اور بھرپور معانی لیے ہوتی تھیں اختصار سے ذکر کرنا ہے۔ لیکن اس سے قبل وہ نظم ہدیہ سامعین کرنا چاہتا ہوں۔ جناب منیر احمد باجوہ لکھتے ہیں۔

چھوٹی چیزوں سے بڑی چیزیں جنم لیتی رہیں
چھوٹی خوشیاں ہی عمر بھر یاد بھی آتی رہی
چھوٹے ذروں سے ہی مل کر بن گئی سب کائنات
یوں لگی رونق جہاں میں بستیاں بنتی رہیں
چھوٹے قطروں نے بنائے مل کے بحرِ بیکراں
جن میں بحری بیڑے ہیں اور کشتیاں چلتی رہیں
یوں تو کنکر چھوٹے ہیں پر ان سے بنتے ہیں پہاڑ
چوٹیاں جن کی سدا ہی آسماں چھوتی رہیں
چھوٹی چھوٹی بدگمانی سے پڑے جگ میں فساد
کوکھ سے جن کی لڑائیاں ہی جنم لیتی رہیں
چھوٹے چھوٹے حرفوں سے بنتی گئیں لمبی سطور
پھیل کر قرطاس پر عبارتیں بنتی رہیں
چھوٹے ذروں سے بنا ایٹم تباہی کے لئے
جس سے بربادی ہوئی نسلیں تباہ ہوتی رہیں

چھوٹی چھوٹی نیکیاں بھی بدل دیتی ہیں نصیب
امرِ ربی پا کے اپنا رنگ دکھلاتی رہیں
تھا تو آدم کرمِ خاکی عجز کی اعلیٰ مثال
زاریاں اُس کی عرش پر مرحبا پاتی رہیں
ایک آنسو بھی تو چھوٹا ہے، کبھی سوچا منیر
رحمتیں مولا سدا اس پر ترس کھاتی رہیں

آئیں ! اب کچھ جوامع الکلم کی باتیں کر لیں ۔ جیسے آپؐ فرماتے ہیں۔ لَيسَ الْخَبَرُ كَالمُعَا يَنَةِ (چہل احادیث) کہ سُنی سنائی بات خود دیکھنے کی طرح نہیں ہے ۔ اب یہ تین لفظی نصیحت ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کی اور اس پر عمل نہ کر کے مسلمان جو نقصان اٹھا رہے ہیں، خمیازہ بھگت رہے ہیں، وہ ظاہر و باہر ہے۔ سوشل میڈیا پر اکثر مسلمانوں نے جو طوفانِ بدتمیزی برپا کر رکھا ہے وہ غیر اقوام میں کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہم میں سے اکثر بغیر تحقیق کے ہر میسیج، ہر پوسٹ اور ہر آڈیو کو جو فون کی سکرین پر ظاہر ہو اُسے آگے بھجوانا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں۔ جس سے معاشرہ بدامنی کا شکار ہو رہا ہے۔ لڑائی جھگڑا، تُو تکرار اور قتل وغارت عام نظر آتی ہے۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰةُ الْمُسلِمِ (چہل احادیث) کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے۔ یہ بھی ایک ایسی چھوٹی بات ہے جس کے نتائج بہت بڑے ہوتے ہیں۔ جس طرح ہم روزانہ ہی آئینہ کے ذریعہ سنورتے بنتے ہیں ویسے ہی ایک مسلمان دوسرے کے لئے آئینہ کے طور پر ہے۔ جس کے ذریعے ہم اپنی خامیاں، نقص دور کر سکتے ہیں۔ ہم شیشے کے بتائے ہوئے اپنے چہرے کے نقائص خاموشی سے دور کر لیتے ہیں۔ لیکن جب ایک مسلمان روحانی معنوں میں شیشہ بن کر اپنے بھائی کے نقائص کی نشان دہی کرتا ہے تو اسے برا منایا جاتا ہے۔ تُو تکرار سے بات شروع ہو کر لڑائی جھگڑا اور بول چال بند ہونے تک جا پہنچتی ہے جو اسلامی طریق نہیں۔

سامعین کرام! میری آج کوشش ہے کہ میں اُن جوامع الکلم کو بیان کروں جو نصیحت آموز اور سبق آموز ہیں۔ جن پر عمل نہ کرنا بھیانک نتائج پر منتج ہوتا ہے اور معاشرہ کا امن تار تار ہوتا ہے جیسے دو الفاظ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلۡمُسۡتَشَارُ مُوۡتَمَنٌ (چہل احادیث) کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ ہم اپنے ماحول اور روحانی طور پر جماعت میں یا اپنے خاندانی معاملات میں بہتری اور بھلائی کے لیے اکثر ایک دوسرے سے مشورے کرتے ہیں۔ جس سے مشورہ کیا جائے اُسے اس چھوٹی سی بات پر امین ہونا چاہیے کہ وہ مشورہ کی جانے والی بات کو مشہور نہ کرے یا اُس کے مخالف کو نہ بتائے۔ جیسے کوئی تاجر اپنے کاروبار میں بڑھوتڑی اور ٹیکسیز کو چیلنائنز کرنے کے لیے کسی وکیل یا فنانس کے افسر سے مشورہ کرتا ہے تو مشورہ کرنے والے کے تمام کاغذات اُس کے پاس راز ہیں۔ جسے کہیں بھی افشاں نہیں کرنے چاہئے۔ اب یہ بہت معمولی سی بات ہے جس پر عمل نہ کرکے معاشرہ تباہ و برباد ہوتا چلا جارہا ہے۔ پھر چہل احادیث میں ہی حضرت میر محمد اسحٰق رضی اللہ عنہ نے نمبر 5 پر یہ مختصر قولِ مبارک نقل کیا ہے کہ اَلدَّالُ عَلَی الۡخَیۡرِ کَفَاعِلِہٖ کہ نیکی پر آگاہ کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں یہ عظیم سبق ہے کہ اگر آپ کسی کو نصیحت کرنے لگے ہیں تو پہلے اپنا جائزہ لے لیں کہ آپ اُس پر عمل پیرا ہیں یا نہیں۔ وہ کہیں دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت کا محاورہ تو آپ پر لاگو نہیں ہو رہا۔ دیکھیں! چار لفظی چھوٹے سے حسین جملہ میں معاشرہ کو حسین سے حسین تر کرنے کا اصول وضع کر دیا جس کے نتائج بہت بڑے ہیں۔

سامعین! پھر فرمایا اَلۡحَیَاءُ خَیۡرٌ کُلُّہٗ (چہل حدیث) کہ حیاء سراسر بہتر ہے۔ اب یہ بات ہے تو بہت چھوٹی سی مگر ہے بہت پتے کی۔ مسلمانوں نے جب تک حیاء اور پردہ کو اپنی زینت بنائے رکھا اُس وقت تک اسلام کا بول بالا رہا اور جب سے رفتہ رفتہ حیاء کو خیر آباد کہنے لگے تب سے بے حیائی کیا اسلامی کلچر ہی بدل گیا اور قسما قسم کی برائیوں نے اسلامی کلچر اور معاشرہ میں راہ بنائی اور اب بعض جگہوں اور مقامات پر کہا جاسکتا ہے کہ یورپین کلچر اور ایشین کلچر میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔

معزز سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ایک تین لفظی ضرب المثل اَلۡبَلَاءُ مُؤَکَّلٌ بِالۡمَنۡطَقِ (چہل حدیث) کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلاء اور مصیبت انسان

کی بات پر موقوف ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ پرندے اپنے پاؤں اور انسان اپنی زبان کی وجہ سے جال میں پھنستے ہیں۔ اور یہ بات بہت حد تک درست بھی ہے۔ پھر کہتے ہیں زبان ہی ہاتھی چڑھائے، زبان ہی سر کٹوائے کہ زبان ہی سے آدمی کی عزت ہوتی ہے اور زبان ہی سے ذلت۔ انسان کو بولنے سے قبل سوچ لینا چاہئے قبل اس کے کہ اُسے زبان کے غلط استعمال پر بعد میں معذرت کرنی پڑے۔ اب معاشرہ میں جو بد نظمی اور جو بدامنی نظر آتی ہے اگر غور کریں اور جائزہ لیں تو اُس کی وجہ معاشرہ میں بسنے والے باسیوں کے زبان کا غلط استعمال ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سامنے اپنی زبان مبارک کو ذرا سا باہر نکال کر دو انگلیوں سے پکڑ کر فرمایا کہ اسے روک کر رکھو۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ (چہل احادیث) کہ نیک بخت، خوش نصیب اور سعادت مند وہ ہے جو غیروں کے حال سے نصیحت پکڑے۔ اسلام کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ معاشرہ میں بسنے والے نیک اور صوفی منش لوگوں کا خاموشی سے مطالعہ کرے اور اُن کی چال ڈھال، چال چلن اور حال و قال سے سبق سیکھے۔ اگر ہم میں سے ہر کوئی اس ہدایت پر کاربند ہو جائے تو جہاں نیک اور صالح لوگوں کے چال ڈھال اور سیرت کو اپنا کر خود نیک بنیں گے وہاں خود بھی دوسروں کے لئے نمونہ بننے کی کوشش کرنی ہوگی اور یوں اس چھوٹی سی بات سے معاشرہ کے حسین قیام کا بہت بڑا نتیجہ اخذ ہوگا۔ ہمارے پیارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ احباب جماعت کو اپنے جائزے لینے کی طرف بار بار متوجہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو میں اوپر اپنی تقریر میں اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ میں بیان کر آیا ہوں۔

سامعین! آٹھواں ارشاد مبارک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو میں آج آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (چہل احادیث) کہ آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اُسے محبت ہوتی ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک مومن کو سب سے پہلے اپنے خالق حقیقی اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اور صِبْغَۃَ اللّٰہِ کے تحت اللہ کے رنگ میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے جس سے ایک مسلمان اپنی محبت روا رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:32) کہ اے محمدؐ! کہہ

دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور فرمایا فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ: 201) کہ اللہ کا ذکر کرو ایسا ذکر جو تم آباء و آجداد کا کرتے ہو بلکہ اس سے بڑھ کر۔

پس بھائیو! یہ وہ مضمون ہے جو ہمیں اللہ کے قریب کرتا جاتا ہے۔ اگر اللہ سے محبت ہو جائے تو اس کی مخلوق سے بھی محبت ہوتی چلی جائے گی۔ یہی وہ بڑا نتیجہ ہے جو اس چھوٹے سے حکم پر عمل کرنے سے ملے گا۔

سامعین! نویں ہدایت التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ (چہل احادیث) کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہوتا ہے کہ جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ اس مختصر سی ہدایت کو اپنے معاشرہ پر لاگو کر کے دیکھیں تو باوجود معافی مانگنے کے اُس پر طعن و تشنیع کا بازار گرم رہتا ہے۔ اسے معاشرہ میں جینے کے قابل نہیں چھوڑتے۔ جبکہ توبہ کا تعلق انسان کے دل اور اُس کے اللہ کے ساتھ ہے۔ ہر انسان اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنی غلطیاں درست کرنے کی فکر میں رہے تو ہمارا معاشرہ وہ مثالی معاشرہ بن سکتا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا۔

پیارے بھائیو! آج کی تقریر کی دسویں اور آخری تین لفظی بات خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى کے الفاظ میں چہل احادیث میں چالیسویں نمبر پر بیان ہوئی ہے جس کے معانی ہیں سب سے بہتر زادِ راہ تقوی ہے۔ انسان کو اپنی زندگی میں بے شمار سفر کرنے پڑتے ہیں اور وہ ہر سفر کرنے کے لئے تیاری کرتے وقت کچھ زادِ راہ ساتھ رکھتا ہے جو اُس کے سفر میں اُس کے کام آتا ہے۔ اسی طرح انسان اپنی زندگی کے سفر کے لیے اور بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ساتھ کے ساتھ زادِ راہ اکھٹا کرتا رہتا ہے۔ جسے ہم بینک بیلنس بھی بولتے ہیں۔ ہر انسان کا خواہ اس کا تعلق کسی مذہب سے ہو اس کا ایک زاد راہ ہوتا ہے۔ اسلام نے ایک مسلمان کی روحانی زندگی کے لیے جو زادِ راہ قرار دیا وہ تقویٰ ہے، جس کے معانی اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر ہے۔ جو اسلام کی تعلیات میں بنیادی حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر مومن اپنی ساری زندگی تقوٰی اور خوفِ الٰہی سے گزارے تو اُس کا بڑا نتیجہ جنت کی صورت میں اسے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے شمار مقامات پر تقوٰی اختیار کرنے کی نہ

صرف تلقین فرمائی ہے بلکہ اپنے نزدیک سب سے زیادہ معزز شخص اُسی کو قرار دیا ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے (الحجرات:14)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”قرآن شریف میں تمام احکام کی نسبت تقوی اور پرہیز گاری کے لئے بڑی تاکید ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تقوی ہر ایک بدی سے بچنے کے لیے قوت بخشتی ہے اور ہر ایک نیکی کی طرف دوڑنے کے لئے حرکت دیتی ہے“

قرآن کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا
فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا

سامعین! وقت کی رعایت سے خاکسار نے حضرت میر محمد اسحاق رضی اللہ عنہ کے مختصر سے کتابچہ چہل احادیث سے 10 مختصر باتیں مع بڑے نتائج آپ کے سامنے رکھی ہیں ورنہ تو چہل یا چالیس کے عنوان سے بہت سی کتابیں اور کتابچے لوگوں نے جمع کر رکھے ہیں جن میں سینکڑوں کی تعداد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم مل جاتے ہیں۔ اُن تمام کو اپنی زندگی میں حرزِ جان بنانا چاہیئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہو اور ہم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کے تحت اپنے پیارے رسولؐ سے محبت کو مزید بڑھانے والے ہوں۔ کان اللہ معکم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: سلمان طارق خان)

﴿38﴾ ﴿مشاہدات۔202﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سسرالی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء:2)

اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں میں سے مَردوں اور عورتوں کو بکثرت پھیلا دیا۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کے واسطے دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رِحموں (کے تقاضوں) کا بھی خیال رکھو۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سسرالی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک**

ڈاکٹر منصور احمد قریشی صاحب آف امریکہ لکھتے ہیں کہ

مَیں سول ہسپتال کے میڈیکل کالج کا طالب علم تھا۔ آدھی رات کا وقت تھا ایک نوجوان لڑکی کو لایا گیا جس کے ساتھ اس کا شوہر، ساس اور خاندان کے بہت سے لوگ تھے۔ لڑکی کا رنگ زرد پڑ چکا تھا اتنا زرد گویا موت کے قریب تھی۔ وہ بچے کی پیدائش کی دردوں میں مبتلا تھی اور بہت سا خون ضائع ہو چکا تھا پتہ نہیں وہ اس کو کتنی دور سے لائے تھے۔ ہماری میڈیکل کی ٹیم اُس لڑکی کی زندگی بچانے کے لئے فوری طور پر حرکت میں آئی۔ فوری طور پر خون کی ضرورت تھی اُن دنوں بلڈ بنک کا انتظام اچھا نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا خاندان کے افراد کو ہی خون عطیہ کرنا ہوتا تھا۔ ہم نے اُس کے خاوند سے، جو اچھا بھلا صحت مند جوان آدمی تھا، کہا کہ وہ خود خون عطیہ کرے۔ ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی والدہ یعنی لڑکی کی ساس فوری طور پر آگے بڑھی، اپنے بیٹے کا ہاتھ تھاما اور اُسے خون عطیہ کرنے سے منع کر دیا۔ مَیں سمجھا کہ شاید اس کو

حالت کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے۔ اس کے قریب جا کے سمجھایا کہ لڑکی کا بہت زیادہ خون ضائع ہو چکا ہے، اس کی زندگی خطرہ میں ہے۔ خون دے کر ہم اس کی زندگی بچانے کی کوشش کریں گے۔ مگر ہماری اس وضاحت کے باوجود اس کی والدہ بدستور اپنے بیٹے کو خون عطیہ کرنے سے روکتی رہیں۔

سوال یہ ہے کہ وہ خاتون اس لڑکی یعنی اپنی بہو سے ایسا سلوک کیوں کر رہی تھی ۔ اسے لڑکی کے مرنے کی پرواہ نہیں تھی۔ مگر اپنے بیٹے کو خون دینے سے منع کر رہی تھی۔ ہم تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے والے ہیں۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ

"تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں۔ اگر جسم کا کوئی ایک حصہ بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم ہی اس سے متاثر ہوتا ہے"

(صحیح مسلم)

وہ خاتون ایک لڑکی کا درد کیوں محسوس نہیں کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں کیا تھا؟ یہ سچا واقعہ ہے پھر ہم ڈاکٹر اکٹھے ہوئے ہم نے اس کے لئے خون دیا۔ جب یہ خون اس لڑکی کو دیا گیا خدا کے فضل سے اس کی جان بچ گئی مگر یہ ایک انتہائی سنگدلی کی مثال تھی۔ کیا ہم اپنے گردو پیش میں ایسی مثالیں نہیں دیکھتے؟۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم سسرالی رشتہ داری کے ضمن میں اپنے معاشرہ میں دوہرا معیار دیکھتے ہیں نوبیاہتا لڑکی کو ایسے جملے عام سننے پڑتے ہیں ۔ کیا بے کار کا جہیز لائی ہو کچھ بھی کسی کام کا نہیں۔ تمہارے والدین نے تمہاری تربیت درست نہیں کی۔ تمہیں تو کھانا پکانا بھی نہیں آتا۔ تم اپنے والدین سے ملنے نہیں جا سکتی۔ تمہیں اپنے خاندان کے کسی فرد سے رابطہ رکھنے کی اجازت نہیں کیونکہ جب تم وہاں سے آتی ہو نئی نئی باتیں سیکھ کے آتی ہو اور اس طرح کی بہت سی دلآزار باتیں کہنا عام سی بات ہے۔

یہ رویہ صرف ہمارے ساتھ ہی مخصوص نہیں دنیا میں اور بھی ہیں جو رشتوں کا پاس نہیں رکھتے۔ بی بی سی کے ایک مضمون کے مطابق ہر 4 میں سے 3 یعنی 75 فیصد جوڑے اپنے سسرالی رشتہ داروں سے ملنے والی تکالیف کا اظہار کرتے ہیں۔ خاص طور سے ساس بہو کے جھگڑے زیادہ ہیں۔ ایک تجزیہ کے مطابق اس کی وجوہات میں معاملات کا کنٹرول، انانیت، غیر ضروری نکتہ چینی اور روک ٹوک، بڑی بڑی توقعات، لایعنی امیدیں اور اپنے شادی شدہ بچوں کے گھریلو معاملات میں مداخلت شامل ہیں۔

سامعین! ہم اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہیں کہ ہمارا تعلق پیارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ جو تمام بنی نوعِ انسان کے لئے رحمت ہیں۔ آپؐ ہم سب کے لئے ایک ایسے استاد کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے زندگی کے ہر میدان میں ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ آپؐ نے نصائح کے علاوہ اپنے ذاتی نمونہ سے بھی ہمارے لئے ایک عظیم خزانہ چھوڑا ہے۔ شادیوں میں تحفے دئے جاتے ہیں ہمیں کتنی خوشی محسوس ہو اگر ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شادی پر تحفہ دیں؟ ایک مہربان محبت کرنے والے باپ کی طرح آپؐ نے ہم سب کو تحفہ دیا ہے۔ آپ کو پتہ ہے وہ کیا ہے؟ وہ نکاح کا خطبہ ہے۔ آپؐ نے خطبہ نکاح میں پڑھنے کے لئے جو آیات منتخب کی ہیں دراصل شادی کے بعد بننے والے رشتہ داروں سے حسن سلوک کا ایک رہنما منشور ہے۔

اِن آیات کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں ان نکات کو پیشِ نظر رکھیں۔ اِن میں سے پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے جو ہمارے لئے ایک عظیم تحفہ ہے۔

اے لوگو! اپنے ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں میں سے مَردوں اور عورتوں کو بکثرت پھیلا دیا۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام کے واسطے دے کر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رِحموں (کے تقاضوں) کا بھی خیال رکھو۔ یقیناً اللہ تم پر نگران ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے کیا پیغام دیا ہے؟ اس میں برابری کا سبق دیا ہے۔ وہ مالک الملک ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں۔ کسی کو بھی کسی دوسرے پر دنیاوی معاملات میں فضیلت نہیں ہے۔ ہم سب نفسِ واحدہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ ہمارا خاندانی پسِ منظر کیا ہے؟ ہم کہاں رہتے ہیں؟ کیسے رہتے ہیں؟ ہم کتنی مال و دولت رکھتے ہیں؟ ہم کون سی زبان بولتے ہیں؟ ہم کس کالج میں پڑھتے رہے؟ ہمارا گھر کتنا بڑا ہے؟ ہم کون سے برانڈ کے کپڑے پہنتے ہیں؟ ہم کس قسم کی کار چلاتے ہیں؟ ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں برابر ہیں۔

اس یکسانیت کے اعلان کے بعد اللہ تعالیٰ ہماری توجہ رحمی رشتہ داروں اور سسرالی تعلقات کی طرف مبذول کراتا ہے اور فرماتا ہے۔ خدا کا خوف رکھو۔ صرف اور صرف اللہ کی ذات وہ ہستی ہے جو سب سے بالا ہے۔ ہم نے اپنے ذہنوں میں اس ہستی کی بلندی اور برتری کا خیال رکھنا ہو گا۔ نکاح کے موقع پر پڑھی

جانے والی اس آیت میں دو دفعہ اپنے تعلقات میں اللہ تعالیٰ کے خوف کا ذکر فرما کے مزید فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا یعنی یقیناً اللہ تم پر نگران ہے اور تمام کارروائی دیکھ رہا ہے۔ رشتوں کی بات کرتے کے بعد اپنی نگرانی کا ذکر بھی فرمادیا کہ وہ ہر پل نگران ہے جو ہم بند دروازوں کے پیچھے کرتے ہیں وہ بھی اس کی نظر میں ہے۔ ہم دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم تو اپنے خاندان سے بہت حسن سلوک رکھنے والے ہیں۔ قریبی رشتہ داروں سے، سسرالی رشتہ داروں سے 'اپنی بہو اور داماد سے، ان کے گھر والوں سے مناسب برتاؤ کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے منہ کی باتوں پر نہیں جاتا ہمارا عمل دیکھتا ہے۔ اس لئے صرف تقویٰ اور خدا خوفی سے کام لینے کا ارشاد ہے۔

یاد رہے کہ خدا دیکھ رہا ہے اور وہ ہم سے اس کا حساب لے گا۔

سامعین!

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی ہوئی اور فرشتہ جبرائیل آپؐ سے ہم کلام ہوا تو آپؐ حیران پریشان گھر آئے سارا واقعہ حضرت خدیجہؓ کو سنایا۔ وہ آپؐ کو عنفوانِ شباب سے ہی بخوبی جانتی تھیں آپؓ نے آپؐ کے حق میں بہت مضبوط گواہی دی۔ آپؓ کا ردِّ عمل تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے اور اس میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ فرمایا:

”خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ضائع نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، رشتہ داروں کا بے حد خیال رکھتے ہیں“

یہ آپؓ کی گواہی کا ایک جملہ ہے جس میں خاص طور پر آپؐ کی صلہ رحمی کا ذکر ہے اب یہ ظاہر ہے کہ آپ کی بیوی کی یہ گواہی ثابت کرتی ہے کہ آپؐ نہ صرف اپنے اور سسرالی رشتہ داروں سے بھی اچھا تعلق نبھاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے موقع پر نصائح کے ساتھ اپنی زندگی میں اپنے عملی نمونہ کے ذریعہ سے اسے ثابت بھی کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے گھر میں جنّت

جب ہم جنّت کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمارے دل میں کیا خیال آتا ہے؟ ہم موت کے بعد ایک پر سکون زندگی کا سوچتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی قُربت، سکون اور آرام کا خیال آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ جنّت زمین پر آچکی تھی۔ آپ کے گھروں میں قائم ہو چکی تھی پھر یہ جنت آپ کے صحابہ کرامؓ کے گھروں میں بھی منتقل ہو چکی تھی۔ اگرچہ اس کے کئی پہلو ہیں مگر آج ہم آپؐ کے سسرالی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کے بارے میں ذکر کریں گے۔

ہمیں عام طور پر ایک سسرالی خاندان سے واسطہ پڑتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نو سسرالی خاندان تھے۔ مگر ہمیں کہیں بھی کوئی مسائل نظر نہیں آتے۔ آپ کی بیگمات آپؐ کے قبیلے سے بھی تھیں اور دوسرے قبیلوں سے بھی۔ کم عمر بھی تھیں عمر رسیدہ بھی کنواری بھی تھیں اور بیوہ بھی۔ امیر بھی تھیں اور غریب بھی، درمیانے درجے کے خاندانوں سے بھی اور اعلیٰ ترین خاندانوں میں سے بھی، عرب تھیں یا غیر عرب تھیں۔ آپؐ کے قریب آکر وہ سب یکجان ہو گئے۔ ہر قسم کے اختلافات ختم ہو گئے۔

حضرت اُمّ حبیبہؓ ابو سفیان کی بیٹی تھیں ابو سفیان آپؐ کا شدید دشمن تھا۔ البتّہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہو گیا تو اس کی دشمنی ختم ہو گئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی اِس سے نرمی اور محبت کا سلوک کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے اَبو سفیان بالآخر مسلمان ہو گئے تھے۔

سامعین!

حضرت جویریہؓ کے والد حارث بن ابی ضرار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمن تھے ان کا تعلق قبیلہ بنو مصطلق سے تھا یہ قبیلہ مسلمانوں سے بر سرِ پیکار تھا۔ مگر شادی کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کا تعلق قائم ہوا تو بہت سے مسلمانوں نے اس قبیلہ کے سینکڑوں قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جب اُن کے والد کو اس شادی کا علم ہؤا تو وہ انہیں آزاد کرانے کے لئے تاوان کی رقم لے کر اپنے بیٹے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ان سے تکریم سے پیش آئے اور حضرت جویریہؓ سے فرمایا کہ وہ خود فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ مگر انہوں نے آزاد ہو کر والد کے ساتھ جانے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ (اسدُ الغابہ جلد 5)

آپؐ کی اس وسیع ظرفی سے متأثر ہو کر ان کے والد اور بیٹے نے اسلام قبول کر لیا۔

سامعین! سسرالی رشتہ داروں کی تکریم کا ایک واقعہ سنئے۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اپنے عمر رسیدہ والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے لے کر آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ردِ عمل تھا آپ نے فرمایا "ابو بکر! آپ نے ان کو زحمت کیوں دی مجھے کہہ دیتے میں اُن سے ملاقات کے لئے خود چلا آتا" کیا حسنِ اخلاق ہے۔ اس وقت آپؐ شہنشاہِ عرب تھے مگر اپنے خسر کے والد کا اتنا احترام تھا کہ فرمایا میں خود آجاتا۔ سبحان للہ۔ کوئی مرتبے کی برتری کی بات ذہن میں نہیں آئی۔ کیا ہمارا مرتبہ آنحضرت صلی علیہ وسلم سے بڑھ کر ہے؟

ایک دفعہ آپؐ کے ایک صحابی حضرت عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ کون آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تو آپؐ نے جواب دیا۔ عائشہ! اس نے دریافت کیا کہ مردوں میں سے کون؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اس کا والد۔ اب ان کا رشتہ ذہن میں لائیں ان کے والد حضرت ابو بکر تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر تھے وہ آپ کو مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔

سامعین! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سسرالی رشتہ داروں کی بہت عزت و تکریم فرماتے تھے۔

زندہ رشتہ داروں کو ہی نہیں آپؐ تو وفات یافتگان کو بھی محبت سے یاد فرماتے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن ہالہ آپ کو ملنے کے لئے آئیں۔ دروازے پر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ ان کی آواز اور پوچھنے کا انداز حضرت خدیجہؓ سے ملتا جلتا تھا۔ آپؐ کو حضرت خدیجہؓ کی یاد نے جذباتی کر دیا۔ بے ساختہ فرمایا۔ او اللہ! یہ تو خدیجہ کی بہن ہالہ آئی ہے۔ جب بھی ہالہ ملنے آتیں آپؐ ان کو عزت دیتے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے۔ یہ آپؐ کے سسرالی رشتہ داروں سے حسن سلوک کا اظہار تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نا صرف اپنے سسرالی رشتہ داروں کی عزت و تکریم کرتے بلکہ جہاں تک ممکن ہوتا مدد بھی کرتے رہے۔ حضرت میمونہؓ نے ایک دفعہ ایک غلام لڑکی کو آزاد کر دیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہؤا تو آپ نے فرمایا کہ

"بہتر ہوتا کہ تم اسے اپنے ماموں (جو مستحق تھا) کو منتقل کر دیتیں۔"

(تجرید بخاری جلد اول)

حضرت اسماءؓ جو حضرت ابو بکر کی بیٹی، حضرت عائشہؓ کی بہن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں مالی پریشانی میں مبتلا تھیں وہ اور ان کے میاں حضرت زبیر بہت مشکل حالات میں گزارہ کر رہے تھے۔ آپؐ نے اُن کے لئے زمین کے ایک ٹکڑے کا انتظام کر دیا تاکہ وہ اس زمین کو آباد کر کے اپنے لئے آب ودانہ کا انتظام کر سکیں۔

آپؐ کی حیات مبارکہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر بڑے چھوٹوں سے شفقت کا سلوک کریں تو چھوٹے بھی بڑوں کا احترام کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی اور داماد حضرت علیؓ کو ان کی شادی کے بعد کئی ماہ تک فجر کی نماز کی ادائیگی کے لئے جگاتے رہے۔ کسی کو خیال آسکتا ہے کہ یہ تو بچوں کے معاملات میں دخل اندازی ہے۔ نہیں یہ تو فجر کی نماز کی اہمیت کا احساس دلانا تھا اور جگانے والے خود رسول اللہؐ تھے۔ آپ نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی اس رنگ میں تربیت کی کہ انہوں نے کبھی بُرا نہیں منایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کاموں میں مدد کیا کرتے تھے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آپؐ گھر میں کیسے رہتے تھے؟ آپؓ نے بتایا کہ جیسے عام آدمی گھر میں رہتے ہیں۔ آپؐ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے۔ اپنے جوتے مرمت کر لیتے تھے۔ بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے۔ گھر کی صفائی کرتے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ کر لیتے تھے تو ہم، ہمارے بیٹے اور داماد یہ سب کچھ کیوں نہیں کر سکتے۔ ہمیں کیوں برا لگتا ہے جب ہماری بہو یہ چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے کاموں میں مدد کرے۔ ہمیں بچوں کو یہ بات سکھانی ہے کہ گھر کے کاموں میں ویسے ہی مدد کیا کریں جیسے ہمارے پیارے رسولِ خدا کرتے تھے۔

سامعین! اب ایک اور سبق آموز واقعہ پیش ہے۔ ایک دفعہ کسی بات پر حضرت عائشہؓ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی بات پر کچھ تکرار ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ ناراض ہو رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا ہم اس معاملے کو سلجھانے کے لئے ایک ثالث بنا لیتے ہیں۔ کیا عمرؓ بن الخطاب منظور ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے کہا "نہیں! وہ سخت مزاج ہیں"۔ آپؐ نے فرمایا "اچھا اپنے والد کو ثالث بنالو"۔ اس پر وہ مان گئیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو بلوا بھیجا اور بات شروع ہوئی تو حضرت عائشہؓ نے کسی بات پر

کہا ”آپ صرف سچ بولیں“۔اس پر حضرت ابو بکرؓ غصے میں آ گئے۔رسول خدا کو یہ کہنا کہ آپ سچ نہیں بول رہے انہیں برا لگا۔عائشہ کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانے لگے جس پر آپؐ آگے بڑھے اور حضرت عائشہؓ کو بچایا۔ہم میں سے کتنے ہیں کہ اپنی بیویوں پر اس کے اپنے رشتہ داروں سے زیادتی ہوتے دیکھ کر مدد کو آگے بڑھیں۔یہی وہ حسن سلوک تھا جس کی حضرت خدیجہؓ نے گواہی دی تھی۔

آپؐ کی سیرت کا ہر پہلو دلفریب تھا ایک دفعہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ایک خوبی کا تذکرہ فرمائیں۔اس پر حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے حسن اخلاق کا سوچتے ہوئے وفور جذبات سے بے قابو ہو کر رونا شروع کر دیا۔پھر کچھ سنبھل کر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہت سے غیر معمولی اور بے مثال خوبیوں کے مالک تھے۔میں کس طرح حضور کی ایک خوبی کا تذکرہ کر سکتی ہوں۔

یہ وہ جنت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں اتر آئی تھی۔آپؐ اپنے خاندان سے محبت کرتے تھے اور خاندان والے آپؐ سے محبت کرتے تھے۔

سامعین! ہم لوگوں کو اسلام احمدیت کی طرف دعوت دیتے ہیں ہم باہر جاتے ہیں اور تبلیغ کرتے ہیں یہ ایک بہت نیک کام ہے اور یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام بہترین مذہب ہے۔ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ہم انہیں ایک ایسے معاشرہ کی دعوت دیتے ہیں جو آسمانی معاشرہ ہے۔کیا وہ آسمانی معاشرہ ہمارے گھروں میں اور ہماری جماعت میں موجود ہے؟ جب ہم دوسروں کو تبلیغ کرتے ہیں تو اپنا بہترین نمونہ پیش کرنا چاہئے جہاں ہمارے گھر جنّت کا منظر ہوں آپس میں تعلقات اچھے ہوں۔میکہ سسرال سے رویہ اچھا ہو یہ اختلافات اور کھچاؤ کیوں ہے۔ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مؤاخات کے بارے میں پڑھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اسی طرح کی مؤاخات ہمارے خاندانی اور صہری تعلقات میں بھی دیکھنا چاہتا ہے۔جہاں سسرال اور میکہ میں کوئی فرق نہ ہو ہم ایک دوسرے کی باہمی اخوّت کا لحاظ کرنے والے ہوں۔مرد کے والدین اور خاندان اور بیوی کے والدین اور خاندان میں کوئی فرق نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے شادی کی صورت میں باہمی مؤاخات کو قائم فرمایا ہے۔سامنے کی بات ہے اکثر مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب چند احمدی احباب کہیں مل بیٹھتے ہیں یا جلسوں میں دوسروں سے ملتے ہیں تو جلد ہی

کسی نہ کسی سے شناسائی اور رشتہ داری کا تعلق مل جاتا ہے کوئی رشتے میں چچا، ماموں، خالو نظر آجاتے ہیں۔ کیونکہ ہم ایک بڑے خاندان کی طرح ہیں ہم کیوں ایک خاندان کی طرح نہیں رہ سکتے اور کیوں ایک دوسرے کے رشتہ داریوں کی تکریم نہیں کر سکتے۔ جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تھے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

"تم مسیح موعود کی جماعت کہلا کر صحابہؓ کی جماعت سے ملنے کی آرزو رکھتے ہو اپنے اندر صحابہؓ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ویسی ہو۔ باہم محبت اور اخوت ہو تو ویسی ہو۔ غرض ہر رنگ میں، ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہؓ کی تھی۔"

(ملفوظات، جلد دوم، صفحہ 36)

حضرت اقدسؑ ہم سے صرف ماں باپ کی طرف سے رشتہ دار ہی نہیں کل انسانیت سے ایسا سلوک چاہتے ہیں جیسے ایک ماں اپنے بچے سے کرتی ہے۔

سامعین!

مَیں نے شروع میں ایک لڑکی کا ذکر کیا تھا جس کی زندگی بچانے کے لئے خون کی ضرورت تھی مگر اس کی ساس نے اپنے بیٹے کو خون دینے سے منع کیا تھا اسی وقت میرے عقب سے کسی نے آہستہ سے کہا "ہم دیں گے خون"۔ میں نے حیرت سے مڑ کر دیکھا تو وہ ایک ضعیف کمزور سی خاتون تھی۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ اس بیمار لڑکی کی والدہ ہیں۔ جی ہاں! وہ اس لڑکی کی ماں تھی جو بستر مرگ پر تھی وہ خاتون بھی اتنی کمزور تھی گویا وہ بھی بستر مرگ پر تھی۔ مگر وہ اپنی بیٹی کو بچانے کے لئے خون دینے کو تیار تھیں یہی وہ محبت بھرا سلوک ہے جو حضرت اقدسؑ ہم سے چاہتے ہیں اور تمام انسانیت سے چاہتے ہیں۔ تو پھر سوچ لیں کہ آپؐ ہمارے خاندانوں میں، رشتہ داروں میں کس قدر محبت بھرا سلوک دیکھنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رشتے داروں کے لئے "**ارحام**" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اس کی صفت رحمانیت سے نکلا ہے اگر ہم رحمی رشتوں کو کاٹیں گے تو رحمان خدا ہم سے رشتہ توڑ لے گا۔

یہ کس قسم کی انا ہے جس کی تسلی یوں ہوتی ہے کہ ایک پچاس ساٹھ سال کی خاتون ایک پچیس سال کی نوجوان لڑکی پر طنز و طعن کرتی ہے۔ یا اس کی بے عزتی کرتی ہے؟ اسے یہ خیال نہیں آتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے

اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا۔اسی طرح کسی کی شکل و صورت یا کسی جسمانی کمزوری پر طنز کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔یہ شعور ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے خطبے کی آیات میں دیا ہے۔

سامعین! ہم بڑے فخر سے خود کو قوّام کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم مختار ہیں۔اس حیثیت سے تو ہم گھروں میں ایسی فضا بنانے کے زیادہ ذمہ دار ہیں جہاں تمام رشتوں میں محبت کا راج ہو۔

ایک دفعہ حضرت اقدسؑ نے اپنی بیگم سے اپنے خیال کے مطابق قدرے تلخ لہجے میں بات کی جس پر آپ نے کئی دن استغفار کیا صدقات دئے نوافل پڑھے۔ یہ اس لئے تھا کہ آپؑ اپنی اہلیہ کی عزت کرتے تھے۔جبکہ ہمارے گھروں میں ہماری بیویوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے تلخ کلامی بھی ہوتی ہے کبھی سوچئے ہمارا کس سے تعلق ہے۔ہم کس کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

سامعین! آئیں! ہم جائزہ لیں کہ ہمارے تعلقات اپنے سسرالی رشتے داروں کے ساتھ کیسے ہیں۔ آیئے! اپنی اپنی بیویوں سے سوال کریں اور ان کا جواب سننے کا حوصلہ رکھیں۔

ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے سسرالی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی باتیں سن رہے ہیں۔ یہ وقت ہے کہ ہم اپنے اندر تبدیلی لائیں۔اپنے رویوں میں محبت پیار، ہمدردی اور تکریم لانی ہوگی۔اپنی بہوؤں کا شکریہ ادا کریں کہ تم نے ہمارے بیٹے کے گھر کو سنبھالا ہؤا ہے۔بچوں کی پرورش کر رہی ہو۔اس سے کوئی ہرج نہیں ہوگا۔شکریہ ادا کرنے میں کیا ہمارا اجھڑ جائے گا؟۔ہم یہ عہد کر سکتے ہیں کہ ان تعلقات کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔

وہ جو غیر شادی شدہ ہیں۔سوچیں کہ آپ اُن لوگوں میں شامل ہونا پسند کریں گے؟یعنی پچھتر فیصد لوگوں میں جنہیں اپنے سسرالی رشتہ داروں سے تعلقات میں مشکلات ہیں۔یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سچے مریدوں میں جنہوں نے اپنے اپنے گھروں کو جنّت نظیر بنایا ہؤا تھا۔جن کے گھر مسرّت اور سکون کا گہوارہ تھے۔مجھے علم ہے کہ یہ آسان نہیں ہوتا اپنی انا کو مارنا پڑتا ہے مگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے یہی تقاضا کرتے ہیں ایک حدیث سنئے:

حضرت ابوہریرہؓ سے ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ میں ان سے حسن سلوک سے پیش آتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حلم کے ساتھ پیش آتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تُو ایسا ہی کرتا ہے جیسا کہ تُو نے کہا تو تُو ان پر خاک ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لئے ان کے خلاف اس وقت تک ایک مددگار رہے گا جب تک تو اس حالت پر قائم رہے گا۔

(مسلم کتاب البر والصلۃ۔ باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا حدیث نمبر 6420)

آیئے! ہم نفسِ واحدہ بن کر اس مؤاخات کی از سرِ نو تعمیر کریں جو ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھی۔ ایک ایسی مؤاخات جو شادی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ ہماری گھر جنّت کے ایسے جزائر ہوں جہاں مسرّت، خوشی اور سکون کی ندیاں بہہ رہی ہوں۔ ہمارے گھر اسی جنت کا نمونہ ہوں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی تھی۔ یہ صرف ہمارے لئے سکون کی جنت نہیں ہوگی بلکہ ہمارے خاندانوں کے لئے ہوگی۔ ایک باپ یہ کہہ سکے گا کہ میری بیٹی کا گھر دیکھیں یہاں خوشیاں رہتی ہیں۔ اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو یہ مقصد حاصل کر سکیں گے۔ ہم اپنے گھروں کو آپؐ کے گھروں جیسا بنا کے اس میں وہ جنت لے کر آئیں جو ان کے گھر میں بستی تھی ایک تو وہ جنت تھی جہاں سے حضرت آدمؑ کو نکالا گیا مگر یہ وہ جنت ہوگی جہاں سے شیطان کو ہمیشہ کے لئے نکال دیس کیا ہو۔

ایک بھی بچی ایسی نہ ہو جس کی آنکھوں میں آنسو ہوں۔ چھپ چھپ کے روتی ہو اپنے سسرال کی زیادتی سے ایک بھی ماں باپ ایسے نہ ہوں جو راتوں کی نیند سو نہ سکتے ہوں کہ ہماری لختِ جگر کا کیا حال ہوگا اور ایک بھی بوڑھی ماں، بیوہ ایسی نہ ہو جس کو یہ سننا پڑے کہ اس گھر میں یا یہ رہے گی یا میں رہوں گی۔ یہ تو وہ رویے نہیں ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائے تھے۔

سامعین! اگر ہم تبدیلی لانا چاہتے ہیں اور دنیا کو ایک نمونہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے گھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کی طرح بنائے گئے ہیں۔ ایسے کہ آپؐ بھی دیکھیں تو فخر محسوس کریں۔

حضرت خلیفتہ المسیح الخامس کے ایک خطبہ سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جو میرے سارے بیان سے زیادہ مؤثر ہے۔

”ہر احمدی کو جو حقیقی مسلمان ہے ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے کہ شادی بیاہ ایک ایسا bond (معاہدہ) ہے، ایک ایسا کام ہے جو ایک لحاظ سے دینی فریضہ بن جاتا ہے اور بیویوں اور اس کے رحمی رشتوں کے حقوق ادا کرنے بہت ضروری ہیں۔ مردوں کی طرف سے بھی اور لڑکی والوں اور لڑکی کی طرف سے بھی۔ پس اگر یہ چیز یہ احساس شادی کرنے والے جوڑوں میں پیدا ہو جائے بلکہ ہر شخص میں، دونوں طرف کے سسرالیوں میں بھی تو گھریلو زندگیاں محبت اور پیار اور امن کے گہوارے بن جاتی ہیں“

(خطبہ نکاح 18 جون 2011ء بمقام بیت السبوح فرانکفرٹ جرمنی)

(بتعاون: النور آن لائن امریکہ جلسہ سالانہ امریکہ ایڈیشن 2023ء)

۞۞۞۞

﴿39﴾ ﴿مشاہدات۔189﴾

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی شادی کے موقع پر آنحضورؐ کی دعا کے تناظر میں شادی بیاہ کے متعلق چند اسلامی تعلیمات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِہِنَّ نِحۡلَۃً (النساء:5)

کہ عورتوں کو اُن کے مہر دلی خوشی سے ادا کرو۔

میری اولاد کو تُو ایسی ہی کر دے پیارے
دیکھ لیں آنکھ سے وہ چہرہ تاباں تیرا
عمر دے، رِزق دے اور عافیت و صحت بھی
سب سے بڑھ کر یہ کہ پا جائیں وہ عرفاں تیرا
اب مجھے زندگی میں ان کی مصیبت نہ دِکھا
بخش دے میرے گُنہ اور جو عِصیاں تیرا

سامعین! ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مؤرخہ 20 اکتوبر 2023ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کی ایمان افروز تفصیلات بیان فرمائیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن دونوں اور اِن کے لواحقین کو دی جانے والی دعا **اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِيْهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا نَسْلَهُمَا** کے ضمن میں احبابِ جماعت کو بعض زریں نصائح سے نوازتے ہوئے فرمایا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی دو ہجری میں ہوا۔ حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت فاطمہ سے عقد کی درخواست کی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی قبول

فرمایا...... حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ حضرت فاطمہ کی شادی مجھ سے کریں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس مہر کے لئے کچھ ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ میرا گھوڑا اور میری زرہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا گھوڑا تو تمہارے لئے ضروری ہے البتہ زرہ کو بیچ دو چنانچہ مَیں نے اپنی زرہ کو چار سو اسّی درہم میں بیچ کر حق مہر کی رقم کا انتظام کیا...... حضرت علی کہتے ہیں کہ مَیں وہ رقم لے کر آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس میں سے مٹھی بھر (حضرت) بلال کو دیتے ہوئے فرمایا اس سے کچھ خوشبو خرید لاؤ اور کچھ لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ حضرت فاطمہ کا جہیز تیار کرو چنانچہ حضرت فاطمہ کے لئے ایک چارپائی، چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی یہ سب تیار کیا گیا۔ **یہ ہے حق مہر کا استعمال اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں شادی ہو گئی تو ہم حق مہر نہیں دیں گے لیکن وہاں یہ مثال نظر آتی ہے کہ حق مہر سے ہی خرچ پورا ہوا**.......

رخصتی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا جب فاطمہ تمہارے پاس آئیں تو جب تک میں نہ آؤں کوئی بات نہ کرنا...... آپؐ (جب حضرت فاطمہؓ کے گھر) اندر تشریف لائے اور حضرت فاطمہ سے کہا میرے پاس پانی لاؤ۔ وہ اٹھیں اور گھر میں رکھے ہوئے ایک پیالے میں پانی لائیں۔ آپؐ نے اسے لیا اور پھر منہ میں کچھ دیر رکھ کر دوبارہ پیالے میں ڈال دیا۔ پھر حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ آگے بڑھو وہ آگے ہوئیں۔ آپؐ نے ان پر اور ان کے سر پر کچھ پانی چھڑکا اور دعا دیتے ہوئے کہا۔ **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ**۔ اے اللہ! اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوسری طرف رخ کرو۔ جب انہوں نے دوسری طرف رخ کیا تو آپؐ نے ان کے کندھے کے درمیان پانی چھڑکا پھر ایسا ہی حضرت علی کے ساتھ کیا ...... دعوت ولیمہ کھجور جَو پنیر اور حیس پر مشتمل تھا۔ حیس اس کھانے کو کہتے ہیں جو کھجور اور گھی اور پنیر وغیرہ سے ملا کر بنایا جاتا ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس بیان کرتی ہیں کہ اس زمانے میں اِس دعوت ولیمہ سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔ یہ وہ شادی اور دعوت ولیمہ ہے جو سادگی کی مثال ہے۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علی کی شادی کا تفصیلی تذکرہ

کرتے ہوئے سیرت خاتم النبیین میں لکھا ہے ۔....... رخصتانہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِن کے مکان پر تشریف لے گئے اور تھوڑا سا پانی منگوا کر اس پر دعا کی اور پھر وہ پانی حضرت فاطمہ اور حضرت علی ہر دو پر یہ الفاظ فرماتے ہوئے چھڑکا۔ پہلے بھی مَیں دعا بتا چکا ہوں کہ **اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْھِمَا وَبَارِکْ عَلَیْھِمَا وَبَارِکْ لَھُمَا نَسْلَھُمَا۔**

یہ دعا ہے جو شادی کرنے والے جوڑوں کے لئے اُن کے ماں باپ کو بھی کرنی چاہئے۔ آج کل جو شادی کے بعد لڑکا لڑکی میں مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں اضافہ بھی ہو رہا ہے اِس کی وجہ صرف دنیا کی ہوا و ہوس بہت زیادہ ہو گئی ہے اور دین اور خدا تعالیٰ کے احکامات پر توجہ کم ہے۔ اگر دین کو مقدم رکھا جائے اور اِس طرح دعا کی جائے اور والدین بھی اپنا کردار اِس طرح ادا کریں تو رشتے قائم رہ سکتے ہیں۔ بہر حال اِس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے اللہ! تُو اِن دونوں کے باہمی تعلقات میں برکت دے اور اِن کے اُن تعلقات میں برکت دے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ قائم ہوں اور اِن کی نسل میں برکت دے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نئے جوڑے کو اکیلا چھوڑ کر واپس تشریف لے آئے.........

حضرت علی اور حضرت فاطمہ اپنی تنگدستی اور غربت کے باوجود زہد و قناعت کا نمونہ دکھایا کرتے تھے چنانچہ احادیث میں ذکر ہے کہ حضرت علی نے بیان فرمایا کہ حضرت فاطمہ نے چکی چلانے سے اپنے ہاتھ میں تکلیف کی شکایت کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے تو (اُن میں سے ایک قیدی کی درخواست کرنے کے لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئیں .... آپؐ نے فرمایا۔ کیا مَیں تم دونوں کو اِس سے بہتر بات نہ بتاؤں جو تم نے مانگا ہے؟ وہ یہ ہے کہ **جب تم دونوں اپنے بستروں پر لیٹو تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو، تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہو اور تینتیس دفعہ الحمد للہ کہو۔ یہ تم دونوں کے لئے خادم سے زیادہ بہتر ہے۔** (خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ 20 اکتوبر 2023ء)

سامعین! اس بصیرت افروز خطبہ جمعہ میں امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہؓ کی حضرت علیؓ سے شادی کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے احباب و خواتین جماعت کو جو نصائح فرمائیں ہیں۔ اُن کی اگر ہم نمبرنگ کریں تو وہ چار نصائح بنتی ہیں۔

1۔ حق مہر کا درست استعمال

2۔ شادی سادہ طریق پر ہوئی

3۔ شادی کے موقع پر مبارکبادی کی مقبول دعا اور اُس کی تفصیل

4۔ زندگی کی آسائش کے لئے رات کو سونے سے قبل تسبیحات کے ورد کی تاکید

سامعین! اب ہم اِن پر ترتیب سے بات کرتے ہیں۔ جہاں تک حضرت فاطمہؓ کے حق مہر کا تعلق ہے۔ اُس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت علیؓ نے اپنی مملوکہ زرّہ 480 درہم میں فروخت کی۔ جس میں سے خوشبو خریدی گئی اور حضرت فاطمہؓ کا جہیز تیار کیا گیا جو چارپائی، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی نیز بعض روایات میں بیل دار چادر، مشکیزہ اور آٹا پیسنے والی ایک چکی بھی تھی۔ اس کے ذکر کے بعد حضور نے فرمایا کہ۔

"یہ ہے حق مہر کا استعمال اِس طرح بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں شادی ہو گئی تو ہم حق مہر نہیں دیں گے۔ اب لیکن وہاں یہ مثال نظر آتی ہے کہ حق مہر سے ہی خرچ پورا ہوا"

حق مہر کی ادائیگی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ النساء آیت 25 میں فرض قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ پس اُن کو اُن کے مہر فریضہ کے طور پر دو، اِس بناء پر کہ جو تم اِن سے استفادہ کر چکے ہو۔ فقہ میں لکھا ہے کہ بیوی اپنے مہر کے مال پر کُلّی تصرّف کا حق رکھتی ہے۔ عورت اپنی بعض ایسی ضروریات اِس رقم سے پوری کر سکتی ہے جو عورت اپنے خاوند پر ظاہر نہیں کر سکتی۔ خاوند کو حق مہر کی ادائیگی خوش دلی سے کرنی چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء: 5) کہ عورتوں کو اُن کے مہر دلی خوشی سے ادا کرو۔ مہر کی تعیین فریقین کی رضامندی سے ہوتی ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مہر کی مقدار کی بابت فرمایا ہے کہ "میں نے مہر کی تعیین 6 ماہ سے ایک سال تک کی آمد کی ہے" (الفضل 12 دسمبر 1940ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اب پتا نہیں ایسے لوگ دنیا کو دکھاوے کی خاطر حق مہر منظور کرتے ہیں کہ یا دل میں یہ نیت پہلے سے ہی ہوتی ہے کہ جو بھی حق مہر رکھوایا جارہا ہے لکھوالو کون سا دینا ہے تو ایسے لوگوں کو یہ حدیث سامنے رکھنی

چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اِس نیت سے حق مہر رکھواتے ہیں ایسے لوگ زانی ہوتے ہیں" (خطبہ جمعہ 27 فروری 2004)

سامعین! ایک اور موقع پر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

"حق مہر لینے کے لئے ہوتا ہے، حق مہر معاف کرنے کے لیے نہیں ہوتا اور یہ عورت کا حق ہے کہ جنہوں نے معاف کرنا ہے وہ پہلے یہ کہیں کہ ہمارے ہاتھ پر رکھ دو۔"

(جلسہ سالانہ جرمنی خطاب از مستورات 25 جون 2011ء)

حق مہر کی ادائیگی اتنی ضروری ہے کہ اگر بیوی فوت ہو جائے اور مہر کی ادائیگی نہ کی ہو تو یہ اُس کا ورثہ تصور ہوگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مہر اُس کا ترکہ ہے اور آپ کے نام قرض ہے۔ آپ کو ادا کرنا چاہئے اور اس کی یہ صورت ہے کہ شرعی حصص کے مطابق اُس کے دوسرے مال کے ساتھ تقسیم کیا جاوے جس میں ایک حصّہ خاوند کا بھی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اُس کے نام پر صدقہ دیا جاوے۔

(خطبہ جمعہ 25 نومبر 2005ء)

سامعین! اِس خطبہ جمعہ میں حضرت فاطمہؓ کی شادی کے ذیل میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حضرت اسماءؓ بنت رعمیس بیان کرتی ہیں کہ **اِس زمانے میں اِس دعوتِ ولیمہ سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔ یہ وہ شادی اور دعوت ولیمہ ہے جو سادگی کی مثال ہے۔**

آج کل شادی بیاہ پر جو دکھاوے کی خاطر بڑے بڑے اخراجات کئے جاتے ہیں۔ اسلام اِس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ حضرت فاطمہؓ کی دعوتِ ولیمہ کے متعلق لکھا ہے کہ "دعوت ولیمہ کھجور، پنیر اور حیس پر مشتمل تھا۔ حیس اُس کھانے کو کہتے ہیں جو کھجور اور گھی اور پنیر وغیرہ سے ملا کر بنایا جاتا ہے۔"

اور یہ شادی اس حد تک سادہ تھی کہ حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ کے گھر خود بھجوا دیا گیا۔ آج کے دَور میں ام المومنین حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی مثال دی جاسکتی ہے۔ جو سادگی میں اپنی مثال آپ تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کیں۔ اِن تمام میں سادگی ملحوظ خاطر رہی۔ معمولی سا جہیز اور سادہ سا ولیمہ ہوا۔ حضرت خلیفۃ

المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تحریک جدید کے تحت سادہ زندگی بسر کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اِس کے تحت ہم سب کو شادیوں میں سادگی اختیار کرکے اسلامی تعلیمات کو رواج دینے کی ضرورت ہے۔ آج کل شادیوں کے موقع پر رسومات، فوٹو گرافی اور بے پردگی راہ پا گئی ہیں جو اسلام کی سادہ زندگی پر ایک سیاہ دھبہ ہے۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام رسومات بجالانے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رسومات کی بجا آوری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف مخالفت ہی نہیں ہے بلکہ ان کی ہتک بھی کی جاتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو کافی نہیں سمجھا جاتا اگر کافی خیال کرتے تو اپنی طرف سے رسومات کے گھڑنے کی کیوں ضرورت پڑتی“ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 316)

آئیں! اب دیکھتے ہیں کہ بدعت اور رسم ہے کیا؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة

(مسلم کتاب الجمعۃ)

کہ بہترین بات اللہ کی کتاب ہے۔ بہترین طریق محمدؐ کا طریق ہے۔ بدترین فعل، دین میں نئی نئی بدعات کو پیدا کرنا ہے۔ ہر بدعت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت میں آخری زمانہ میں بدعات کے پھیل جانے کا ذکر کرکے امت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ کہ تم ان نازک حالات میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا۔ اسے پکڑ لینا۔ دانتوں سے مضبوط گرفت میں کر لینا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمدیت میں داخلے کے لئے جو 10 شرائط مقرر فرمائیں۔ اُن میں سے تیسری شرط یوں ہے۔

”یہ کہ اتباع رسم و متابعت ہوا و ہوس سے باز آجائے گا اور قرآن کریم کی حکومت کو بکلی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ و قال الرسولؐ کو اپنے ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔“

سامعین! آج کل شادی بیاہ کے مواقع پر مہندی کی رسم معاشرہ میں شادی کی تقریب سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے گویا شادی سے الگ ایک فنکشن ہے۔ جس کے لئے الگ دعوتی کارڈ ”رسمِ حنا“ کے نام پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ تقسیم کرنے والے خود اس کا نام ”رسم“ رکھ کر گویا اقرار کر رہے ہوتے ہیں کہ یہ ایک ”رسم“ ہے جس کا اسلام کی تعلیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا

”شادی کے موقع پر مہندی اور اس کے ساتھ متعلقہ جملہ رسوم جو رائج ہیں ہمارے نزدیک غیر اسلامی ہیں۔ ہماری جماعت کو اس سے بچنا چاہیئے۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا

”فی ذاتہٖ مہندی میں قباحت نہیں کہ بچی کی سہیلیاں اکٹھی ہوں اور خوشیاں منائیں لیکن اس کو رسم بنانا۔ دولہا کی طرف سے بارات بنا کر بطور وفد کے حاضر ہونا قباحتیں پیدا کرتا ہے جو سوسائٹی پر بوجھ ہے جس سے آگے لغویات کا آغاز ہوتا ہے۔“

سامعین! آج کل ویڈیو کا زمانہ ہے اور اس ویڈیو کے ذریعہ بہت سی قباحتیں پھیلتی ہیں اور آغاز ہی اس قباحت سے ہوتا ہے کہ ایک غیر مَحرم فرد کو ویڈیو بنانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ پھر وہ ڈبنگ اور مکسنگ کے لئے اپنے سنٹر لے کر جاتا ہے تو وہاں اس کے دوست وغیرہ دیکھتے ہیں اور پھر کیسٹ جب تیار ہو کر گھروں میں آتی ہے وہاں کئی ایسے عزیز و اقارب غیر مَحرم نوجوان جن سے پردہ کرنے کا حکم ہے وہ ویڈیو دیکھتے ہیں اور یوں حیادار بچیوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس سلسلہ میں ایک دفعہ ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

”جو قباحتیں راہ پکڑ رہی ہیں۔ اُن میں بے پردگی کا عام رجحان ہے جو یقیناً احکام شریعت کی حدود کو پھلانگنے کے قریب ہو چکا ہے اور شادی والوں کی اس معاملہ میں بے حسی کو بھی ظاہر کرتا ہے“

بے پردگی کے حوالہ سے یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ نوجوان بچیاں (جو بالعموم پردہ کرتی ہیں) دولہا کے استقبال کے لئے اس پر پتیاں نچھاور کرنے کے لئے باہر سڑک پر آجاتی ہیں۔ یا فنکشن پر آنے جانے کے

لئے اپنی گاڑی یا Conveyance تک خواتین آجاتی ہیں تو پردہ کا بالعموم خیال نہیں رکھا جاتا۔ اس طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

پردہ اعزاز ہے عورت کا تذلیل نہیں، تحقیر نہیں
جو رنگِ حیا سے عاری ہو وہ عورت کی تصویر نہیں

سامعین! تقریب رخصتی میں تلاوت، نظم اور دُعا ایک بہت اچھا اور پیارا طریق ہے۔ مگر جس بچی کو دُعا کے ساتھ رخصت کرنے کے لئے یہ محفل سجائی جاتی ہے وہ بچی بالعموم بیوٹی پارلر سے واپس نہیں آئی ہوتی کہ دُعا ہو جاتی ہے۔ بچی کو دُعاؤں کے ساتھ رخصت کرنے کے لئے بچی کی اس فنکشن میں موجودگی ضروری ہے اور جب بچی تیار ہو کر آئے تو اس کے پردے کا بھی مناسب انتظام ہونا چاہئے۔

سامعین! پھر شادی بیاہ کے موقع پر وقت کا ضیاع بے دریغ کیا جاتا ہے۔ آج کے دَور میں جماعت کا وقت بہت قیمتی وقت ہے بہت سے دوست احباب اپنے قیمتی وقت سے کچھ حصہ نکال کر حاضر ہوتے ہیں اور اگر آدھ گھنٹہ کی ہی تاخیر ہو تو عملاً وہ آدھ گھنٹہ کا ضیاع نہیں بلکہ اگر اس تقریب میں 50 افراد شامل ہیں تو احباب جماعت کے یہ 25 گھنٹے کا ضیاع ہے اور وہ اس کو مختلف جماعتی خدمات میں صرف کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو الہاماً فرمایا گیا تھا۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ کہ تو وہ بزرگ مسیح ہے کہ جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اب..... بعض تو شادیاں کر رہے ہیں۔ بعض بطور مہمان مدعو ہوں گے۔ ہم سب کو ان مواقع پر اسلام کی تعلیم کو مدنظر رکھنا ہو گا اور رسومات سے دور رہ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر کے خدا تعالیٰ کا محبوب بندہ بنا جا سکتا ہے۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ذریعہ اپنے انعامات کا ذکر اپنی معرکۃ آراء کتاب حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں:

”اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک قربانی مانگتا ہے۔ وہ قربانی کیا ہے یہی کہ ہم اپنی خواہشات اور جذبات کی گردن پر چھری پھیرتے ہوئے اپنی زندگیاں، رسومات اور تکلفات سے پاک ہو کر محض اپنے خالق کی

خاطر گزارنے لگ جائیں۔ گمراہ کن تہذیب کو الوداع کہہ کر اپنے خالق کی خاطر گزارنے لگ جائیں۔ گمراہ۔کن تہذیب کو الوداع کہہ کر اپنے آپ کو اس تہذیب کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کر لیں۔جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ تہذیب ہے۔اپنے جذبات دیرینہ خاندانی عادات اور برادری کی روایات کی قربانی کر کے ایک نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں"

ایک نیا آسمان اور نئی زمین کے قیام کے لئے ہمارے بزرگوں اور آباءواجداد نے اپنے جذبات،خواہشات اور برادری کی روایات کی قربانی بھی کی۔انہی قربانیوں سے متاثر ہو کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:

مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِی

سامعین! حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی تیسری نصیحت دولہا، دلہن اور اِن کے عزیز و اقارب کو دی جانے والی دعا، **اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِیْھِمَا وَبَارِكْ عَلَیْھِمَا وَبَارِكْ لَھُمَا نَسْلَھُمَا** کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ دعا ہے جو شادی کرنے والے جوڑوں کے لئے اُن کے ماں باپ کو بھی کرنی چاہئے۔ آج کل جو شادی کے بعد لڑکا لڑکی میں مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں اضافہ بھی ہو رہا ہے اِس کی وجہ صرف دنیا کی ہوا و ہوس بہت زیادہ ہو گئی ہے اور دین اور خدا تعالیٰ کے احکامات پر توجہ کم ہے۔ اگر دین کو مقدم رکھا جائے اور اِس طرح دعا کی جائے اور والدین بھی اپنا کردار اِس طرح ادا کریں تو رشتے قائم رہ سکتے ہیں۔ بہر حال اِس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے اللہ! تُو اِن دونوں کے باہمی تعلقات میں برکت دے اور اِن کے اُن تعلقات میں برکت دے جو دوسرے لوگوں کے ساتھ قائم ہوں اور اِن کی نسل میں برکت دے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے دورِ خلافت میں اِس دعا کی طرف متعدد بار توجہ دلا چکے ہیں۔اِس دفعہ اِس دعا کے نہ پڑھنے یا دلہن کو اِس دُعا کے ساتھ رخصت نہ کرنے کے جو نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اُن کا ذکر بھی اِن الفاظ میں حضور نے بیان فرمایا۔

i۔ لڑکا، لڑکی کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے

ii۔ دنیا کی ہوا و ہوس کے اضافہ کی وجہ سے دین اور خدا تعالیٰ کے احکامات پر توجہ کم ہے

iii۔ دین کو دنیا پر مقدم رکھا جائے اور والدین بھی اپنا کردار ادا کریں تو یہ رشتے قائم رہ سکتے ہیں

یہ دعا ایسی بابرکت دُعا ہے جس سے الٰہی برکتوں کے پھولوں کی مہک سے گھرانہ بلکہ معاشرہ معطّر ہونے لگتا ہے اور آپس کی نئی رشتے داریوں میں محبت اور پیار کی فضا نہ صرف قائم ہوتی ہے بلکہ اِس دعا سے وہ مضبوط بھی ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ اگر ہم دعا کے الفاظ پر غور کریں تو دولہا دلہن کے درمیان قائم ہونے والے رشتوں اور نسل کی بڑھوتڑی کے لئے برکت کی دعا ہے۔ لیکن **بَارِكْ عَلَيْهِمَا** کے الفاظ میں اُن تمام رشتہ داروں کو دُعا دی گئی ہے جو دونوں اطراف سے آپس میں جڑ رہے ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اِس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے کہ اِن (دولہا دلہن) کے اُن (رشتہ داروں کے) تعلقات میں برکت دے جو دوسرے لوگوں (دیگر رشتہ داروں) کے ساتھ قائم ہوں۔ گویا کہ اِس دعا سے معاشرہ کو جنت نظیر بنانے کی ابتداء ہو رہی ہے۔ ہمارے غیروں میں دلہن کو پیا گھر سدھارنے کے لئے روانہ کرتے وقت قرآن سر پر رکھنے، سفید چادر کے سایہ تلے، رقوم کو سر پر پھیر کر صدقات دینے اور سر پر ہاتھ سے پیار کر کے دعاؤں اور نیک جذبات سے روانہ کرنے کا رواج ہے۔ مگر ہمارے ہاں جماعت احمدیہ میں تقریب رخصتی کا انعقاد ہوتا ہے جس میں تلاوت اور دعائیہ نظم پڑھ کر دعاؤں کے ساتھ دلہن کو رخصت کیا جاتا ہے جو بہت خوش آئند بات ہے اور ہمارے غیر از جماعت دوست بھی جب ہماری شادیوں میں شامل ہوتے ہیں وہ اِس طریق کو پسند کرتے اور سراہتے ہیں۔

سامعین! ایک اور عمدہ طریق جو ہماری جماعت میں رائج ہے وہ اعلانیہ نکاح کا طریق ہے جس میں نکاح خواں دولہا و دلہن، ہر دو اطراف کے عزیزوں اور حاضر لوگوں کو میاں بیوی اور عزیز و اقارب کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلا کر دُعا کرواتا ہے۔ مَیں نے کئی نکاحوں کے اعلانات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس مبارک دُعا کو دُہرا کر دلہن و دلہا کو دُعا دیتے دیکھا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دَور میں سادگی کا یہ عالَم تھا کہ دُولہا نکاح اور شادی کے بعد اپنے کپڑوں پر مختلف رنگ چھڑک لیتا تھا۔ جس سے ارد گرد کے لوگ یہ اندازہ لگا لیتے تھے کہ اِس نوجوان کی شادی ہو گئی ہے اور

روایات میں لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایسے رنگ زدہ نوجوان نظر آتے تو آپ انہی الفاظ میں اُس کو اور اُس کی بیوی و عزیز و اقارب کو دُعا دیا کرتے تھے جس دعا کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

سامعین! رشتوں میں بگاڑ کی جو وجوہات پیارے حضور نے بیان فرمائیں اُن میں دین کی طرف توجہ کم ہونا اور دنیا کی ہوا وہوس میں الجھ جانا بھی ہے نیز قرآنی احکام کو نظر انداز کر کے دنیا کو دین پر مقدم کرنا ہے اور حضور نے فرمایا کہ والدین بھی اپنا کردار پوری طرح ادا نہیں کرتے۔ اگر وہ اپنا کردار پوری طرح ادا کریں تو معاملہ فہمی کے سامان پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ اب یہ کردار دو طرح سے والدین ادا کر سکتے ہیں۔ پہلا طریق تو یہ ہے کہ والدین اپنے مربیانہ اوصاف سے بچپن سے ہی اپنے بچوں کی ایسے رنگ میں تربیت کریں کہ وہ ایثار اور قربانی کے جذبہ سے اپنی اہلیہ اور اُس کے عزیز و اقارب یا خاتون اپنے خاوند اور اُس کے عزیزوں سے پیش آئے۔ جیسا کہ اِس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ نے حضرت مصلح موعودؓ کی تعلیم و تربیت کی۔ اور دوسرا طریق یہ ہے کہ شادی کے بعد اگر برتن ٹکرا بھی جائیں تو اُن کو ٹوٹنے سے بچائیں اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رشتوں کو ٹوٹنے کی بجائے مضبوط کرنے کا باعث بنیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَیں دیکھتا ہوں کہ ہمارے گھروں میں قسم قسم کی خراب رسمیں اور نالائق عادتیں جن سے ایمان جاتا رہتا ہے گلے کا ہار ہو رہی ہیں اور ان بری رسموں اور خلاف شرع کاموں سے یہ لوگ ایسا پیار کرتے ہیں جو نیک اور دینداری کے کاموں سے کرنا چاہئے...... سو آج ہم کھول کر بآواز بلند کہہ دیتے ہیں کہ سیدھا راہ جس سے انسان بہشت میں داخل ہوتا ہے یہی ہے کہ شرک اور رسم پرستی کے طریقوں کو چھوڑ کر دینِ اسلام کی راہ اختیار کی جائے اور جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی ہے اس راہ سے نہ بائیں طرف منہ پھیریں نہ دائیں اور ٹھیک اُسی راہ پر قدم ماریں اور اس کے برخلاف کسی راہ کو اختیار نہ کریں۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 66-67 ایڈیشن 1989ء)

سامعین! حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازدواجی زندگی میں تنگدستی اور غربت کو دُور کرنے اور آسانیاں پیدا کرنے اور آسائش کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ ایک نسخہ بیان فرما کر احباب جماعت کو اِسے اپنانے کی نصیحت فرمائی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو یہ نسخہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ

"جب تم دونوں (میاں بیوی) اپنے بستروں پر لیٹو تو 34 مرتبہ اللہ اکبر کہو، 33 مرتبہ سبحان اللہ کہو اور 33 مرتبہ الحمد للہ کہو۔"

ایک اور روایت میں ہے جب غریب اور مفلس صحابہ کا ایک وفد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت لے کر آیا کہ مالی قربانی کے اعتبار سے ہم وہ نہیں کر پاتے اور ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں تو صاحب استطاعت صحابہ مالی قربانی کر کے حاصل کر لیتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس وفد کے اراکین سے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد 33 دفعہ سبحان اللہ، 33 دفعہ الحمد للہ اور 34 دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ تمہیں صاحبِ استطاعت صحابہ کی قربانی کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ پھولے نہ سمائے اور جب واپس لوٹے تو اس کارآمد نسخہ سے صاحبِ استطاعت صحابہ کو بھی علم ہو گیا اور انہوں نے بھی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ پہلے وفد کے صحابہ نے دوبارہ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری صورت حال بیان کی تو آنحضور ﷺ نے فرمایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے (میں اس فضل کو کیسے روک سکتا ہوں)

(صحیح مسلم، جلد اول، حدیث نمبر 1342)

ایک اور روایت میں ہے کہ جو بھی ہر نماز کے بعد 33، 33 دفعہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھے اور پھر سو مکمل کرنے کے لئے لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہے تو اُس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ 41)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”اللہ کرے کہ ہم ہر قسم کے رسم و رواج بدعتوں اور بوجھوں سے اپنے آپ کو آزاد رکھنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے والے ہوں اور ہمیشہ اس زمانے کے حَکَم و عدل کی تعلیم کے مطابق دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہوں۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنا بھی ایسا عمل ہے جو تمام نیکیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اور تمام برائیوں اور لغو رسم و رواج کو ترک کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ تو اس کی طرف بھی خاص توجہ کرنی چاہئے۔“

(خطبات مسرور جلد سوم صفحہ 700)

نیز فرمایا:

”اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ایمانوں میں مضبوطی پیدا کرنے والے ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کے قول پر عمل کرنے والے ہوں۔ رسم و رواج سے بچنے والے ہوں۔ دنیاوی ہوا و ہوس اور ظلموں سے دور رہنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نور سے ہم ہمیشہ حصّہ پاتے چلے جائیں۔ کبھی ہماری کوئی بدبختی ہمیں اس نور سے محروم نہ کرے۔“

(خطبات مسرور جلد ہشتم صفحہ 40)

ہم نے خدا کے واسطے خود کو ہے بھلایا
ہم نے مسیح وقت کے سمجھے ہیں اشارے

﴿40﴾ ﴿مشاہدات۔ 251﴾

رحمۃ للعالمین ﷺ اور عالمِ اَطفال

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء:108)

اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت کے طور پر۔

بدر گاہِ ذی شانِ خیر الانام
شفیع الوری مرجع خاص و عام
بصد عجز و منت بصد احترام
یہ کرتا ہے عرض آپ کا اک غلام
کہ اے شاہ کونین عالی مقام
عَلیکَ الصّلوٰۃُ عَلیکَ السّلام

حضرت ڈاکٹر سید میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جگہ ایک محفل میں یہ طے پایا کہ حاضرین میں سے ہر ایک اپنے فہم اور علم کے مطابق "محسنِ اَطفال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کی ایک خوبی یا آپؐ کی ایک ایسی بات جو مقرر کو پسندیدہ معلوم ہو وہ جلسہ میں بیان کرے۔ بشرطیکہ وہ بات بچوں سے متعلق ہو۔ آج خاکسار اپنی تقریر میں اِس مبارک محفل میں شامل 20 مقررین کی آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر 20 واقعات رکھنا چاہتا ہوں جو حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مرتب فرمائے۔

سامعین! سب سے پہلے صدرِ محفل نے کہا کہ آپؐ کی پیدائش 570 عیسوی میں عرب کے ملک میں مکہ معظمہ میں ہوئی۔ آپؐ کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا۔ آپؐ کا نام آپؐ کے دادا عبد المطلب نے محمدؐ رکھا۔ آپؐ کی پیدائش سے چند روز پہلے آپؐ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ میرے اندر سے ایک

نہایت چمکدار نور نکلا ہے جس سے دور دراز تک کے ملک روشن ہو گئے ہیں۔ آپؐ کی پیدائش سے کچھ دنوں پہلے ہی آپؐ کے والد عبد اللہ فوت ہو گئے اور اس طرح آپؐ یتیمی کا داغ لے کر ہی دنیا میں داخل ہوئے۔ پیدائش کے بعد آپؐ کو حلیمہ دائی کے سپرد کر دیا گیا۔ جو مکہ سے باہر کئی کوس میں رہا کرتی تھیں۔ 5 سال تک آپؐ نے وہیں پرورش پائی۔ اس عمر میں آپؐ نے ایک دن دیکھا کہ دو فرشتے آئے انہوں نے پکڑ کر آپؐ کو لٹا دیا اور سینہ چاک کر کے دل کو صاف کیا۔ یہ نظارہ کشفی تھا۔ جسے دیکھ کر اور سن کر وہ لوگ ڈر گئے اور دائی نے آپؐ کو مکہ میں لا کر آپ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ اس دائی اور اس کے خاندان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر خیال رکھا اور ہمیشہ جب ملتے بہت اچھا سلوک فرماتے۔ حنین کی لڑائی کے بعد اس کے قبیلہ کے چھ ہزار قیدیوں کو اسی رشتہ کی خاطر آزاد کر دیا۔ آپؐ چھ سال کے تھے کہ آپؐ کے چچا ابو طالب نے آپؐ کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ غرض آپؐ کی بچپن کی عمر صدموں اور یتیمی کے مصائب میں ہی گزری۔ ذرا بڑے ہوئے تو اجرت پر مکہ کے لوگوں کی بکریاں چرانے لگے۔ گیارہ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ایک تجارت کے قافلہ کے ساتھ شام کی طرف بھی گئے۔ وہاں ایک عیسائی درویش نے آپؐ کے بعض حالات دیکھ کر یہ خیال کیا کہ یہی شخص بڑا ہو کر وہ نبی بننے والا ہے جس کا ہمیں انتظار ہے۔ اس پر اس نے آپ کے چچا کو تاکید کی کہ وہ آپؐ کی حفاظت کریں اور یہودیوں کی شرارتوں سے ان کو بچائیں۔ آپؐ کے چچا ابو طالب کا بیان ہے کہ مَیں نے کبھی آپ کو بچپن میں بھی جھوٹ بولتے یا بے ہودہ ہنسی اور بے وقوفی کا کام کرتے یا آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتے نہیں دیکھا۔ اسی طرح سوال کرنا آپ کو اتنا ناگوار تھا کہ کھانا بھی مانگ کر نہ کھاتے تھے۔ گھر والے دے دیتے تو کھا لیا کرتے تھے۔

بچپن کے حالات تو مختصراً یہ ہیں۔ بڑے ہو کر 40 سال کی عمر میں دنیا کی ہدایت کے لیے خدا کی طرف سے مقرر کئے گئے۔ 13 سال مکہ میں رہے۔ پھر دشمنوں نے وہاں سے نہایت تنگ کر کے نکالا تو مدینہ میں پناہ لی۔ 10 سال وہاں رہ کر 63 سال کی عمر میں وفات پائی۔ صدرِ محفل کے بعد پہلا مقرر یوں گویا ہوا۔

سامعین! میرے نزدیک ہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان احسان یہ ہے کہ آپؐ نے دختر کشی کی رسم کو دنیا سے دور کیا۔ یہ رسم نہ صرف عرب میں تھی بلکہ ہندوستان میں بھی موجود تھی۔

مفلسی یا غیرت یا رسم و رواج کی وجہ سے معصوم بچیوں کو نہایت ظلم سے زندہ در گور کر دیا جاتا تھا اور پھر اس پر فخر کیا جاتا تھا۔ میرے نزدیک آپؐ کا یہی ایک احسان ہم پر ایسا وزنی ہے کہ ہم اس کے بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

دوسرا مقرر یوں رطب اللسان ہوا۔ صاحبان! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت کو منع فرما کر نسلِ انسانی پر بڑا احسان کیا ہے۔ آپؐ سے پہلے دوسرے مذاہب اس پر بڑا زور دیتے تھے۔ اس سے نہ صرف یہ نقصان تھا کہ قوم کے ایک حصہ کی نسل نہ چلتی تھی بلکہ بہت بڑا نقصان یہ بھی تھا کہ بہترین حصہ کی نسل ضائع ہو جاتی تھی۔ کیونکہ راہب وہی لوگ بنتے تھے جو نیک، عقلمند اور بزرگ ہوتے تھے۔ یعنی وہ لوگ جو ریاضتیں اور عبادتیں کر کے اپنے اخلاق اور عادات کو نہایت درجہ درست کر لیا کرتے تھے اور بڑے اخلاق اور عادات اور خیالات سے پاک ہو اس بات کے لائق ہو جاتے تھے کہ بہترین نسل انسانی کے باپ بنیں اور اپنی خوبیاں آگے چلائیں سو یہی وجہ ہوئی کہ رفتہ رفتہ ان مذاہب میں سے نیک لوگ مفقود ہوتے چلے گئے۔ برخلاف اس کے اسلام میں رہبانیت منع ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں برابر نیک اور بزرگ اور پاک لوگ پیدا ہوتے ہیں اور پھر ویسی ہی نیک نسل آگے بھی چلاتے ہیں۔ دیکھو! میرے پردادا ایک ولی اللہ تھے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح حکم اس بارہ میں نہ ہوتا تو دیگر عام اہل مذاہب کی طرح وہ نکاح نہ کرتے نہ اولاد کے لئے کوشش کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ آج میرا وجود دنیا میں نہ ہوتا۔ اس لئے مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہی پڑھتا رہتا ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

تیسرے شخص نے اٹھ کر کہا کہ صاحبان! میں آنحضرتؐ سے اس لئے محبت رکھتا ہوں کہ صرف انہوں نے ہی ایسی دعائیں اور طریقے سکھائے ہیں جن سے آئندہ آنے والی اولاد نیک اور پاکیزہ ہو سکتی ہے۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ آپؐ نے حکم دیا ہے کہ خاوند اور بی بی اگر اولاد کے ہونے سے پہلے یہ دعا کیا کریں۔ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا مِنَ الشَّیْطَانِ وَ جَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا یعنی اے اللہ! ہم کو شیطان سے بچا اور جو اولاد ہماری اب ہونے والی ہے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بچے میں جو ایسی دعاؤں کے بعد پیدا ہو شیطنت اور گندی باتیں نہیں ہوتیں اور وہ نیک بچہ ہوتا ہے۔ پس ایسا شخص جو

اپنی امت کے بچوں کا اتنا خیر خواہ ہو کہ وہ نیک ہو جائیں اور پھر ان کے لئے دعا کا حکم ماں باپ کو دیتا ہو۔ میں ایسے شخص کو بچوں کا بڑا بھاری محسن مانتا ہوں اور کہتا ہوں کہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سامعین! چوتھے شخص نے کہا۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں کا محسن اس وجہ سے بھی مانتا ہوں کہ آپؐ نے ختنہ کا رواج اپنی امت میں جاری کیا۔ میرے ابّا ڈاکٹر ہیں۔ وہ اکثر سنایا کرتے ہیں کہ ختنہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں بعض بڑی بڑی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور بعض بچوں میں بعض اخلاقی عیب بھی ختنہ نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے میں آپ کا یہ احسان مانتا ہوں اور کہتا ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! پانچویں دوست نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں پر احسان کا ذکر یوں کیا۔ میں اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں کہ آپؐ نے فرمایا کہ اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ یعنی اپنی اولاد کی عزت کرو اور دیگر مذاہب کے لوگ اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں۔ کھانے پینے اور آسائش کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر ان کی عزت نہیں کرتے۔ بچوں کو ہمیشہ ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ جو شخص بچوں کی عزت کرے گا وہ ان میں ادب اور لیاقت اور خودداری پیدا کرے گا۔ ان کو تعلیم بہتر سے بہتر دے گا۔ ان کو عقل سکھائے گا۔ ان کو حیوان نہیں سمجھے گا۔ بلکہ انسان کا سلوک ان کے ساتھ کرے گا۔ پس میں اس عزت کی وجہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو دی ہے آپؐ سے محبت کرتا ہوں اور دل وزبان سے کہتا ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وجہ سے بھی عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں کہ آپؐ نے چھوٹے بچوں کو بھی والدین کے ورثہ کا مالک قرار دیا ہے۔ آپؐ سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ بڑے لڑکے ساری جائداد لے کر الگ ہو جاتے اور چھوٹے بھوکے مرتے پھرتے۔ اب بھی یورپ میں بڑا لڑکا ساری جائداد کا وارث بن جاتا ہے اور چھوٹے اس کے دست نگر ہوتے ہیں یا فاقہ کشی کرتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا احسان ہے کہ آپؐ نے ساری اولاد کو والدین کا وارث بنایا اور ان میں تفریق نہ کی۔ چونکہ میں بھی اپنے بہن بھائیوں میں چھوٹا ہوں اور والدِ مرحوم کے ورثہ کے برابر کا حقدار ہوں۔ اس لئے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی احسان سمجھتا ہوں اور کہتا ہوں صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! ساتویں دوست نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان احسان یہ بیان کرتا ہوں کہ آپؐ نے نہایت تاکید کی ہے کہ اپنی لڑکیوں کی تربیت اچھی کرو اور ان کو علم پڑھاؤ تاکہ آئندہ نسلیں اچھی پیدا ہوں اور نیک تعلیم یافتہ مائیں اپنی اولاد کو عمدہ شہری اور بااخلاق انسان بنا سکیں۔ میرے نانا بڑے دیندار اور حدیث پر عمل کرنے والے آدمی تھے۔ اس حکم کو پڑھ کر انہوں نے میری والدہ یعنی اپنی بیٹی کی خاص طور پر تعلیم وتربیت کی اور اب میری والدہ نہ صرف میرے لئے باعثِ رحمت ہیں بلکہ محلہ کے بہت سے بچوں کو علم کی دولت سے مالا مال کر رہی ہیں۔ چونکہ یہ مجھ پر بھی احسان ہے۔ اس لئے میں دل سے آپؐ پر درود بھیجتا ہوں اور عرض کرتا ہوں۔ اللهم صلی علی محمد وبارك وسلم

آٹھویں دوست نے کہا۔ **صاحبان!** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر یہ احسان ہے کہ پیدائش کے بعد بھی آپؐ نے بچوں کی بہتری کے لئے امت کو دعائیں کرنے کا حکم فرمایا ہے اور بعض دعائیں خود سکھائی ہیں۔ میرے ابا جان جب دعا کرتے ہیں تو ہم سب بھائی بہنوں کے لئے بھی اس وقت وہ دعا کرتے ہیں اور ہم لوگ ان دعاؤں کا اثر اپنی طبیعت اور دل پر محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ دعا کیا کرتے ہیں کہ وَّاجۡنُبۡنِیۡ وَبَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ کہ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی اور شرک سے بچا۔ رَبَّنَا وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّۃً مُّسۡلِمَۃً لَّکَ کہ اے رب! میری اولاد میں ہمیشہ تیرے فرمانبردار لوگ پیدا ہوتے رہیں۔ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ کہ اے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کی باقاعدہ پابندی کی توفیق دے۔ رَبَّنَا ہَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا کہ اے رب! ہماری بیبیاں اور بچے ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور ہم کو پرہیز گاروں کا لیڈر بنا دے۔ غرض یہ دعائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مسلمانوں کو سکھائی گئیں اور جنہیں اپنے بچوں کے لئے اکثر مسلمان توجہ اور دردِ دل سے مانگتے ہیں۔ یہ آپؐ کا ہم پر بڑا احسان ہے اور آپؐ اس بات کے مستحق ہیں کہ ہم لوگ بھی کہا کریں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! نویں دوست بولے۔ میں ایک یتیم لڑکا ہوں اور مجھ پر آپ لوگوں سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے۔ میرا متولی جو میری پرورش کرتا ہے وہ ایک نیک آدمی ہے اور مجھے اپنے بچوں

کی طرح رکھتا ہے۔ جب کوئی شخص گھر میں سے مجھے ستاتا ہے تو میر امربی فوراً ان کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو قرآن میں حکم ہے۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَنْهَرْ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یتیم کی دلجوئی کرو۔ أَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والے جنت میں ساتھ ساتھ ہوں گے۔ پس آپ کی تعلیم اور فرمان کی وجہ سے مجھے اس کے پاس سے سب آرام مل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یتیم پروری مشہور ہے۔ وہ دُرِّ یتیم خود بھی یتیمی کی مصیبتوں میں گزر چکا تھا۔ تمام دنیا کے یتیموں کا محسن۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک احسان سناتا ہوں جو ہم لڑکے لڑکیوں پر ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ یعنی اے لوگو! تم میں سے ہر شخص نگران اور گلہ بان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کا خدا کے روبرو جواب دہ ہے۔ اس ارشاد سے آپؐ نے ہر ماں، ہر باپ، ہر بھائی، ہر چچا، ہر دادا، خاندان کے ہر بڑے بزرگ اور ہر استاد کے ذمہ یہ لگا دیا ہے کہ تم بچوں کے اخلاق اور عادات اور نگرانی اور تعلیم کے خدا کے روبرو ذمہ دار ہو۔ تم سے سوال کیا جائے گا کہ کیوں ان میں فلاں بدی پیدا ہوئی اور کیوں فلاں نیکی ان میں موجود نہیں اور کیوں باوجود اہلیت کے فلاں قسم کی ترقی انہوں نے نہیں کی اور کیوں باوجود مقدرت کے تعلیم ان کے مناسب حال ان کو نہیں دی گئی۔ غرض یہ ذمہ داری جو آپؐ نے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ والدین اور بزرگوں پر لگائی ہے۔ اس میں تمام بچوں کا فائدہ اور بہبودی ہے۔ پس اس جامع اور دائمی حکم کی وجہ سے ہم سب آپؐ کے احسان کے بوجھ کے نیچے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سامعین! گیارہواں شخص بولے۔ میں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور احسان بیان کرتا ہوں جو نہ صرف عام ہے بلکہ مجھ پر بھی خاص ہے۔ وہ یہ کہ آپؐ نے متبنّٰی بنانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کے لڑکے کو اپنا بیٹا نہیں بنا سکتا۔ مجھے تو اس سے یہ فائدہ پہنچا ہے کہ میرے چچا بڑے مالدار آدمی ہیں۔ ان کی کوئی اولاد نہیں۔ ان کی بیوی نے بہت چاہا کہ کسی طرح اپنی برادری کے ایک لڑکے کو بیٹا بنا لیں اور سب جائداد اس کے نام لکھ دیں اور شرعی وارثوں کو محروم کر دیں۔ مگر میرے چچا مسلمان آدمی ہیں۔ انہوں نے بہت سے مولویوں سے فتویٰ لیا۔ مگر کسی نے اجازت نہ دی اور یہی کہا کہ

اسلام میں متبنیٰ ناجائز ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے کسی کو متبنیٰ نہیں کیا اور ہم جو ان کے جائز وارث ہیں اپنے حقوق سے محروم نہیں ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! محفل میں موجود ایک اور شخص نے اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ذکر سنا ہے اور اس کی وجہ سے مجھے آپؐ سے بہت محبت پیدا ہوئی۔ وہ آپؐ کا ایک حکم ہے۔ جو کمال عدل اور انصاف پر مبنی ہے۔ ایک صحابی نے اپنے ایک لڑکے کو کچھ مال دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ یا حضرت! آپ گواہ رہیئے۔ میں نے اپنا یہ مال اس بیٹے کو دے دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے اتنا ہی مال اپنے دوسرے سب بچوں کو بھی دیا ہے یا نہیں؟ ان صحابی نے کہا کہ حضرت نہیں صرف اسی کو دیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر میں ظلم کے کام پر گواہ نہیں بنتا۔ اب دیکھو! اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ بچوں پر ان کے والدین سے زیادہ مہربان تھے۔ آپؐ اس بات کو ظلم قرار دیتے ہیں کہ کسی خاص بیٹے کو کچھ دیا جائے اور دوسروں کو اتنا نہ دیا جائے۔ دنیا میں بہت سے ماں باپ ایسے ظلم میں مبتلا ہیں اور ان کے خیال میں بھی کبھی نہیں آتا کہ ہم دوسروں کی حق تلفی کر رہے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنہوں نے دنیا کو ایسے ظلموں سے آگاہ کیا۔

میری والدہ فوت ہو چکی ہیں۔ ہمارے والد کی دوسری شادی سے میرے دو بھائی ہیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ جائداد دوسری بیوی کے بچوں کے نام ہبہ کر دیں۔ مگر خدا بھلا کرے ایک مولوی صاحب کا جنہوں نے ان کو یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سنایا۔ سن کر انہوں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا اور اب کہتے ہیں کہ میں سارے لڑکوں کو برابر کا حصہ لکھ دوں گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! آپ جانتے ہیں کہ میں ایک دکان پر ملازم ہوں۔ غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ قریباً روز مار کھاتا ہوں اور جھڑکی یا جرمانہ تو معمولی بات ہے۔ ایک دن مسجد میں وعظ ہو رہا تھا۔ میں نے وہاں سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا خادم تھا۔ اس کا نام انس تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں 10 برس کا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میری والدہ نے مجھے چھوڑا اور قریباً آٹھ برس یعنی آپؐ کی وفات تک میں آپؐ کے پاس رہا۔ مگر اس سارے عرصہ میں کبھی آپؐ نے مجھ سے یہ نہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا۔ میں آپؐ کا یہ حال سن کر حیران ہی ہو گیا کہ ایک میں ہوں کہ دن بھر میں آٹھ دفعہ اپنے

آقا سے پٹتا ہوں اور ایک وہ آقاؐ ہے کہ جس کے نوکر نے 8 سال میں ایک دفعہ ہوں بھی نہیں سُنی۔ میرے دل میں آپؐ کی نسبت بے اختیار محبت اور عزت کا جذبہ پیدا ہوا۔ میری آنکھوں میں اس وقت آنسو تھے اور میری زبان پر تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! جب چودھویں دوست کو اپنے جذبات کے اظہار کے لئے بلایا گیا تو وہ یوں گویا ہوئے۔ میں اپنی ماں کا اکیلا بچہ ہوں۔ میرے بعد تین بہن بھائی اور پیدا ہوئے۔ مگر سب فوت ہوگئے۔ آخری بچہ جو میرا بھائی تھا وہ حال ہی میں فوت ہوا۔ میری ماں کو ان پے دَر پے موتوں سے سخت صدمہ پہنچا۔ وہ ہر وقت روتی رہتی تھیں اور غم کے مارے ان کا کھانا پینا تک چھٹ گیا تھا۔ میں اپنی عقل کے موافق بہت تسلی دیتا اور ان کو کتابیں اور کہانیاں پڑھ کر سناتا اور ان کا جی بہلانے کی کوشش کرتا۔ اسی طرح ہمارے اور رشتہ دار بھی کوشش کرتے۔ مگر ان کا غم کسی طرح کم نہ ہوتا تھا۔ آخر ہمارے ایک بزرگ رشتہ دار ایک دن ہمارے ہاں تشریف لائے اور انہوں نے میری والدہ کے روبرو بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کے تین بچے چھوٹی عمر میں مر جائیں اور وہ صبر کرے تو اس کی جنت کی ضمانت میں لیتا ہوں۔ اس پر ایک بی بی نے پوچھا کہ یا حضرتؐ! جس کے دو مر جائیں آپؐ نے فرمایا۔ وہ بھی جنت میں جائے گی۔ پھر وہ بولی کہ حضرتؐ جس کا ایک ہی بچہ مرا ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔ وہ بھی۔ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شفقت بھرا تسلی دینے والا کلام میری ماں نے سنا ہے۔ اس وقت سے ان کے دل کو صبر آگیا اور وہ حالت جاتی رہی اور ہم سب ان کے صبر کی وجہ سے شکر گزار ہیں۔ واقعی جیسا کہ پچھلے نوشتوں میں تھا سچی تسلی دینے والا یہی نبی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! پندرہواں شخص۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ جس سے آپؐ کی شفقت بچوں کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپؐ کے پاس آپؐ کے خاندان کے بچے آئے۔ آپؐ نے ان کو اپنے ساتھ لپٹایا اور ان کو پیار کیا۔ ایک بدّو وہاں بیٹھا تھا۔ کہنے لگا یا رسول اللہ! ہم لوگ تو اپنے بچوں کو اس طرح پیار نہیں کرتے۔ آپؐ نے فرمایا۔ بھائی! اگر خدا نے ہی تمہارے دلوں سے رحم کو نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! آپ جانتے ہیں کہ اکثر بچے جھوٹ بولتے ہیں اور بچپن کی عادت پھر بڑے ہو کر بھی نہیں چھٹتی اور یہ جھوٹ اکثر ماں باپ خود سکھاتے ہیں۔ پھر جب بچہ خوب جھوٹ بولنے لگتا ہے تو حیران ہو کر کہتے ہیں کہ خبر نہیں اسے جھوٹ کی عادت کس نے لگادی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے ہاں گئے۔ وہاں ان کی بی بی اپنے بچہ کو بلا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ یہاں آؤ۔ لو! میں تمہیں کچھ دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم اسے کیا دو گی؟ عرض کیا کہ چھوارہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم بچوں سے وعدہ کرو گی اور پھر ان کو کچھ چیز نہ دو گی تو ایک جھوٹ کا گناہ تمہارے اعمال نامہ میں لکھا جائے گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر والدین بچوں سے جھوٹ نہ بولیں تو دنیا میں جلد ایک راستباز قوم پیدا ہو جائے۔

سامعین! 17 واں شخص بولا۔ ہماری ایک کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا ایک واقعہ لکھا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برخلاف اپنے زمانہ کے رواج اور اپنی قوم کی عادات کے آپؐ کس قدر حیادار اور شرم والے تھے۔ ایک دفعہ مکہ میں کعبہ کی مرمت پر شہر کے لوگ پتھر وغیرہ ڈھو رہے تھے۔ آپؐ بھی چند نو عمر لڑکوں کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت ان سب نے اپنے تہ بند اتار دئے تھے اور ننگے یہ کام کر رہے تھے اور کپڑا اپنے مونڈھوں پر ڈال لیا تھا کہ پتھروں سے چھل نہ جائے۔ اس سارے گروہ میں صرف ایک ہی حیادار لڑکا تھا جو تہ بند باندھے تھا اور برہنہ نہ تھا اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک زمانہ میں عورتیں بھی نماز کے لئے آیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز کو لمبی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر پیچھے سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آجاتی ہے وہ سن کر میں نماز مختصر کر کے جلدی ختم کر دیتا ہوں تا کہ بچہ کو اور اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! اب باری تھی انیسویں بندے کی اُس نے کہا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ انسان پیدائشی گناہ گار ہے اور ہندو کہتے ہیں وہ اپنے پچھلے گناہوں کی سزا میں اس دنیا میں آیا ہے۔ بہر حال بچہ گناہ گار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مصیبت کو ہم پر سے دور کیا اور فرمایا۔ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، یعنی ہر بچہ معصوم اور دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے

والدین یا مربی اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ یہ آپؐ کا ہم پر کتنا احسان ہے کہ انسانی بچہ کو بے گناہ اور فطری معصوم قرار دیا اور ہمیں بڑی ڈھارس دی کہ کفر اور گناہ دوسروں کے اثر اور صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔ انسان کا اپنا خاصہ نہیں ہے اور اس طرح ہم کو اپنے پر اعتقاد پیدا کرا دیا اور ہدایت حاصل کرنے کا راستہ کھول دیا اور ایک مصیبت کا بوجھ جو دوسرے مذاہب نے ہمارے سر پر رکھا ہوا تھا اسے بالکل اتار کر پھینک دیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! اب آخری مقرر کی باری تھی وہ بولا کہ مَیں اس حوالہ سے آخرۃ کا مضمون ہی بیان کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ جو بچے چھوٹے مر جاتے ہیں ان کا کیا حشر ہوگا؟ آیا وہ جنت میں جائیں گے یا دوزخ میں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حشر کے میدان میں ان کو موقعہ دے گا اور ان کے لئے وہیں نبی مبعوث کیا جائے گا پھر جو اس کو قبول کرلیں گے وہ جنت میں جائیں گے کیونکہ عذاب نہیں دیا جائے گا۔ جب تک اتمامِ حجت نہ ہو اور جو چھوٹی عمر میں مر گیا اس پر اتمام حجت کہاں ہوئی۔ پس یہ بھی خدا کا فضل ہے کہ وہ اس جہان میں بھی نبی مبعوث کرے گا اور رحمت کا ہاتھ پھیلائے گا تا کہ لوگ نجات حاصل کر سکیں۔ یہ علم بھی ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہی سے حاصل ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

سامعین! صدرِ محفل نے جلسہ کا اختتام یہ کہتے ہوئے کیا کہ میں اپنے تین چار ساتھیوں کو جانتا ہوں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے سخت جسمانی نقصان پہنچ چکے ہیں۔
رام چندر کو ماسٹر نے ایک سخت مُکا منہ پر مارا۔ دو دانت نکل پڑے اور ہمیشہ کے لئے بدشکل ہو گیا اور الفاظ بھی صحیح نہیں بول سکتا۔ پال کو اس کے باپ نے تھپڑ مارا۔ کان کا پردہ پھٹ گیا۔ خون بہنے لگا۔ پھر پیپ آتی رہی۔ پھر بہرا ہو گیا۔ نتھو کو اس کے چچا نے منہ پر بید مارا۔ بدقسمتی سے آنکھ پر لگی۔ ڈیلہ پھٹ گیا۔ اب بچارا کانا ہو گیا ہے۔ رام سنگھ کو اس کے محلہ کے آدمی نے کئی تھپڑ اور مکے منہ پر مارے۔ دو سال اس واقعہ کو ہو گئے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ذہن کند ہو گیا ہے۔ عقل کم ہو گئی ہے۔ پڑھا لکھا یاد نہیں رہتا۔ نہایت ذہین اور ہوشیار لڑکا تھا۔ جو بیوقوف اور کند ذہن ہو گیا اور دماغ مستقل طور پر خراب ہو گیا۔ یہ سب نتیجہ ہیں منہ پر مارنے کے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کبھی چہرہ پر نہ مارو۔ پس اگر لوگ

اس ہدایت اور رحم کی تعلیم پر عمل کریں اور بچوں کے منہ پر نہ مارا کریں تو بہت سے حادثوں سے نجات ہو سکتی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

تِری ایک ایک اَدا صَلِّ علیٰ، صَلِّ علیٰ
تیری ہر آن پہ سو جان سے جاؤں واری
حُسنِ یوسُفؑ دمِ عیسیٰؑ ید بیضا داری
وانچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلَی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ

(اخبار الفضل قادیان 15 جون 1928ء)

﴿41﴾ ﴿مشاہدات۔159﴾

آنحضورؐ کی والدین کو بچوں سے دوستانہ تعلق کی تعلیم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:75)

اے خدا تعالیٰ! ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائے

یہ ہو میں دیکھ لوں تقوی سبھی کا
جب آئے وقت میری واپسی کا

آج میری تقریر کا عنوان ہے: **آنحضورؐ کی والدین کو بچوں سے دوستانہ تعلق کی تعلیم**

معزز سامعین! آنحضرت ﷺ کی بعثت جاہلیت کے اُس دور میں ہوئی جب ہر قسم کے انسانی حقوق پامال کئے جا رہے تھے۔ اولاد اور بچوں کے حقوق کا بھی یہ حال تھا۔ بچوں سے دوستی تو در کنار اکثر بچے افلاس کی وجہ سے پیدائش سے قبل ہی قتل کر دیئے جاتے۔ بعض قبائل میں بچیوں کو زندہ در گور کرنے کا رواج عام تھا۔ آپؐ نے تشریف لا کر اولاد کے عزت کے ساتھ زندہ رہنے کا حق قائم کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کی عزت کیا کرو اور ان کی عمدہ تربیت کرو۔ اسی طرح فرمایا کہ والد کا اولاد کے لئے حسن تربیت سے بہت کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت ﷺ کا بچوں سے دوستانہ تعلق:

آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی بچے کو نہیں مارا۔ آپ بچوں کی معمولی تکلیف پر تڑپ جاتے اور کوشش کرتے کہ جلدی جلدی اس تکلیف کو دور کریں۔ حضور اکرم ﷺ ان پر پوری توجہ دیتے اور ان سے محبت اور شفقت سے پیش آتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ بچے بھی آپ سے مانوس ہو جاتے۔ آپؐ ان کو گود میں اٹھاتے، ان کا منہ چومتے اور سینے سے لگاتے۔ ان کے لئے دعائیں کرتے۔ ان کو دین کی باتیں سکھاتے۔ بچوں کو بھی

آپؐ سے بے پناہ محبت اور لگاؤ تھا۔ بچے جب آپؐ کو بازار یا گلی کوچوں میں دیکھتے، خوشی سے اچھلتے، کودتے، شوق سے بھاگ کر آتے اور آپؐ انہیں باری باری گود میں اٹھا لیتے اور پیار کرتے۔ آپؐ کی عادت تھی کہ بچوں کو سلام کرنے میں پہل کرتے۔ ان سے پاکیزہ مزاح بھی کرتے اور ساتھ ساتھ اچھی باتیں بھی بتاتے جاتے۔ کبھی کبھی بچوں کو سیر کے لئے ساتھ لے جاتے اور ان کے معصوم کھیل میں بھی شریک ہو جاتے۔ غرض بیسیوں ایسے واقعات اور احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بچوں سے حسن سلوک کا کس قدر اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔

حضرت یعقوب علی عرفانیؓ تحریر فرماتے ہیں:

”آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ بچوں پر خصوصاً شفقت فرمایا کرتے تھے اور حضور نے تربیتِ اولاد کے سلسلہ میں اولاد میں خودداری اور عزتِ نفس پیدا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ۔ حضرت رسالتِ پناہ کے اس ارشاد میں تربیتِ اولاد کا بہترین راز مضمر ہے۔ اولاد کی تکریم سے اولاد میں جو احساس اور شعور پیدا ہوتا ہے وہ اسے دنیا میں معزز و محترم بنا دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت کو ہم نے پڑھا (ہی) نہیں، خدا کے فضل سے دیکھا ہے اور اسے آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کا کامل نمونہ اور صحیح نقشہ پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد دی اور ایک جماعت کثیر دی جس کے بچوں کو حضرت کے حضور آنے جانے کا موقع ملتا اور حضورؑ کے اس برتاؤ اور تعلق کو ہم نے برائی العین مشاہدہ کیا۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم صفحہ 363)

سامعین! حضرت مسیح موعودؑ سزا کی بجائے دعا پر یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا:

”جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے، کاش! دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوزِ دل سے دعا کرنے کو ایک حزب ٹھہرا لیں۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 309)

تربیت اولاد کے متعلق آپ کا طریق کیا تھا؟ درج ذیل ارشاد سے وضاحت ہوتی ہے۔ فرمایا:

”ہدایت اور تربیت حقیقی خدا کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گزار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں...... یہ ایک قسم کا شرکِ خفی ہے اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہئے...... ہم تو اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آدابِ تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ:309)

اکثر والدین اور بچوں میں سچی دوستی قائم ہی نہیں ہو پاتی یعنی دوستی کا فقدان رہتا ہے۔ وہی دوستی حقیقی سمجھی جاسکتی ہے جس میں اور بہت سی خصوصیات کے علاوہ باہمی عزت اور احترام ہو، اعتماد ہو، دیانتداری ہو، ایک دوسرے کو سننے اور سمجھنے کی عادت ہو۔

بچوں کی پرورش میں کسی نہ کسی موڑ پر والدین کے بچوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا ضروری ہیں۔ یہ جتنی جلد ممکن ہو بہتر ہے اور اس دوستی کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس رشتہ میں نکھار آتا چلا جائے گا۔ بعض والدین کا خیال ہے کہ بچپن میں اس کی اتنی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ بچے کی تربیت کا زمانہ اُس کی پیدائش سے شروع ہو جاتا ہے۔ گو اس وقت بچے کی آنکھیں اور کان پوری طرح کام نہیں کر رہے ہوتے اور بچہ بظاہر سمجھ نہیں سکتا۔

معزز سامعین! اسی لئے آنحضور ﷺ نے حسن تربیت کے لئے یہ پُر حکمت تعلیم فرمائی کہ پیدائش کے بعد اس کے کان میں اذان اور تکبیر کہی جائے۔ اس ارشاد کے ذریعہ دراصل آپؐ نے یہ پیغام دیا کہ آغاز سے ہی بچوں کے کان میں اللہ رسول کی باتیں پڑنی چاہئیں اور آغاز سے ہی تربیت کا سلسلہ شروع کر دینا چاہئے اور آج 1500 سال بعد موجودہ تحقیق سے سائنسدانوں نے ثابت کیا ہے کہ انسانوں کے دماغ کا ایک حصہ ایسا ہے کہ بچپن میں بچہ جو سنتا ہے وہ اسی کو اخذ کرتا ہے اور محفوظ بھی کر لیتا ہے اور پھر کبھی وقت آنے پر خود بخود یاد آجاتا ہے۔

یہ ایک نفسیاتی نقطہ بھی ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے ماحول کا اثر قبول کرنا شروع کر دیتا ہے اس لئے ماں باپ اور بڑوں کے لئے ضروری ہے کہ اس کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کے ماحول کو دوستانہ رکھنا

چاہئے تاکہ بڑے ہو کر بچہ اپنے فارغ اوقات گھر پر گزارنے میں خوشی اور راحت محسوس کرے۔ ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اس طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”اپنے گھر کے ماحول کو ایسا پُر سکون اور محبت بھرا بنائیں کہ بچے فارغ وقت گھر سے باہر گزارنے کی بجائے ماں باپ کی صحبت میں گزارنا پسند کریں۔ ایک دوستانہ ماحول ہو۔ بچے کھل کر ماں باپ سے سوال بھی کریں اور ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر قسم کی باتیں بھی کریں۔“

(خطبات مسرور جلد 1 صفحہ 148)

پس آغاز سے ہی بچوں کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ ان سے دوستی ان کی تربیت میں مثبت کردار ادا کر سکتی ہے۔ بعض والدین اپنے بچوں کی نشو نما میں ان کی حوصلہ افزائی چاہتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان پر احکامات مسلط کئے جائیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡھَا۔ (الروم:31) یعنی یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ آنحضرت ﷺ کا قول ہے کہ ”ہر بچہ تو فطرت صحیحہ (یعنی فطرت اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے والدین ہی اسے یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔“ (بخاری کتاب الجنائز باب از اسلم الصبی) مراد یہی ہے کہ بچہ سب سے پہلے والدین سے ہی سیکھتا ہے اور والدین اس کے سامنے جو عملی نمونہ پیش کرتے ہیں وہ اس کی نقل کرتا ہے۔ لہذا والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر کا ماحول جنت نظیر بنائیں۔ اگر والدین حتی المقدور اپنی اولاد کو احسن رنگ میں تربیت دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی اولاد صالح نہ بنے۔

گویا جب بچہ جنم لے کر اس دنیا میں آتا ہے تو وہ صاف سلیٹ یا دھلی ہوئی تختی کی مانند ہوتا ہے اب اس کے والدین جو عبارت اس پر لکھنا چاہیں وہ لکھ دیتے ہیں یا بالفاظ دیگر یہ کہنا بھی بجا ہو گا کہ ایک نومولود گُندھی ہوئی مٹی کی طرح ہوتا ہے اس کے ماں باپ جس سانچہ میں اسے ڈالیں گے وہ وہی شکل اور کردار لے کر معاشرہ میں پروان چڑھے گا۔ اکثر ربانی ہستیوں اور ماہرین نفسیات نے تربیت اولاد کے جو مختلف طریق بتا رکھے ہیں ان میں سے ایک نہایت اہم اور کامیاب گُر **”والدین کا اولاد سے دوستانہ تعلق ہے“**

سامعین! اس پیارے اور آزمودہ نسخہ کا تذکرہ ہمارے پیارے حضور پر نور ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز یوں فرماتے ہیں۔

”اپنے گھر کے ماحول کو ایسا پُر سکون اور محبت بھرا بنائیں کہ بچے فارغ وقت گھر سے باہر گزارنے کی بجائے ماں باپ کی صحبت میں گزارنا پسند کریں۔ ایک دوستانہ ماحول ہو۔ بچے کھل کر ماں باپ سے سوال بھی کریں اورادب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر قسم کی باتیں بھی کر سکیں۔ اس لیے ماں باپ دونوں کو بہر حال قربانی دینی پڑے گی۔ جو عہد اپنے رب سے والدین نے باندھا ہے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے بہر حال والدین نے بھی قربانی دینی ہے۔“

(خطبات مسرور جلد 1 صفحہ 148-149)

خوداعتمادی: اس میں شک نہیں کہ بچوں میں بچپن سے ہی نظم وضبط قائم کرنا انتہائی ضروری ہے نیز بچے کی بھلائی اور حفاظت والدین کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ لیکن ایک دفعہ جب انہیں بنیادی سہولیات مہیا کردی جائیں تو پھر چاہئے کہ وہ خود اعتمادی سے خود ہی ان مسائل کا حل نکالیں۔ یہ وہ موقع ہے جبکہ والدین کی بچوں کے ساتھ حقیقی دوستی کا تعلق قائم ہونا شروع ہوتا ہے اور بچہ بھی اپنے والدین پر اعتماد کرنا شروع کردیتا ہے اور وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرے والدین میرے خیر خواہ اور سچے ہمدرد ہیں تب ان کے ہر اشارہ پر عمل کرنا اپنی سعادت جانتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں کہ:

”پس نیکی پر خوداعتمادی یہ بہت ضروری ہے۔ پس جن بچوں کو آپ نے سوسائٹی میں بھیجنا ہے ان کو بتائیں کہ تمہاری عزت اور تمہاری اعلیٰ اقدار سچائی سے وابستہ ہیں...... یہ احساس خوداعتمادی گھر میں بچپن میں پیدا کرنا ضروری ہے۔“

(مشعل راہ جلد 3 صفحہ 576-577)

لیکن بچوں کی پرورش کے دوران ان میں نظم وضبط لانے کے لئے ہر وقت تحکمانہ اور آمرانہ رویہ درست نہیں۔ اس قسم کا رویہ سوائے مشینی رد عمل اور جذبات سے عاری وابستگی کے علاوہ کچھ بھی پیدا نہیں

کر سکتا۔ اس میں کسی قسم کی دوستی کے لئے گنجائش ہی نہیں رہتی۔ جو کہ بچوں کی پرورش میں بعض دفعہ سخت نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کے تربیت اولاد کے اسلوب:

معزز سامعین! خصوصاً جب بچہ ذرا بڑا ہو جائے تو آپس میں دوستانہ تعلقات اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر زندگی کے اہم معاملات پر بات چیت کرنے میں ہچکچاہٹ ہو تو پھر یہ سچی دوستی نہیں کہلا سکتی۔ دوستی کے لئے والدین اور خصوصاً باپ کا اپنے بچوں کے مزاج کا شناسا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہر ماں باپ کی اولاد مختلف مزاج رکھتی ہے۔ پسند اور ناپسند میں بھی فرق ہوتا ہے اور جب تک ہر بچہ کے مزاج کے مطابق اس کی تربیت کا طریق اختیار نہ کیا جائے، خاطر خواہ نتائج کی امید نہیں کی جا سکتی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد مرحوم اس ضمن میں اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس سے حضرت مصلح الموعودؓ کا اپنے بچوں سے دوستانہ تعلق اور مزاج شناسی کا پتہ چلتا ہے۔ جو کہ ہم سب کے لئے تربیتِ اولاد میں یقیناً مشعلِ راہ ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”قادیان کے قریب ہمارا ایک آبائی گاؤں ”نواں پنڈ“ تھا۔ جہاں ابا جان نے ٹینس کورٹ بنوایا ہوا تھا...... جب میں اس قابل ہوا کہ ٹینس کا ریکٹ پکڑ کر کچھ کھیل سکتا تو ٹینس کھیلنے کے لئے مجھے بھی ساتھ لے کر جانے لگے اور ہمارے بڑے بھائی مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالث۔ ناقل) بھی کبھی کبھی کھیلنے ساتھ چلتے تھے۔ ان دنوں انگلستان کا بنا ہوا ایک ریکٹ جس کا نام DOHETRY تھا آپ استعمال فرماتے تھے۔ کچھ سال بعد آپ نے ڈوہرٹی ریکٹ لاہور سے منگوا کر ہمارے بڑے بھائی کو دے دیا۔ مجھے جب اس کا علم ہوا تو میں نے ایک ملازمہ کے ہاتھ ابا جان کو ایک رقعہ لکھ کر بھجوایا کہ آپ نے بھائی کو ریکٹ دیا ہے اور مجھے نہیں دیا اور یہ اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے ایک صحابی کو جس نے اپنے ایک لڑکے کو غلام خرید کر دیا تھا اور دوسروں کو نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے دریافت فرمانے پر کہ کیا ہر لڑکے کو غلام دیا ہے؟ نفی میں جواب سن کر آپؐ نے ان صحابیؓ کو ارشاد فرمایا کہ اس سے بھی غلام واپس لے لو۔ اسی طرح کی ایک اور روایت ہے جس میں حضرت النعمان بن بشیرؓ بیان

کرتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے بیان فرمایا کہ کیا باقی سب بچوں کو عطیہ دیا ہے؟ کہا نہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔

"فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْدِلُوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ۔"

میری اس حرکت کا یہ نتیجہ بھی نکل سکتا تھا کہ میری گوشمالی کی جاتی۔ ناراضگی کا اظہار ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا...... دو تین روز ہی گزرے تھے کہ ایک صبح کے وقت آپ ہاتھ میں ڈوہرٹی ریکٹ پکڑے میرے پاس آئے اور مجھے دے کر فرمایا کہ لو! تمہارا ریکٹ۔ مَیں نے تمہارے لئے لاہور سے منگوایا ہے۔"

دراصل ضروری نہیں کہ ہر بچہ خاموشی سے بات قبول کرلے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی بات کو صحیح نہ جانے تو اس کا برملا اظہار کردے۔ اس پر اس سے ناراض ہونے کی بجائے اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے تا اس میں مناسب موقع پر سچ بولنے کا حوصلہ پیدا ہو۔

والدین کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر وقت کی سختی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر والدین ہر وقت بچوں پر چیخیں اور چلائیں تو وہ اپنی قدر کھو دیتے ہیں اور ان کی بات میں وزن نہیں رہتا اور بچے ان کے خیالات کو اہمیت دینا چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہے وہ کتنا ہی داشمندانہ خیال ہی کیوں نہ ہو۔ اگر اس کی ادائیگی صحیح نہیں تو اس کو تسلیم کرنے میں مشکل ہوگی اس طرح مطلوبہ نتائج کا حصول ناممکن ہوجاتا ہے۔ سچی دوستی وہ ہے جس میں متوازن اور باہمی احترام کا رشتہ ہو۔ بچوں کو یہ احساس نہیں ہونا چاہئے کہ ان کے خیالات کو اہمیت نہیں دی جارہی۔ چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو یا بچگانہ ہی کیوں نہ ہو۔ ورنہ ڈر ہے کہ پھر وہ والدین کے خیالات اور احساسات کو بھی اہمیت نہیں دیں گے۔ بہرحال یہ بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس باہمی رشتہ میں ہم آہنگی پیدا کریں کیونکہ بچہ تو پھر بچہ ہی ہے۔

اگر بچے نے کوئی اچھا کام کیا ہو تو اس کو بیان کرکے بچے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ کسی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے پر خوشی کا اظہار کرنا چاہئے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک صاحب اپنے طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ جب انہوں نے مولوی فاضل کے امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی تو نتیجہ کی اطلاع پر حضرت مصلح موعودؓ نے اس کامیابی پر خوشی کا اظہار فرمایا اور اس خوشی میں سب عملہ اور وہ احباب جماعت جو مختلف شہروں سے آپ کو ملنے کے لئے تشریف لائے ہوئے

تھے اور ملازمین اور گھر والوں کے ساتھ مل کر پکنک کا پروگرام بنایا۔ کھانے کے لئے باورچی کو خود ہدایات دیں بلکہ رات گئے تک کھانا پکانے کی خود ہی نگرانی فرمائی۔

اسی طرح ناکامی پر غم اور غصہ کی بجائے بچے کے ساتھ بیٹھ کر اس کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے سدِّباب کے لئے بچے کی رہنمائی کرنی چاہئے اور اس کو احساس دلوانا چاہئے کہ اس مشکل گھڑی میں وہ اس کے ساتھ ہیں۔

لیکن بچوں سے دوستی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ بچہ جو بھی کرے اس کو ہر صورت پسند کیا جائے یا اغماض کیا جائے۔ ہاں اس صورت میں بھی معاملہ فہمی سے کام لینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ بچہ آپ سے دور ہو جائے اس طرح اس کی پرورش میں آپ کی وعظ و نصیحت تعمیری اور مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔

سامعین! غیرت دینی کا یہ واقعہ ملاحظہ ہو۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

"ہمارے بڑے بھائی مرزا ناصر احمد صاحب کو قرآن کریم حفظ کروانے کا فیصلہ ابا جان نے کیا۔ ایک حافظ صاحب کو ان کے لئے مقرر فرمایا۔ ہماری رہائش والے مکان کے صحن میں بھائی کھڑے تھے۔ میں برآمدہ میں تھا۔ میں نے ان کو 'او حافظ' کر کے پکارا۔ ابا جان نے سن لیا۔ سخت غصے میں میرے پاس آئے اور ایک طمانچہ رسید کیا اور فرمانے لگے تمہیں شرم نہیں آتی قرآن کریم حفظ کرنے والے اور پھر بڑے بھائی کو تم نے اس طرح مخاطب کیا۔ اسی وقت پرائیویٹ سیکرٹری کے ایک کارکن کو بلا کر کہا کہ اسی وقت ہائی سکول جا کر اس کا نام وہاں سے کٹوا دو اور کل سے یہ ہائی سکول کی بجائے احمدیہ سکول میں تعلیم حاصل کرے گا۔"

دوستی اپنی جگہ لیکن حفظِ مراتب کا خیال رکھنا بھی بچوں کی تربیت کا حصہ ہے

نسبتاً چھوٹی عمر میں بچے کہانیاں سننے کا شوق رکھتے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ بچوں کی تربیت کے لئے دوستانہ ماحول کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ آپؓ نے بچوں کی تربیت کے لئے کہانیاں سنانے کا طریق بھی اپنایا۔ باوجود خلافت کے کاموں کی بے پناہ مصروفیات کے ایک مرتبہ آپ نے ان بچوں کو جو شعور کی عمر کو پہنچ چکے تھے عشاء کی نماز کے بعد ایک کہانی سنانا شروع کی جو تقریباً ایک گھنٹہ روزانہ کئی ہفتے جاری رہی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب اپنی یادداشتوں میں تحریر کرتے ہیں کہ یہ کہانی کسی قصے کہانیوں کی کتابوں سے اخذ نہیں کی گئی تھی بلکہ آپؓ نے از خود مختلف تربیتی امور سے تعلق رکھنے والی اسلامی

تعلیم پر روشنی ڈالنے کے لئے کہانی کا رنگ دے کر اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ ہم سارے جو اس مجلس میں جمع ہوتے تھے اگلے دن شام کا انتظار کرتے۔ اس کے علاوہ آپ نے گھر میں درسِ قرآن بھی شروع کیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔

معزز سامعین!

عملی نمونہ اور کرنے کی باتیں: دوستانہ تعلق میں عملی نمونہ کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ کسی امر کی وضاحت کے لئے ہمیشہ مثال پیش کی جاتی ہے تا کہ وہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنی تعلم کا صحیح نمونہ پیش کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء کو بھیجتا رہا ہے۔ اس لئے بچوں کے اخلاقی پہلو کو اجاگر کرنے کے لئے ہمیں اپنی مثال بہترین رنگ میں پیش کرنا ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری نئی پود زبانِ حال سے کہنے لگ جائے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ اس لئے ہمیں پہلے اپنے آپ کو بچوں کے لئے اچھی مثال پیش کرنا ہے۔ ہم اپنی کمزوریوں اور خامیوں کی اصلاح کے بعد ہی بچوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً

1۔ نماز باجماعت کے خود سختی سے پابند ہوں گے تو بچوں کو نماز باجماعت کی تلقین کر سکیں گے۔

2۔ ہر مرحلہ میں راست گوئی یعنی حقیقت پسندی کو اپنا کردار بنائیں گے تو بچوں کو سچ بولنے کی عادت ڈالنے میں مدد گار ہو سکیں گے۔

3۔ ہر کام وقت پر کرنے کی عادت کا لازمی اثر بچوں پر بھی ہو گا تو وہ بھی وقت کی پابندی سیکھ جائیں گے۔

4۔ خود صاف ستھرا لباس رکھ کر ہی ہم بچوں کو صاف ستھرا دیکھ سکیں گے۔

5۔ عوام کی خدمت پر کمربستہ رہ کر ہی بچوں کو ہم خدمت خلق پر آمادہ کر سکیں گے۔

6۔ ہمسایوں اور دوستوں سے محبت اور احسان کر کے ہی بچوں کے اندر دوسروں سے محبت کا جذبہ پیدا کر سکیں گے۔

7۔ اپنے گھر میں بہترین سلوک کا نمونہ پیش کریں گے تو گھر کے خوشگوار تعلقات بچوں پر خوشگوار اثر ڈالیں گے۔

8۔لین دین کے معاملات میں دیانتداری کا مظاہرہ بچوں کو دیانتدار بنادے گا۔

9۔ اس کے علاوہ دیانت، محنت کی عادت، غصہ کو ضبط کرنا، عفت، نگاہ و زبان کی پاکیزگی، مستقل مزاجی اور ہمدردی خلائق جیسی صفات کا عملی نمونہ بچوں کے ساتھ پیش کریں گے تو یہ خوبیاں ان میں بھی پیدا ہوں گی۔

10۔تربیت کا سب سے اہم ذریعہ خلیفہ وقت کے ساتھ عاشقانہ اور خادمانہ تعلق اور نظام سلسلہ کا احترام اور پابندی ہے۔ یہ ایسی بنیادی صفت اور پاک بیج ہے جسے اگر عمل صالح کے پانی سے سیراب کیا جائے تو یہ ایسا ثمر دار شجر بن جاتا ہے جس کے میٹھے پھل والدین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور جماعت کے لئے لذت و سرور کا موجب ہوتے ہیں۔اگر ہم اپنی عزیز اولاد کے دلوں میں خلافتِ حقہ کی اہمیت اور اس کی برکات کو جاگزیں کر سکیں اور ہر حالت عُسر ویُسر میں خلافت اور نظام سلسلہ کے احترام کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اپنا ایک نمونہ قائم کرکے اپنی اولاد کے دلوں میں راسخ کر سکیں تو باقی تربیت خود بخود آسان ہو جائے گی۔

حضرت مسیح موعودؑ اسی نکتہ کو ایک اور زاویہ سے بیان فرماتے ہیں:

”خوب یاد رکھو کہ جب تک خدا تعالیٰ سے رشتہ نہ ہو اور سچا تعلق اُس کے ساتھ نہ ہو جاوے کوئی چیز نفع نہیں دے سکتی......پس وہ کام کرو جو اولاد کے لیے بہترین نمونہ اور سبق ہو اور اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے اول خود اپنی اصلاح کرو اگر تم اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیز گار بن جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کو راضی کر لو گے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا۔ قرآن شریف میں خضر اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ درج ہے کہ دونوں نے مل کر ایک دیوار کو بنا دیا جو یتیم بچوں کی تھی وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ان کا والد صالح تھا۔ یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ کیسے تھے۔ پس اس مقصد کو حاصل کرو اور اولاد کے لیے ہمیشہ اس کی نیکی کی خواہش کرو۔“

(ملفوظات جلد4 صفحہ 444-445)

غرضیکہ زندگی کے بے شمار پہلو ہیں جن میں ہم اپنے عملی نمونہ سے بچوں کے اندر خود بخود اچھی اور نیک عادات پیدا کر سکتے ہیں۔ اور وہی نظارے دیکھ سکتے ہیں جب باپ نے اپنے بیٹے کو کہا کہ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي

الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ (الصافات: 103) یعنی اے میرے پیارے بیٹے! یقیناً مَیں سوتے میں دیکھا کرتا ہوں کہ مَیں تجھے ذبح کر رہا ہوں، پس غور کر تیری کیا رائے ہے۔ تو سعادت مند بیٹا جو کہ اپنے باپ کے ساتھ دوستی کے رنگ میں رنگین تھا جواب دیتا ہے۔ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (الصافات: 103) اے میرے باپ! وہی کر جو تجھے حکم دیا جاتا ہے یقیناً اگر اللہ چاہے تو مجھے تُو صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ایک نہایت پیاری اور گہری حکمت کی بات بیان فرمائی ہے کہ جس طرح سکّہ کے دو رُخ ہوتے ہیں اسی طرح دوستی کے بھی دو رُخ ہوتے ہیں ایک تو والدین کا اپنے بچوں سے دوستانہ تعلق اور دوسرا بچوں کا دوسرے بچوں سے دوستی لگانا۔ یہ دونوں رُخ والدین کے پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

”حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے یعنی دوست کے اخلاق کا اثر انسان پر ہوتا ہے۔ اس لیے اسے غور کرنا چاہئے کہ وہ کیسے دوست بنا رہا ہے۔ تو والدین کو بھی نگرانی رکھنی چاہئے اور یہ نگرانی سختی سے نہیں رکھنی چاہئے بلکہ بچوں سے بے تکلف ہوں...... اس مغربی معاشرہ میں بلکہ آج کل تو مغرب کا اثر، دجالی قوتوں کا اثر اور شیطان کے حملوں کا اثر، رابطوں میں آسانی اور سہولت کی وجہ سے ہر جگہ ہو چکا ہے۔ تو مَیں یہ کہہ رہا ہوں کہ شیطان کے ان حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے والدین کو اپنے بچوں سے ایک دوستانہ ماحول پیدا کرنا ہوگا اور پیدا کرنا چاہئے۔ خاص طور پر اِن ملکوں میں جو نئے آنے والے ہوتے ہیں وہ شروع میں تو نرمی دکھاتے ہیں اس کے بعد زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ تصور نہیں ہے کہ بچوں سے بھی دوستی پیدا کی جاسکتی ہے۔ تو ان کو پھر یہ احساس دلانا چاہئے۔ یہ ماحول پیدا کر کے اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے۔ بچے کو بچپن سے پتہ لگے اور پھر جوانی میں پتہ لگے۔ ایک عمر میں آکے والدین خود بچوں سے باتیں کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ ان کو دین کی طرف لانے کے لیے...... والدین کو دعاؤں کے ساتھ ساتھ بڑی کوشش کرنی چاہئے...... پھر یہ بھی نظر رکھنی چاہئے کہ بچوں کے دوست کون ہیں۔ بچوں کے دوستوں کا بھی پتہ ہونا چاہئے...... ابھی بھی والدین کی یہ شکایات ملتی رہتی ہیں کہ انہوں نے سختی کر کے بچوں کو بگاڑ دیا۔ ایک بچہ جو پندرہ سولہ سال کی

عمر تک بڑا اچھا ہوتا ہے...... تو پھر ایک دم پیچھے ہٹنے لگتا ہے اور پھر ہٹتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایسی شکایتیں بھی آئیں کہ بچے ماں باپ سے علیحدہ ہو گئے...... اگر والدین شروع سے ہی اس بات کا خیال رکھیں تو یہ مسائل پیدا نہ ہوں۔ پھر بچوں کو بھی مَیں کہتا ہوں کہ اپنے دوست سوچ سمجھ کر بناؤ۔ یہ نہ سمجھو کہ والدین تمہارے دشمن ہیں..... دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے جو دوست ہیں بگاڑنے والے تو نہیں اور اللہ سے دور لے جانے والے تو نہیں کیونکہ جو اللہ سے دور لے جانے والے ہیں وہ تمہارے سچے دوست نہیں ہو سکتے...... اور ہمیشہ نظام سے تعلق رکھیں۔ نظام جو بھی آپ کو سمجھاتا ہے آپ کی بہتری اور بھلائی کے لیے سمجھاتا ہے۔ نمازوں کی طرف توجہ دیں، قرآن پڑھنے کی طرف توجہ دیں اللہ تعالیٰ ہمارے ہر بچے کو ہر شیطانی حملے سے بچائے۔"

(خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 395-397)

سامعین! تربیت اولاد کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا قابل تقلید نمونہ ملاحظہ ہو۔ آپؑ فرماتے ہیں:

"میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دعا نہیں کرتا..... اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:75) یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرمائے۔"

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 562-563)

(تیار کردہ۔ مجید احمد بشیر)

۞۞۞۞

﴿42﴾ ﴿مشاہدات۔533﴾

"یہ بزرگ میرا محمدؐ تھا اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک دلنشین منظر

(از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (الاحزاب:57)

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

ہیچ محبوبے نماند ہمچو یار دلبرم
مہر و مہ را نیست قدرے در دیارِ دلبرم
آں کجا رُوئے کہ دارد ہمچو رُویش آب و تاب
واں کُجا باغے کہ مے دارد بہارِ دلبرم

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اول صفحہ 597-598 حاشیہ)

کہ میرے محبوب جیسا کوئی نہیں ہے۔ اس کے ہاں چاند اور سورج کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ ایسا چہرہ کہاں کہ اس جیسی آب و تاب رکھتا ہو اور ایسا باغ کہاں جو میرے محبوب جیسی بہار رکھتا ہو۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا موضوع "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک دلنشین منظر" ہے جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایک خوبصورت تحریر سے لیا گیا ہے۔

حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

دن کا وقت تھا مجلس میں چاروں طرف خاموشی تھی۔ ایک بزرگ ہستی جس کا چہرہ ایک بقعۂ نور تھا اور جس کے پاکیزہ جسم سے نہایت تیز مقناطیسی شعائیں نکل نکل کر اس کے ہم جلیسوں کے دلوں کو مسحور کر رہی تھیں مجلس کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ مقناطیسی شعائیں جو اس کے جسم سے نکل رہی تھیں دو قسم کی تھیں۔ ایک محبت پیدا کرنے والی تھیں اور دوسری رعب۔ جن لوگوں کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں وہ شعائیں ان کے اندر داخل ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ ایک طرف جذبۂ محبت تھا جو بچہ کی ماں سے محبت کی نسبت سے بھی زیادہ ناز اور والہیّت پیدا کر رہا تھا۔ دوسری طرف جذبۂ رعب تھا کہ سلاطین و ملوک سے بھی زیادہ ادب و نیاز کا احساس پیدا کر رہا تھا۔ محبت کہتی تھی اس چہرے کو دیکھے جا۔ ادب کہتا تھا آنکھیں نیچی رکھ۔ ناز کا اصرار تھا کہ باتیں کر اور کرتا ہی جا۔ نیاز کہتا تھا خاموش رہ اور کان رکھ۔

سامعین! یہ منور وجود اور مقدس ہستی سادگی اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ تھی۔ بادشاہانہ رعب تھا مگر فقیرانہ لباس۔ سلاطین سے بڑھ کر دبدبہ تھا مگر مسند شاہی کی جگہ ایک معمولی سا کپڑا نیچے بچھا ہوا تھا۔ اس میں اور اس کے ساتھیوں میں کچھ فرق نہ تھا بلکہ ان میں سے کئی کا لباس اس کے لباس سے بہتر تھا۔

خدا تعالیٰ نے جس طرح باطنی کمالات اُس بزرگ کو دیے تھے ظاہری خوبیاں بھی موجود تھیں۔ جس کی بناوٹ میں کوئی ایسا نقص نہ تھا کہ دیکھنے والے کو گھن آئے بلکہ مردانہ حسن و خوبصورتی سے اسے وافر حصہ ملا تھا جس کی وجہ سے انسان چہرے کو دیکھتے ہی ادب و محبت محسوس کرنے لگتا تھا۔ سچ ہے کہ خیالات انسان کے چہرہ پر بھی اثر ڈالنے لگتے ہیں۔ اُس بزرگ کا چہرہ ان تمام اندرونی نوروں کا شاہد تھا جو اس کے دل میں ایک وسیع سمندر کی طرح موجزن تھے۔ اس کا قد میانہ اور رنگ خوبصورت اور سفید تھا۔ اس کے بال نہ تو گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے، رنگ کے لحاظ سے وہ کسی قدر سنہری تھے۔ اُس کا جسم بہت ملائم تھا اور اس میں سے خوشبو آتی تھی۔ اُس کا سینہ چوڑا تھا اور کندھوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا جو وسعتِ حوصلہ اور سادگیٔ طبیعت پر دلالت کرتا تھا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں موٹے موٹے تھے اور ہتھیلیاں بہت چوڑی تھیں جو ایک طرف شجاعت پر اور دوسری طرف سخاوت پر دلالت کرتی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بات کرتا تھا اور مخاطب کے احساسات کا بہت ہی لحاظ کرتا تھا۔ اُس کے ماتھے پر شکن نہ تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ

جوش میں آنے کا کبھی عادی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ مسکراتا تھا۔ مگر لا ابالی متوالے انسان کی مسکراہٹ نہیں جو اُسے اچھا مجلسی تو ثابت کرتی ہے مگر قابلِ اعتبار دوست نہیں بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ اور افسردہ مسکراہٹ کھلتی تھی جو اُسے اور بھی پیارا بنا دیتی تھی کیونکہ اس کے خفیف شِکنوں پر صاف صاف لکھا ہوا نظر آتا تھا کہ اُس مسکراہٹ کی غرض دوسروں کی دلداری اور دل جوئی ہے ورنہ غم خواری اور ذمہ داری نے اُس کے دل کو درد و اَلَم کا مخزن بنا رکھا ہے۔ ابھی ابھی کا واقعہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے وہ خانۂ خدا میں نہ جا سکا۔ اُس کے اصحاب جو اس کی خفیف سی تکلیف کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور اس کی تھوڑی سی جدائی کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے گھبرا گئے۔ ایک اور شخص عبادت کے لیے کھڑا ہوا۔ اُس کا کھڑا ہونا تھا کہ عبادت گھر آہ و بکا کے شور سے گونج اٹھا۔ مرغِ بسمل اس طرح نہیں تڑپتا جس طرح میدانِ جنگ کے شیر اور صف شکن بہادر کرب و اضطراب سے بے تاب ہو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ ان کی تار نہ ٹوٹتی تھی۔ سینے تھے کہ اُبلنے والی ہنڈیا کی طرح کھول رہے تھے۔ وہ سہارا لے کر اٹھا دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑکی تک آیا حالانکہ اُس میں کھڑا ہونے کی طاقت نہ تھی۔ اُس نے کھڑکی کا پردہ ایک طرف کیا اور عبادت گھر کی طرف سر جھکا کر مسکرایا۔ اُس کی مسکراہٹ نے لوگوں کو وارفتہ کر دیا۔ وہ بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے مسرت مارنے لگے۔ اُس نے پھر اپنا سر اندر کر لیا۔ لوگ خوش تھے مگر آہ! اُنہیں کیا معلوم تھا کہ اُس ذرا سی مسکراہٹ کے پیدا کرنے کے لیے اُسے کس قدر جذبات درد و الم کو محسوس کرنا پڑا۔ اے مقدس وجود! میری جان تجھ پر قربان۔ میرا دل تجھ پر نثار ہو۔ تو نے موت کی آخری کشمکشوں میں بھی دوسروں کی ادنیٰ خوشی کو مد نظر رکھا۔

سامعین! حضورؓ آگے تحریر فرماتے ہیں:

ہاں! تو آج بھی ان لوگوں کے چہرے افسردہ نظر آتے تھے مگر اُس کے چہرے کی بشاشت قائم تھی۔ وہ انہیں اپنی آنے والی جدائی کے لیے تیار کر رہا تھا اور جس طرح آہن گر تلوار کو مکمل کر کے آخری دفعہ اُسے صیقل کرتا ہے وہ بھی اپنے اصحاب کے دلوں کو آخری دفعہ جِلا دے رہا تھا۔ وہ اُن کے سامنے سب ضروری سبق دہرا رہا تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اُس کی عظمت کے سبق اُن کے دلوں میں تازہ کر رہا تھا۔ اُس کی محبت کا ولولہ اُن کے دلوں میں پیدا کر رہا تھا۔ ثبات و استقلال کی تعلیم دے رہا تھا۔ عورتوں سے

حُسنِ سلوک، غریبوں کے حقوق کی نگہداشت، یتیموں کی امداد، غلاموں کی آزادی کی تحریک، شکستہ دلوں کی دلدہی، قرضداروں کی اعانت، مسافروں کی ساتھ حسنِ سلوک، رعایا کی بہتری کی کوشش، غیر مذاہب والوں کے جذبات کا احترام، اخلاقِ فاضلہ کا قیام، عدل و انصاف کا اسباب، غرض دنیا کی ہر ایک نیکی کی تعلیم اور ہر ایک بدی سے بچنے کی ہدایت وہ دے رہا تھا۔ مگر اپنے اور اپنے بیوی بچوں کا ذکر وہ بالکل حذف کر جاتا۔ گویا اُس وقت دنیا اپنی ساری تفاصیل کے ساتھ اُس کے سامنے موجود تھی مگر وہ اور اُس کا گھرانہ بالکل غائب تھے۔ مگر نہیں۔ مَیں غلطی کرتا ہوں وہ کبھی کبھار اپنا ذکر بھی کرتا تھا مگر اس لیے نہیں کہ اپنے مخاطبوں سے اپنی قربانیوں کی داد طلب کرے، اپنی فدائیت کا صلہ مانگے یا اپنے رشتہ داروں کی سفارش کرے۔ نہیں! بلکہ اِس کے بالکل مخالف وہ کبھی کبھی بات کرتے کرتے رک جاتا اور اُس کے چہرہ پر انتہائی کرب و اضطراب کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُس کے دل سے ایک آہ نکلتی تھی۔ ایسی آہ جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولتا اور اُس کی آواز جذباتِ غم کا ایک ایسا ہیجان ظاہر کرتی جس کے مقابلہ میں سمندر کے تلاطم بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ مضطربانہ طور پر کہتا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ اُنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔ ان فقروں کے بولتے وقت اُس کی کیفیت عجیب ہوتی تھی۔ وہ حسرت و غم کا مجسمہ بن جاتا اور درد و الم کی تصویر۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی آواز کی ایک ایک لہر کے ساتھ بے تعداد تمنائیں اور التجائیں لپٹی ہوئی ہیں۔ وہ اپنی تمام عمر کی خدمات اور قربانیوں کا آخری بدلہ مانگتا ہے۔ کیا بدلہ؟ یہ کہ اُس کی قبر کو شرک کی جگہ نہ بنا لیا جائے۔ اُس کی آواز غم و الم میں اِس طرح ڈوبی ہوئی نکلتی تھی کہ گویا اُس کی اور اُس کے خاندان کی تمام بہبودی صرف اس سوال کے جواب میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے لیے صرف یہ مانگتا تھا کہ اُسے پیدا کرنے والے کی عزت چھین کر اُسے نہ دی جائے۔ میری جان اُس پر فدا اور میرا دل اُس پر قربان ہو۔ وہ کیسا وفاشعار تھا۔

سامعین! حضورؓ پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

مَیں پھر اپنے مطلب سے دور چلا گیا۔ مَیں کہہ رہا تھا کہ ایک دن وہ اپنے آنے والی جدائی کے برداشت کرنے کے لیے اپنے احباب کو تیار کر رہا تھا اور اپنی پاکیزہ تعلیم کے خوشنما آثار پر پھر ایک دفعہ تکرار کے

خطوط کھینچ کر انہیں جلا دے رہا تھا۔ آخر اس نے سمجھا کہ اُس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ وہ اپنا مقصد پورا کر چکا ہے ۔ اُس وقت اُس کے اصحاب کی کیفیت عجیب تھی۔ اگر کبھی بھی انسان کا گوشت اور پوست جذبات واحساسات کی شکل میں بدل گیا ہے تو اُس وقت اُس کے اصحاب کا یہی حال تھا۔ وہ مجسم احساس بن رہے تھے۔ ان کا گوشت بھی احساس بن رہا تھا اور پوست بھی اور ہڈیاں بھی اور اُن کے اندر کا گودا بھی۔ وہ مغز بن گئے تھے بغیر چھلکے کے اور خوشبو بن گئے تھے بغیر پتیوں کے ۔ وہ نفوس قدسیہ تھے جو مادہ کی حد بندی کو توڑ چکے تھے اور بلند پرواز طائر تھے جو زمین کی کثافتوں سے بالا ہو چکے تھے۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھا اور کہا کہ مَیں بھی ایک انسان ہوں جس طرح تم انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ تم سے معاملات پیش آتے رہتے تھے۔ بالکل ممکن ہے کہ کبھی میرے ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت پہنچی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن خدائے قادر کے سامنے مجھے جوابدہ ہونا پڑے۔ بس جس کو میرے ہاتھ سے کوئی اذیت پہنچی ہو وہ آج مجھ سے بدلہ لے لے۔

یہ فقرے گویا اُس کے اصحاب کی کمر توڑنے کے لیے آخری تنکا تھے۔ اُن کے دل پگھل گئے اور آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح برس پڑیں۔ اُن کا پیار جس نے اپنی عمر دنیا کو اذیت سے بچانے کے لیے اور غلامی سے چھڑانے کے لیے خرچ کر دی وہ اور اُس کے ہاتھ سے کسی کو اذیت پہنچی ہو۔ وہ اور اُس سے کوئی شخص بدلہ لینے کا خیال کرے۔ اگر چاند تک بچہ کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے یا اگر انسانی آنکھ عالم کی انتہا تک پہنچ سکتی ہے تو بے شک اس سر تا پا نور کا بھی عیب کسی کو نظر آ سکتا ہے مگر جب یہ حقیقت یہ ہے کہ چاند میں داغ ہیں مگر اس مطہر وجود کی زندگی داغوں سے پاک ہے تو پھر اس سے بدلہ لینے کے معنی ہی کیا ہوئے؟ سورج چمک رہا تھا مگر اس کی شعائیں دھندلی نظر آنے لگ گئیں۔ ہوائیں چل رہی تھیں مگر اُن پر ایک سکوت کا سا عالَم طاری ہو گیا۔ درخت ہل رہے تھے مگر ایسا معلوم دینے لگا کہ گویا وہ ٹھہر گئے ہیں۔ پرندے گا رہے تھے مگر ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ان کے گانے میں خاموشی کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ سب لوگ محوِ حیرت ہی تھے کہ ایک شخص بولا۔ حضور! ایک جنگ کے موقع پر آپ صف بندی کر رہے تھے کہ ایک صف سے گزر کر آپ کو آگے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ جس وقت صف کو چیر کر آگے گئے تو آپ کی کہنی میری پیٹھ کو لگی۔

ہر ایک جو محبت و عشق کا مزا جانتا ہے سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت مجلس کا کیا حال ہو گیا ہو گا۔ تمام حاضرین پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کئی منچلوں کی تلواریں میانوں سے نکل نکل پڑتی تھیں۔ آنکھیں شرر تھیں مگر دم مارنے کا یارانہ تھا۔ ہونٹ پھڑ پھڑاتے تھے مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔ دماغ پر جوش و غضب کا تسلط ہو رہا تھا مگر اظہار کی جرات نہ تھی۔ سورج اُسی طرح چمک رہا تھا مگر محبت کی آنکھ سے دیکھنے والوں کو یوں نظر آیا جیسے اُس کی شعائیں تیز ہو گئی ہیں اور اُس کی دھوپ سرخ ہو رہی ہے اور دنیا کو جلانے کے لیے تیار ہے۔ ہوائیں اُسی طرح چل رہی تھیں مگر یوں معلوم دینے لگا گویا اُن کی رفتار میں تیزی پیدا ہو گئی ہے اور وہ دنیا کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ درخت اُسی طرح ہل رہے تھے مگر نظر یوں آتا تھا کہ گویا وہ ابھی زمین سے اُکھڑ کر جا پڑیں گے۔ پرندے ویسی ہی میٹھی آواز سے گا رہے تھے مگر محبت کے کان ایک پھاڑ دینے والا شور سن رہے تھے جو دوزخ کی چیخ کے مشابہ تھا۔ غرض سب مجلس میں کیا متکلم اور کیا سامع سب کے دلوں میں ایک ہیجان برپا تھا اور ہر ایک کی قلبی کیفیت کے متعلق مطابق عالَم میں بھی ایک تغیّر نظر آرہا تھا۔ مگر ایک شخص اُن سب ہیجانوں سے بالا تھا اور وہ وہی بزرگ نفس انسان تھا جس نے ہر اُس شخص کو بدلہ لینے کی دعوت دی تھی جسے اُس کے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچا ہو۔ اُس نے نہایت متانت اور خوشی سے جواب دیا کہ میں بیٹھا ہوں میری پیٹھ پر کہنی مار لو۔ حاضرینِ مجلس کے دماغ جوشِ غضب سے اُبل رہے تھے مگر وہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ یقیناً خدا کے فرشتے اُس وقت خدا کی حمد گا رہے تھے جس نے اُس رسول کو پیدا کیا تھا۔ وہ شخص جس نے بدلہ کا مطالبہ کیا اُٹھا اور اُس نے کہا کہ جناب! جس وقت مجھے آپ کی کہنی لگی تھی اس وقت میرا جسم ننگا تھا پس بدلہ پورا نہیں ہو سکتا جب تک آپ کے جسم پر سے کُرتا نہ اتارا جائے۔ اُس بزرگ نے فوراً اپنی پیٹھ پر سے کُرتا اونچا کر دیا کہ لو اب کہنی مارو۔

اُس وقت لوگوں کے دلوں کی حرکت بند ہو گئی اور دنیا ایک عالَمِ خموشاں نظر آنے لگی۔ ہر ایک شخص حیران تھا کہ وہ شخص جو بدلہ کے لیے آمادہ تھا کیا دیوانہ ہے؟۔ اگر اُس بزرگ کا ڈر نہ ہوتا تو اُس وقت اُس شخص کی ایک بوٹی بھی نظر نہ آتی۔ مگر اُس کے ثبات میں بھی کچھ فرق نہ آیا۔ اُس نے لوگوں کے غصے کی بھی پرواہ نہ کی۔ وہ اُٹھ کے اُس بزرگ کے پاس آیا اور پیٹھ کی طرف جھکا۔ اُس کے چہرے کے اعصاب اُس وقت پھڑک رہے تھے۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کے نتھنے پھول رہے تھے۔ وہ نیچے جھکا اور

اُس بزرگ کی ننگی پیٹھ کو ادب سے اپنے ہونٹوں سے چھوا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور خدا کی حمد بجالاتا ہوا وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ آنسو جذبہ عشق کے آنسو تھے۔ اُس نے کہا حضور! کجا بدلہ اور کجا یہ خادم! جس وقت حضور سے معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آ پہنچا ہے جس کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو مَیں نے چاہا کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مَس کر لیں جسے خدا تعالیٰ نے برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ پس مَیں نے اس کہنی کو اپنے مقصد کے پورا کرنے کا ذریعہ بنایا جس کا لگنا اُس وقت بھی میرے لیے موجب فخر تھا اور آج بھی۔ جماعت پر سے حیرت دور ہو گئی۔ تعجب کی سختی جاتی رہی اور دل پھر نرمی سے حرکت کرنے لگے۔ کئی دماغ جو پہلے غصے کے خیالات سے لبریز تھے اب رشک کے جذبہ سے معمور ہو گئے۔ سورج ابھی بھی چمک رہا تھا مگر اس کی روشنی بہت خوبصورتی اور محبت کی بجلی سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں مگر اب ان میں دیارِ محبت کی خوشبو ملی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ درخت اب بھی ہل رہے تھے مگر اب ان کی حرکات خوشی کے ناچ کے مشابہ لگتی تھیں۔ پرندے ابھی بھی گا رہے تھے مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ حمد و ثنا کے گیت گا رہے ہیں۔ مجلس میں افسردگی کے باوجود خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ اس کا سبب جذبہ عشق کا وہ مظاہرہ تھا جو اوپر بیان ہوا ہے۔ اُس بزرگ کے ہونٹوں پر اسی طرح مسکراہٹ تھی اور مسکراہٹ کے پیچھے ایک بار الم و غم تھا۔

یہ بزرگ میرا محمدؐ تھا اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے۔

(ماہنامہ مصباح فروری 2011ء، الفرقان سیرت نمبر جنوری 1957ء صفحہ 9-13)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿43﴾ ﴿مشاہدات۔512﴾

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہؓ سے محبت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(التوبہ:128)

اے مومنو! تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے۔ تمہارا تکلیف میں پڑنا اُس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمہارے لیے خیر کا بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ محبت کرنے والا اور بہت ہی کرم کرنے والا ہے۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

(مولانا جامی)

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے محبت"

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ رحمت اللعالمین تھے۔ آپؐ کا وجود سراپا رحمت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تمام مخلوق سے محبت تھی۔ آپ کو خالقِ باری نے دل ہی ایسا دیا تھا کہ جس میں محبت کے زمزمے رواں دواں رہتے تھے۔ اپنے اہل و عیال سے محبت اور حسنِ سلوک کو آپ نے اہل ایمان کی اعلیٰ ترین اخلاقی خوبی قرار دیا ہے۔ آپ اس معاملے میں سب انسانوں سے ممتاز

تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آقا و مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آں ترحم ہا کہ خلق از وے بدید
کس ندیدہ در جہاں از مادرے

کہ رحمت و شفقت کا جو سلوک ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق سے کیا وہ اتنا عظیم اور اتنا شاندار رہے کہ دنیا میں کبھی کسی ماں نے بھی ویسی محبت و شفقت اپنے بچوں کو عطا نہ کی ہو گی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق نہیں کرتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے صحابہؓ کے ساتھ ایسی اپنائیت، محبت اور وابستگی تھی کہ ہر صحابی سمجھتا تھا کہ آپؐ کو سب سے زیادہ محبت میرے ساتھ ہے۔ آپؐ کا کمال ہے کہ آپؐ نے ہر صحابی کو ایسا اعزاز بخشا کہ جس میں دوسرے اس کے ثانی نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت کے فیضان سے کوئی بھی محروم نہ رہا۔ اس محبت سے چھوٹے بڑے، عورتیں، مرد، بزرگ، بچے، غلام، امیر، غریب سبھی فیضیاب ہوئے۔ دن کو بھی اُن پر آپؐ کی شفقت و محبت کا سلسلہ جاری رہا اور رات کو بھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ سے محبت کے بے شمار واقعات ہمیں تاریخ اسلام سے ملتے ہیں لیکن وقت کی مناسبت سے اُن میں سے چند ایک خدمت میں پیش ہیں۔

سامعین! یہ بالکل درست اور بدیہی بات ہے کہ سب سے زیادہ محبت تو یارِ غار حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی کے ساتھ تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپؐ کو اپنے اصحاب میں سے سب سے زیادہ پیارے کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکرؓ، حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا عمرؓ، آپؐ نے پھر پوچھا اُن کے بعد کون؟ آپؐ نے فرمایا ابو عبیدہ بن الجراحؓ۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر جز 4 صفحہ 102 بیروت)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ ہجرتِ مدینہ کے دوران رکھنا، غار ثور میں حضرت ابو بکرؓ کے پاؤں پر سانپ کا کاٹنا، آپؓ کا وہ تکلیف سہنا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آپؓ کے زخم پر

اپنا لعاب مبارک لگانا، خانہ کعبہ میں دشمنوں کے ہاتھوں اُن کو تکلیف دیئے جانے پر آپؐ کا اظہارِ تشویش کرنا ہمیشہ اُن سے مشورہ لینا اور اُن کو اپنے ساتھ رکھنا یہ سب کچھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابو بکرؓ سے محبت کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خداداد استعداوں کے باعث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ آپؓ کا اسلام قبول کرنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے لیے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگ ہوتے تھے جن سے خدا کلام کرتا تھا مگر وہ نبی نہیں تھے۔ میری اُمّت میں بھی ایک ایسا فرد عمرؓ ہے۔

(بخاری کتاب المناقب باب مناقب عمر)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ فوت ہوئیں تو ان کے خاوند حضرت عثمانؓ بہت مغموم نظر آنے لگے۔ دامادی کے رشتہ کا انقطاع آپ کے دل پر بھاری بوجھ بن گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کے غم کو خوب محسوس کیا اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے اپنی دوسری بیٹی حضرت اُم کلثومؓ کا اُن سے نکاح کر دیا۔ تقدیر الٰہی سے حضرت اُم کلثوم بھی جلد فوت ہو گئیں تو آپ نے بڑی شفقت اور محبت سے حضرت عثمان کو فرمایا:

”اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو اے عثمان! میں وہ بھی تجھ سے بیاہ دیتا۔“

(ابن اسیر جز3 صفحہ 376)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایسے ظاہر ہوتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جسے میرے ساتھ محبت کا تعلق ہے اسے علی سے بھی محبت کا تعلق رکھنا ہو گا۔

(ترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی)

پھر ایک جگہ فرمایا کہ علی کا میرے ساتھ ایسا تعلق ہے جیسے ہارونؑ کا موسیٰؑ سے۔

(بخاری کتاب المغازی)

حضرت علیؓ جنہیں بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا اعزاز حاصل ہے اِس محبت و الفت کی کیفیت کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچتے ہیں کہ مَیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے یوں رہتا تھا جس طرح

اُونٹنی کا بچہ اُونٹنی کے پیچھے پیچھے رہتا ہے اور اُس سے جدا نہیں ہوتا۔ بچوں کی یہ کیفیت، یہ کشش اور والہانہ محبت اُس بے پایاں شفقت کا طبعی نتیجہ تھی جس کا اظہار صبح وشام ہوتا تھا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ بچوں سے محبت و شفقت کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ آپ کا طریق مبارک یہ تھا کہ بچوں کے پاس سے گزرتے تو خود اُن کو سلام کرتے۔ ان کے سروں پر پیار سے ہاتھ رکھتے، ان کو محبت سے گود میں اُٹھا لیتے، جب کوئی پھل آتا تو سب سے پہلے اس بچہ کو دیتے جو عمر میں سب سے چھوٹا ہوتا۔ اِسی محبت کا کرشمہ تھا کہ بچے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِس طرح کھنچے چلے آتے تھے جس طرح لوہے کے ذرے مقناطیس سے چمٹ جاتے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ بچوں کا یہ شفیق آقا، دین و دنیا کا بادشاہ، جب گلیوں میں پیدل چلتا یا کہیں سفر پر جانے لگتا یا سفر سے واپس آتا تو مٹی میں کھیلتے ہوئے بچے وفورِ محبت سے آپ کی ٹانگوں سے لپٹ جاتے۔ پیارے آقا کی انگلی تھام کر بچے بڑی بے تکلفی سے ساتھ چلتے۔ حضورؐ ایک ایک سے محبت بھری گفتگو فرماتے اور سب کو اپنی دُعاؤں سے نوازتے۔

حضرت انسؓ وہ خوش قسمت بچے ہیں جنہیں دس سال تک درِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی دربانی کی سعادت ملی۔ دنیا کی نظر میں وہ ایک خادم تھے لیکن رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ سلوک دیکھیے! حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دس سال کے طویل عرصہ میں ایک بار بھی آپ نے مجھے اُف تک نہ کہا۔ نہ یہ کہا کہ یہ کام کیوں کیا، اور یہ کام کیوں نہیں کیا، کام خراب بھی ہو جاتا تو کبھی بُرا بھلا نہ کہتے، بلکہ مجھے تسلی دیتے اور پیار سے سمجھا دیتے، کبھی سخت کلامی سے پیش نہ آتے اور اکثر کاموں کی سر انجام دہی میں خود بھی میرے ساتھ شریک ہو جاتے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ کئی بار ایسا ہوتا کہ حضور مجھے کسی کام پر بھیجتے اور میں بچپن کی وجہ سے راستہ میں دوسرے بچوں سے کھیل میں مصروف ہو جاتا اور وہ کام بھول جاتا۔ کافی دیر تک میں واپس نہ پہنچتا تو حضور خود تشریف لاتے۔ بجائے کوئی سرزنش کرنے کے، آپ پیچھے سے آکر بڑی بے تکلفی سے میرا کان یا سر پکڑ لیتے۔ میں عرض کرتا کہ حضور میں ابھی جاتا ہوں، تو بڑی شفقت اور محبت سے مجھے چھوڑ دیتے اور میں کام پر روانہ ہو جاتا۔ یہ وسعت، یہ حوصلہ، یہ شفقت، یہ عفو۔ کوئی دکھائے کہ

اِس کی نظیر آج دنیا میں کہاں نظر آتی ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ وَاللہ مَاضَرَبَ رَسُولُ اللہ خَادِمًا۔ کہ اللہ کی قسم! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو نہ مارا نہ کوئی جسمانی سزا دی۔

سامعین! حضرت جعفرؓ بن ابی طالب آپؐ کے محبوب و مشفق چچا ابو طالب کے بیٹے تھے۔ آپؐ کے حکم سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے اور مہاجرین حبشہ نے ان کو اپنا متفقہ امیر و ترجمان بنالیا۔ نجاشی کے دربار میں انہوں نے ہی اسلام کی ترجمانی کی تھی جس سے متاثر ہو کر شاہِ حبشہ نے دراصل اسی وقت دل سے اسلام قبول کر لیا تھا اگرچہ اس کا اظہار بعد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملنے پر کیا۔ حضرت جعفرؓ چودہ سال حبشہ میں بسر کرنے کے بعد اس وقت واپس مدینہ آئے جب نبیؐ کریمؐ خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ طویل سفر کے باوجود حضرت جعفرؓ خیبر روانہ ہو گئے اور وہیں جا کر آپؐ سے ملاقات کی۔ آپؐ نے حضرت جعفرؓ کو دیکھا تو بے ساختہ ان کی طرف بڑھے، ان کو گلے لگالیا اور ان کا ماتھا چوما۔ اپنے چچازاد بھائی کو دیکھ کر آپؐ انتہائی خوش تھے۔ آپؐ نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ خیبر کے قلعوں کی شاندار فتح پر میرا دل زیادہ شاداں و فرحاں ہے یا جعفرؓ کی آمد اور ملاقات کی خوشی اس سے زائد ہے۔ امام شعبی تابعیؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے جعفرؓ بن ابی طالب کا استقبال کیا تو آپؐ ان سے لپٹ گئے اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔

(سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

غزوۂ احد میں جب فتح شکست میں بدلتی نظر آئی اور اسلامی فوج میں انتشار پیدا ہوا تو آپؐ کے گرد چند صحابہ نے حصار بنالیا۔ آپؐ میدان میں ڈٹے رہے۔

حضورؐ اس وقت صحابہؓ سے فرما رہے تھے کہ وہ بھگدڑ کا مظاہرہ نہ کرو۔ آپؐ میدان میں جم کر کھڑے تھے اور بلند آواز سے فرما رہے تھے ''اِلَیَّ عِبَادَ اللہ''۔ یعنی اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ اس وقت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے حواس کو مکمل برقرار رکھا۔ نہ گھبراہٹ نہ خوف، نہ پاؤں میں لغزش، نہ ہاتھوں میں رعشہ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو کر آپؐ کے لیے ڈھال بن گئے اور دشمن پر بڑی مہارت و جرأت سے تیر بھی چلاتے رہے۔ حضورؐ خود اپنے دست مبارک سے اپنے جان نثار کو تیر پکڑا رہے تھے اور کوئی ایک تیر بھی خطا نہیں ہو رہا تھا۔ وہی موقع تھا جب نبیؐ رحمتؐ نے حضرت سعدؓ کو وہ تمغہ

عطا فرمایا جس کی نظیر پوری جماعت صحابہ میں نہیں ملتی۔ آپؐ فرما رہے تھے "سعد دشمن پر تیر چلاتے جاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان" ساتھ ہی آپؐ نے حضرت سعدؓ کے لیے دعا کی کہ اے اللہ! سعد کی تیر اندازی میں قوت اور نشانے میں اصابت عطا فرما، اور سعد کی دعاؤں کو قبول فرما۔

(جامع ترمذی بروایت حضرت علیؓ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں آپؐ کی محبت کا اظہار تھا اور آپؐ کی دعا کا اثر تھا کہ حضرت سعدؓ دنیا کے بہترین جرنیل اور تاریخ انسانی کے عظیم ترین فاتح ثابت ہوئے۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے محبت فتح مکہ کے وقت ہمیں نظر آتی ہے جو کہ فتح کا دن تھا چاہتے تو دشمنوں سے انتقام بھی لے سکتے تھے لیکن سب کو معاف فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے صحابہ سے محبت و شفقت کے اظہار بھی کیا۔ آپؐ نے اعلان فرمایا کہ اے دشمنانِ اسلام! جس حبشی غلام پر تم لوگوں نے لمبا عرصہ ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا مگر تم اُس کی صدائے احد احد کو خاموش نہ کر سکے، سنو! آج جو شخص اِس بلال کے جھنڈے کے نیچے آ جائے گا اُسے امن عطا کیا جائے گا۔ سبحان اللہ! کیا ایک حبشی مؤذن سے محبت ہے اور اس کی عزت و تکریم کا اظہار ہے۔ سوچیں اُس وقت حضرت بلالؓ کے دل کی کیا حالت ہوئی ہو گی۔ آج اگر کوئی ہمارا بزرگ ہماری تھوڑی سی تعریف کر دیتا ہے تو ہم خوشی سے پھولے نہیں سماتے وہ تو آقا دو جہاںؐ کی محبت بھری تعریف تھی۔

سامعین کرام! جب آپؐ اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ پر مکّہ والوں کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان جاں نثاروں کا دُکھ نہ دیکھا جاتا۔ آپ کو اُن کے حالات کا علم ہوتا تو فرطِ جذباتِ محبت سے آبدیدہ ہو جاتے اُنہیں جنت کی بشارت دیتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ جب معاملہ حد سے آگے گزر گیا تو مشفق و مہربان آقا نے صحابہ کو اجازت دی کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں اُنہیں مصائب سے امن نصیب ہو گا۔ خود بدستور مکّہ میں رہے۔ بادشاہِ حبشہ نے اُن مسلمان مہاجرین سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اس نیک سلوک کی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اتنی قدر تھی کہ چند سال بعد حبشہ سے ایک وفد آیا تو آپ بذاتِ خود اُن کی خدمت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ صحابہ نے بار بار عرض کیا کہ ہم آپ کی طرف سے خدمت کے لیے حاضر ہیں لیکن آپؐ نے فرمایا کہ مَیں خود اُن کی خدمت کرنا چاہتا ہوں

کیونکہ جب ظلموں کے ستائے ہوئے میرے پیارے صحابہ اُس ملک میں گئے تھے تو اِن لوگوں نے اُن کا بہت اکرام کیا تھا۔

جب حضرت عمارؓ بن یاسرؓ دشمنوں کے ہاتھوں شدید مصائب کا نشانہ بنائے گئے تو ایک دفعہ اِس حالت میں دربار نبوی میں حاضر ہوئے کہ مصائب کے بوجھ سے بُری طرح ہلکان ہو چکے تھے۔ آپؓ نے بڑے درد سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! لوگوں نے مجھے مار ڈالا ہے۔ مجھ پر اتنا بوجھ لاد دیتے ہیں جس کے اُٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں ہوتی۔ آپؓ کی حالتِ زار دیکھ کر اور اس کا ذکر سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو رواں ہو گئے۔ حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سر کے بالوں کو اپنے دستِ مبارک سے درست کر رہے تھے اور لوگوں سے فرمارہے تھے کہ عمار مجھے اِس قدر عزیز اور پیارا ہے کہ گویا میری آنکھوں اور ناک کے درمیان کا چمڑا ہے۔

سامعین! ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے تو دیکھا کہ آپؐ کا ایک بدوی صحابی زاہرؓ محنت مزدوری کر رہا ہے۔ ایک تو شکل کچھ ایسی اچھی نہ تھی دوسرے گرد و غبار اور پسینہ کی وجہ سے اور بھی بد نما دکھائی دے رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے دوست کو دیکھا تو قلبی محبت بھڑک اٹھی۔ آپ نے دبے پاؤں قریب جا کر پیچھے سے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ زاہر حیرت میں گم ہو گیا کہ مجھ غریب، بے کس اور بد صورت سے اِس انداز میں اظہار محبت کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ پھر خود ہی خیال آیا کہ رحمتِ دو عالم، محمد عربی کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ ہاتھوں کو چھوا تو اس بات کا یقین ہو گیا۔ زاہرؓ نے موقع غنیمت جان کر اپنا خاک آلود جسم آپ کے جسم مبارک سے ملنا شروع کر دیا۔ زاہر کا یہ اندازِ محبت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے۔

صحابہ کرام سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کے دل میں صحابہ کرام کے لیے سچی ہمدردی اور محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ہر آن اِس بات کے خواہش مند رہتے کہ میرے صحابہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اِس کے لیے دعا بھی کرتے اور ہر ممکن کوشش بھی جیسا کہ خاکسار نے ابتدا میں قرآن کریم سورہ توبہ کی آیت کی تلاوت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا کہ ”تمہارا تکلیف میں پڑنا اُس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمہارے لیے خیر کا بھوکا ہے“۔

اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''جذب اور عقدِ ہمت ایک انسان کو اُس وقت دیا جاتا ہے جب وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آ جاتا ہے اور ظلّ اللہ بنتا ہے۔ پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لئے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کُل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لئے آپؐ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ یعنی یہ رسول تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا، وہ اس پر سخت گراں ہے اور اُسے ہر وقت اِس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں''۔

(الحکم جلد 6 نمبر 26 صفحہ 6 مورخہ 24؍جولائی 1902ء)

حدیث میں آتا ہے کہ جس روز آندھی یا آسمان پر بادل ہوتے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر فکر کے آثار نمایاں ہو جاتے اور آپ بڑی بے تابی میں کبھی ایک طرف جاتے اور کبھی دوسری طرف۔ جب بارش ہو جاتی تو آپ خوش ہو جاتے اور حالتِ فکر تسکین میں بدل جاتی۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے آپ سے اِس کا سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بادل دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے کہ مبادا قومِ عاد کی طرح یہ کوئی عذاب ہو جو میری اُمت پر مسلط کیا گیا ہو۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ سے محبت کا ایک مشہور واقعہ پیش خدمت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ کئی دن فاقہ سے رہے جب سات وقت فاقہ سے گزر گئے تو بے تاب ہو کر مسجد نبوی کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر گزرنے والے صحابہ سے اُس آیت کا مطلب پوچھنے لگے جس میں غریبوں کو کھانا کھلانے کا حکم ہے۔ یعنی کھانا مانگا نہیں صرف اس خیال سے آیت پڑھی کہ شائد کسی کو احساس ہو لیکن کوئی اُن کا منشاء نہ سمجھ سکا۔ جب آپؓ کی حالت انتہائی غیر ہو گئی اور بھوک سے نڈھال ہو کر گرنے لگے تو اچانک کانوں میں ایک محبت بھری آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو سراپا رحمت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے تھے۔ آپؐ نے بڑے پیار سے فرمایا کہ ہمارے گھر میں بھی آج کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ابھی ایک شخص دودھ کا ایک پیالہ لایا ہے۔ تم مسجد میں جاؤ اور دیکھو! شاید ہماری طرح کئی اور مسلمان بھی بھوکے ہوں گے۔ اُن سب کو بلا لاؤ۔ چنانچہ تعمیلِ ارشاد میں حضرت ابوہریرہؓ

سب لوگوں کو بلا لائے۔ پیارے آقاؐ نے دودھ کا پیالہ دائیں طرف سے شروع کرتے ہوئے اُن سب کو باری باری دیا۔ سب نے سیر ہو کر پیا۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ کی باری آئی۔ اُنہوں نے بھی خوب سیر ہو کر پیا اور جب بھوک اور پیاس کے ستائے ہوئے سب جاں نثار صحابہ نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پی لیا تو سب سے آخر میں جس کی باری آئی وہ ہمارے پیارے آقا خدا کے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک نہایت خوبصورت چادر آپ کو تحفۃً پیش کی۔ آپ کو اُس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے شکریہ سے قبول فرمالی۔ وہی چادر پہنے گھر سے باہر تشریف لائے تو ایک صحابی نے کہا: ”یارسولَ اللہ! یہ کیسی عمدہ چادر ہے!“ آپ بہترین مزاج شناس تھے۔ آپ نے اُس صحابی کی ضرورت کا خیال فرماتے ہوئے فوراً وہ نئی چادر اُسی وقت اُس صحابی کو عطا فرمادی۔

حضرت زید بہت چھوٹی عمر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حاصل کیا۔ آئے تو غلام تھے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد کر کے اپنا مُنہ بولا بیٹا بنالیا۔ آپ کے محبت بھرے سلوک اور بے پناہ شفقت کی وجہ سے واقعی وہ اپنے حقیقی ماں باپ کے پیار کو بھول گئے۔ جب حضرت زیدؓ کے والدین اور رشتہ دار اُن کو لینے آئے تو رسول پاکؐ نے بڑی خوشی سے جانے کی اجازت دے دی لیکن حضرت زید نے جانے سے انکار کر دیا۔ والدین کے اصرار کے باوجود ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوئے۔ حبیبِ خدا کی محبت و شفقت کے سلوک نے آپ کو ایسا گرویدہ کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کو والدین کے پیار پر فوقیت دے دی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شہداء کے بچوں سے محبت کے اظہار کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت بِشْرؓ کے والد حضرت عَقْرَبَہؓ کا ذکر جنگِ اُحد کے شہداء میں بیان ہوا ہے۔ بعض نے حضرت بِشْرؓ کا نام بشیر بھی بیان کیا ہے۔ جب عَقْرَبَہؓ شہید ہو گئے تو ان کے بیٹے بِشر ان کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو آپؐ نے فرمایا۔ اُسْکُتْ ،اَمَا تَرْضٰی اَنْ اَکُوْنَ اَنَا أَبُوْكَ وَعَاٸِشَةُ اُمُّكَ۔ چپ ہو جاؤ، کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ میں تمہارا باپ بن جاتا ہوں اور عائشہ تمہاری ماں بن جاتی ہے۔ بِشر نے کہا کیوں نہیں میں بالکل راضی ہوں۔ ان کا پرانا نام بَحِیْر تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بشیر رکھ دیا۔ اور ان کی زبان میں لکنت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ پر دم کیا تو لکنت جاتی رہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دستِ مبارک بھی پھیرا۔ جب وہ عمر رسیدہ ہو گئے تو سارا سر سفید ہو گیا مگر جس جگہ آپؐ نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا اس جگہ کے بال بدستور کالے ہی رہے۔

(ماخوذ از اسد الغابہ جلد 1 صفحہ 388 دار الکتب العلمیہ بیروت)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں فرمایا کہ أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ

(الاحکام لابن حزم 6/44)

یعنی میرے صحابہ رضوان اللہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس بھی جلیل القدر صحابی کے نمونہ پر چلو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں میں اپنے پیارے نبیؐ کی وہی محبت موجزن کر دے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں میں تھی۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿44﴾ ﴿مشاہدات۔192﴾

صحابہ رسول رِضوانُ اللہ علیہم کا تعلق باللہ اور ذوق عبادت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۖۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح:30)

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کفار کے مقابل پر بہت سخت ہیں (اور) آپس میں بے انتہا رحم کرنے والے۔ تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔ یہ اُن کی مثال ہے جو تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کی مثال ایک کھیتی کی طرح ہے جو اپنی کونپل نکالے پھر اُسے مضبوط کرے پھر وہ موٹی ہو جائے اور اپنے ڈنٹھل پر کھڑی ہو جائے، کاشتکاروں کو خوش کر دے تا کہ ان کی وجہ سے کفار کو غیظ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے اُن سے، جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

تَرَکُوا الغَبُوْقَ وَبَدَّلُوْا مِنْ ذَوْقِهٖ
ذَوْقَ الدُّعَاءِ بِلَیْلَةِ الْاَحْزَانِ

انہوں نے شام کو پی جانے والی شراب چھوڑ دی اور اس کی لذت کو غم کی راتوں میں دعا کی لذت سے بدل دیا۔

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **صحابہ رسول رِضوانُ اللہ علیہم کا تعلق باللہ اور ذوق عبادت**

سورت الفتح کی جس آیت کی مَیں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کہہ کر اُن فضائل اور مناقب کی صحابہؓ کے اندر سرایت کرنے کا ذکر فرمایا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے جن کی بِنا پر وہ کَانَ خُلُقُہٗ الْقُرْآن کہلائے۔ جن میں سے ایک صفَت عنوانِ بالا تعلق باللہ اور ذوقِ عِبادت سے متعلقہ ہے۔ جو اِس آیت کے الفاظ تَرٰھُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ میں بیان ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ (اے محمدؐ) تو اُنہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے دیکھے گا۔ وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے اُن کے چہروں پر اُن کی نشانی ہے۔

مجھے آج اِسی آیت کی روشنی میں صحابہ کرام کا تعلق باللہ اور اُن کا ذوقِ عبادت بیان کرنا ہے۔ احادیث میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔ پس آپؐ کو اپنی رسالت سے سرفراز فرمایا۔ یہ انتخاب اللہ نے اپنے علم کی بنا پر کیا۔ آپؐ کے انتخاب کے بعد پھر لوگوں پر اللہ نے نگاہ ڈالی تو بہترین عباد کو صحابہ کے طور پر منتخب فرمایا اور اِن کو دینِ محمدؐ کے انصار اور اپنے نبی کے وزراء بنا دیا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا۔ وہ صحابی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تو اپنی قراءت کو **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** پر ختم کرتے۔ جب وہ لوگ واپس لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ اُن سے دریافت کریں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ صحابہؓ کے دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''اَحَد'' کا ذکر ہے اور مَیں اس کے پڑھنے کو محبوب رکھتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو بتا دو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو محبوب جانتا ہے۔

سامعین! جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہ کرام پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کے دلوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ ان کا محبوب آقا جدا ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ تلوار لہرا کر کہنے لگے کہ جو یہ کہے

گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں مَیں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ ایسے میں سیدنا حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھا اور باہر تشریف لائے اور صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمدؐ فوت ہو چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی کہ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

(آل عمران:145)

جس توحید کے قیام کی خاطر رسول اللہؐ تشریف لائے تھے اور اس راہ میں بیشمار دکھ و مصائب برداشت کئے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے توحید کا ہی درس دیا۔

سامعین! صحابہ کرامؓ نے توحید باری تعالیٰ کی خاطر المناک مشکلات کو برداشت کیا۔ اس راہ میں جانیں قربان کیں۔ تپتی گرم ریت اور پتھروں پر گھسیٹا گیا۔ الٹا لٹکا کر نیچے آگ جلا دی گئی۔ لوہے کی زرہیں پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا۔ بھوک اور پیاس کی اذیتیں دی گئیں۔ شِیر خوار بچوں کو دودھ سے محروم کیا گیا۔ سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔ اموال اور جائیدادیں چھین لی گئیں۔ ماں باپ نے مسلمان بچوں سے جدائی اختیار کر لی۔ وطن سے بے وطن کر دیا گیا۔ حاملہ عورتوں کے حمل گرا دیئے گئے۔ عبادت گاہیں گرا دی گئیں۔ غرضیکہ روزانہ نئے ظلم و ستم ایجاد کئے گئے۔ ہر رات نے ظلم تراشے۔ صبح و شام کو مصائب و آلام کی چکیوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ زندگی ہر گھڑی موت کا الارم سناتی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے یہ سب دکھ مصائب اور تکالیف ربِ ذوالجلال کی خاطر خندہ پیشانی سے قبول کئے اور توحید کے عَلَم کو بلند سے بلند تر کرتے چلے گئے۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان شاندار قربانیوں کو بہت ہی پیار اور محبت کی نظر سے دیکھا اور شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے ان بزرگ ہستیوں کو زندہ جاوید کر دیا۔ جن پر قومیں ابدالآباد تک فخر کرتی رہیں گی۔

ایک دن سرداران قریش نے مسجد حرام کے پاس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال وجواب کرنا شروع کر دیئے پھر پکڑ کر زدوکوب کرنے لگ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے شور وغل سنا اور دوڑے ہوئے آئے اور کہا: تمہارا بُرا ہو۔ اس عظیم انسان سے اس لئے لڑتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور یہ تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور حضرت ابو بکرؓ کو مارنے لگ گئے۔ آپ کی بیٹی حضرت اَسماءؓ کہتی ہیں کہ ابا گھر آئے۔ آپ جب بالوں کی مینڈھی کو ہاتھ لگاتے تو وہ آپ کے ہاتھ میں آجاتی اس پر بھی کوئی شکوہ نہ تھا۔ بلکہ فرماتے رہے۔ تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں بتوں کے پجاریوں کی ایسی کایاپلٹی کہ عبادت الٰہی ان کی محبوب غذا بن گئی۔ بعض صحابہ اس بات کی خاص پابندی کیا کرتے تھے کہ ہر نماز سے قبل نیا وضو کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے بارہ میں کتب احادیث میں یہی لکھا ہے۔

صحابہ کرامؓ سخت سے سخت مصروفیت کی حالت میں بھی جب نماز کا وقت آتا تو تمام کاروبار چھوڑ کر سیدھے مسجد کی طرف ادائیگی نماز کے لئے چلے جاتے۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ صحابہ خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ لیکن فرض نمازوں کو ہر صورت میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار مَیں بازار میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا۔ تمام صحابہ دکانیں بند کر کے مسجد چلے گئے۔ قرآن کریم کی آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ...(النور: 41) انہی کے بارہ میں نازل ہوئی۔ یعنی یہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت، خرید وفروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کو نماز باجماعت ادا کرنے کا اس حد تک شوق تھا کہ بیماری اور تکلیف کے باوجود مسجد میں نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے۔ بعض صحابہؓ دوسروں کا سہارا لے کر مسجد آتے اور نماز باجماعت ادا فرماتے۔

سامعین! ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز کسی کام کی وجہ سے عشاء کی نماز بہت دیر سے پڑھائی اور صحابہؓ انتظار میں بیٹھے رہے۔ بعض کو نیند بھی آگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف لائے اور فرمایا۔ تم لوگ نماز کی انتظار میں تھے گویا نماز ہی پڑھتے رہے۔ یعنی نماز پڑھنے کا ثواب ملتا رہا۔

آئیں! آپ کو ایک اور دلچسپ واقعہ سناؤں۔ ایک دن حضرت ابو طلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک چڑیا اُڑتی ہوئی آئی چونکہ باغ بہت گھنا تھا اور کھجوروں کی شاخیں باہم ملی ہوئی تھیں۔ چڑیا ان میں پھنس گئی اور نکلنے کی راہ ڈھونڈنے لگی۔ ان کو باغ کی شادابی اور اس کی اُچھل کود کا یہ منظر بہت پسند آیا اور اس کو تھوڑی دیر دیکھتے رہے۔ پھر نماز کی طرف توجہ کی تو یہ یاد نہ آیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دل میں کہا کہ اس باغ نے یہ فتنہ پیدا کیا ہے۔ فوراً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد عرض کی کہ اس باغ کو مَیں صدقہ میں دیتا ہوں۔

اسی طرح ایک اور صحابی کے متعلق روایت ہے کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فصل کا زمانہ تھا دیکھا تو کھجوریں پھل سے لدی ہوئی تھیں۔ ان کو دیکھ کر نماز سے توجہ ہٹ گئی اور بھول گئے کہ کس قدر رکعتیں پڑھی ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر سیدنا حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اس باغ کی وجہ سے مَیں فتنہ میں مبتلا ہوا ہوں۔ اس لئے اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں۔

سامعین! سخت سے سخت تکلیف میں بھی صحابہ کرامؓ کی نماز قضا نہیں ہوتی تھی۔ جس دن حضرت عمرؓ کو زخم لگا اسی رات، صبح لوگوں نے نماز فجر کے لئے جگایا تو بولے۔ ہاں! جو شخص نماز چھوڑ دے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے مسلسل خون جاری تھا آپؓ نے نماز پڑھی۔

بزرگ صحابی حضرت خبیبؓ کو جب شہید کیا جانے لگا تو انہوں نے اپنے قاتلوں سے اجازت مانگی کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ بخاری میں روایت ہے کہ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قتل کے وقت دو رکعت ادا کرنے کا طریق جاری کیا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم کہو گے کہ گھبرا کر ایسا کر رہا ہے تو مَیں اور زیادہ خدا سے محو راز و نیاز ہوتا۔ پھر یہ اشعار پڑھتے ہوئے اپنے مولا کے حضور حاضر ہو گئے۔

فَلَسْتُ أُبَالِی حِیْنَ أُقْتَلُ مُسْلِماً

عَلَی أَیِّ جَنْبٍ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصرَعِی

وَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِلعَدُوِ تَخَشُّعاً
وَلَا جِزَعَاً، إِنِّی إِلَی اللّٰہِ مَرْجِعِی

کہ جب مَیں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاؤں تو مَیں پرواہ نہیں کرتا کہ کس پہلو گرتا ہوں۔ اگر خداوند تعالیٰ کو منظور ہوا تو میرے جسم کے ٹکڑوں میں بھی برکت دے دے گا۔

سامعین! اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نماز قضا ہو جاتی تو صحابہ کرام کو اس کا بہت دکھ اور رنج ہوتا۔ غزوہ خندق میں کفار سے برسرپیکار ہونے کے باعث حضرت عمرؓ کی عصر کی نماز قضا ہو گئی تو آپؓ انتہائی رنج میں کفار کو بُرا بھلا کہتے ہوئے آئے اور رسول اللہ کے سامنے اپنے دکھ کا اظہار کیا۔

سامعین! خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کرنے کے جرم میں کفارِ مکہ کی اذیتوں سے مجبور ہو کر سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت لے کر رختِ سفر باندھا تو راستہ میں ابنُ الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا ابو بکر! کہاں کا قصد ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ کسی اَور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے۔ ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے ابو بکرؓ میری امان میں ہیں۔ ایسے شخص کو جلاوطن نہ کرنا چاہئے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے۔ مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا لیکن فرمائش کی ابو بکر کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں لیکن گھر سے باہر نمازیں پڑھنے کی ان کو اجازت نہیں۔ مگر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عبادت الٰہی کے لئے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنالی تھی۔ کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو خبر دی کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر ابو بکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں

چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں۔ لیکن اب وہ اپنے صحن میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بدعقیدہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے تم انہیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آجائیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بَری سمجھیں۔ ابن الدغنہ نے ابو بکر صدیقؓ سے جا کر کہا: تم جانتے ہو کہ مَیں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس لئے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ مَیں نے کسی کے ساتھ بدعہدی کی لیکن حضرت ابو بکرؓ نے نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے تمہاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لئے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ حضرت سلمانؓ، حضرت ابو الدرداءؓ سے ملنے گئے۔ دیکھا تو ام درداء (ان کی بیوی) میلی کچیلی ہیں انہوں نے حال پوچھا تو کہا تمہارا بھائی ابو الدرداء تارک الدنیا ہو گیا ہے اتنے میں ابو الدرداء بھی آئے اور سلمان کے لئے کھانا تیار کیا اور کہنے لگے تم کھاؤ۔ مَیں روزے سے ہوں۔ سلمان نے کہا جب تک تم نہ کھاؤ گے مَیں نہیں کھاؤں گا۔ خیر! ابو الدرداء نے کھا لیا جب رات ہوئی تو ابو الدرداء عبادت کے لئے اٹھے سلمان نے کہا سو جاؤ وہ سو گئے پھر اٹھنے لگے تو کہا سو جاؤ جب رات آخر ہوئی تو سلمان نے کہا اب اٹھو! پھر دونوں نے نماز پڑھی تو حضرت سلمانؓ نے ان کو سمجھایا۔ بھائی دیکھو! اللہ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا بھی اور تمہاری بیوی کا بھی اور ہر ایک کا حق ادا کرو۔ یہ سن کر ابو الدرداء آنحضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے یہ سب واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا۔

حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ (الطور: 8-9) تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اور اس کو کوئی دُور کرنے والا نہیں تو بہت متاثر ہوئے۔ رقت طاری ہو گئی اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ تلاوت کرتے ہوئے آپ پر اس قدر خشوع طاری ہوا کہ اگر ان کے حال سے ناواقف شخص انہیں دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ آپ کی روح ابھی اسی حالت میں پرواز کر جائے گی۔

حضرت عمرؓ نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر ہوتا یا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہوتا اور خشوع و خضوع اور رقّت کی وجہ سے آنسو رواں ہو جاتے۔ حضرت عبد اللہ بن شدادؓ کا بیان ہے کہ باوجودیکہ مَیں پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ جب یہ آیت اِنَّمَا اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡ پڑھتے تو آپ کے رونے کی آواز مجھے سنائی دیتی۔

غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر دو صحابی ایک پڑاؤ پر پہرہ دینے کے لئے مقرر تھے۔ ایک صحابی اپنی ڈیوٹی دے کر سو گئے جبکہ دوسرے نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک مشرک نے نماز پڑھنے والے صحابی کو تیر مارا جو ان کے بدن میں پیوست ہو گیا۔ اس صحابی نے تیر نکالا اور نماز پڑھتے رہے۔ اس مشرک نے دوبارہ تیر مارا جو انہیں لگا۔ اس کو بھی انہوں نے نکالا لیکن نماز میں مشغول رہے۔ مشرک نے تیسرا تیر پیوست کر دیا۔ انہوں نے نکال کر رکھ لیا اور رکوع اور سجدہ میں چلے گئے اور اتنے میں سوئے ہوئے صحابی کو جگا دیا اور وہ مشرک بھاگ کھڑا ہوا۔ زخمی صحابی سے جب ان کے ساتھی نے دریافت کیا کہ مجھے پہلے کیوں نہ جگایا تو وہ کہنے لگے کہ مَیں ایک ایسی سورۃ پڑھ رہا تھا کہ اسے ختم کئے بغیر مجھے پسند نہ آیا کہ نماز ختم کر دوں۔ جب مشرک نے مجھ پر تیر اندازی کی تو مَیں نے رکوع کیا اور تمہیں جگا دیا۔ لیکن خدا کی قسم! اگر اس پہرہ داری کے فریضہ کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو خواہ میری جان چلی جاتی میں اس سورۃ کو پورا کئے بغیر نماز ختم نہ کرتا۔

سامعین! صحابہ کرام انتہائی ذوق و شوق اور مستعدی سے رضائے باری تعالیٰ حاصل کرنے کے لئے فرض نمازیں ادا کرتے تھے اسی طرح نوافل، نماز تہجد، اشراق اور صلوٰۃ کسوف وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کی فضیلت اور عبادت کے شوق و لگن کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ تَتَجَافٰی جُنُوۡبُہُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ (السجدۃ:17) آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام راتوں کو دیر تک نماز پڑھا کرتے یہاں تک کہ پاؤں سوجھ جاتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سفر میں ہوتے تھے تو سواری کے اوپر ہی بیٹھے بیٹھے نفل کی نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے اور اس کو رسول اللہ ؐ کی سنت سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو نماز اشراق کی وصیت فرمائی تو یہ دونوں بزرگ باقاعدگی کے ساتھ نماز اشراق ادا کیا کرتے تھے۔

چاند اور سورج کو جب گہن لگتا تو تمام صحابہ صلوٰۃ الکسوف ادا کیا کرتے تھے۔ ایک بار جب گہن لگا تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے صفہ زمزم میں لوگوں کو جمع کیا اور باجماعت نماز ادا کی۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام مغرب اور عشاء کے درمیان بھی نوافل ادا کیا کرتے تھے۔ اصحاب الصفہ دن کو جنگل سے ایندھن لاتے اور (فرض نماز کے علاوہ) رات کو نوافل ادا کرتے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ (الذّٰریٰت:18) یہ لوگ عبادت میں مشغول رہنے کے سبب راتوں کو بہت کم سوتے ہیں۔

سامعین! صحابہ کرام نہ صرف خود نفل نمازیں ذوق وشوق سے ادا فرماتے بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار کر کے نماز میں شریک کیا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر سے نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پست آواز کے ساتھ قراءت کر رہے ہیں۔ آگے بڑھے تو حضرت عمرؓ کو نہایت بلند آواز سے نماز میں قراءت کرتے دیکھا۔ جب یہ دونوں بزرگ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوبکر! نماز میں تمہاری آواز دھیمی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں جس (خدا) سے سرگوشی کر رہا تھا۔ اس کے کان میں میری آواز پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ تمہاری آواز نماز میں بہت بلند تھی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مَیں سونے والوں کو جگاتا اور شیطان کو دھتکارتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نہایت خشوع وخضوع سے نماز تہجد ادا کرتے۔ صبح ہونے کے قریب ہوتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ (طٰہٰ:133) کہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے۔

ابوعثمان نہدی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے سات دن حضرت ابوہریرہؓ کی مہمانی کا شرف حاصل ہوا۔ گھر میں تین افراد تھے۔ ابوہریرہؓ ان کی بیوی اور ایک خادم۔ رات کو انہوں نے تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک حصہ میں ایک فرد عبادت کرتا تھا۔ جب وہ سونے لگتا تو دوسرے کو اٹھا دیتا اور جب دوسرا سونا چاہتا تو تیسرے کو اٹھا دیتا۔

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں لمبی لمبی سورتیں مثلاً سورۃ البقرہ، آل عمران، المائدہ اور الانعام وغیرہ پڑھا کرتے تھے اور جس قدر لمبا قیام ہوتا تھا اسی طرح رکوع اور سجود بھی طویل ہوتے تھے۔ اس لئے اس قدر طویل اور پُرسکون نماز میں وہی شخص شریک ہو سکتا تھا جس کا دل شوقِ عبادت سے لبریز ہوتا۔ بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نفلی طویل عبادت میں بھی شریک ہو جاتے۔ حضرت عوف بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد میں شریک ہوا۔ آپؐ نے بہت طویل سورتیں پڑھیں اور مَیں عبادت میں شریک رہا۔ ایک بار حضرت حذیفہؓ کو بھی یہ شرف نصیب ہوا۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کرنے کی توفیق وسعادت ملتی رہی۔

یہ شوق صرف چند صحابہ کرامؓ تک محدود نہ تھا بلکہ عموماً سب صحابہ میں پایا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز تہجد پڑھی لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی۔ پھر دوسری رات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو بہت سے صحابہ شریک ہو گئے پھر تیسری اور چوتھی رات بھی صحابہ جمع ہو گئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا۔ میں نے تمہارا کام دیکھا (یعنی نوافل ادا کرتے ہوئے) مگر مَیں اس بات کے ڈر سے نہ نکلا کہ تم پر یہ عبادت فرض نہ ہو جائے۔

بعض صحابہ کو اس حد تک عبادت کا شوق و ذوق تھا کہ ساری رات عبادت میں اور دن کو روزہ میں گزارتے لیکن ایسا کرنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے ہو۔ مَیں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ درست ہے، مَیں ایسا ہی کرتا ہوں۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تیرے نفس کا

بھی تجھ پر حق ہے۔ تیری اہلیہ کا بھی تجھ پر حق ہے بے شک روزہ بھی رکھو۔ افطار بھی کرو۔ عبادت بھی کرو اور سو بھی۔

حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں اپنی قوم بنی سالم کی امامت کیا کرتا تھا میرے گھر اور ان کے درمیان ایک نالہ تھا۔ بارش ہو جاتی تو میرے لئے یہ نالہ پار کرنا مشکل ہو جاتا اور میری بینائی میں فتور آ گیا تھا۔ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس مشکل کا ذکر کر کے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میرے گھر تشریف لا کر ایک جگہ نماز پڑھ کر برکت بخشیں تاکہ مَیں وہ جگہ نماز کے لئے مقرر کر لوں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز حضرت ابو بکرؓ سمیت میرے گھر تشریف لائے۔ اس وقت دن چڑھ چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اللہ اکبر کہا تو ہم لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی نانی ملیکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی۔ حضور تشریف لائے اور کھانا تناول فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ مَیں تمہیں نماز پڑھاؤں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ مَیں ایک بوریئے کی طرف گیا جو سیاہ ہو چکا تھا۔ مَیں نے اس پر پانی چھڑکا۔ اسی بوریئے پر آنحضرتؐ کھڑے ہوئے اور مَیں اور ایک اور بچے نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور بڑھیا (نانی) نے ہمارے پیچھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعات نماز پڑھائی۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت امّ المومنین میمونہؓ کے پاس گزاری۔ جب آدھی رات گزر گئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس سے کچھ بعد۔ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ سورہ آل عمران کی آخر کی دس آیتیں پڑھیں پھر وضو کیا اور نماز تہجد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کی۔ حضورؐ نے دو دو رکعتیں کر کے نماز تہجد پڑھی اور آخر میں وتر پڑھے۔ پھر لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ سخت گرمی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔ گرمی کی شدت اس قدر ہوتی کہ زمین پر پیشانی لگانا مشکل ہو جاتا تو بعض صحابہ کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتے۔

بخاری شریف میں بیان ہے کہ صحابہ اذان دینے کے لئے مسابقت کرتے۔ ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان میں قرعہ بھی ڈالا۔

بعض صحابہ کا یہ طریق تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد پھر اپنی قوم کے پاس واپس جاتے اور انہیں نماز پڑھاتے۔ چنانچہ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز (فرض) پڑھا کرتے تھے پھر جا کر اپنی قوم میں امامت کرتے اور وہی نماز ان کو پڑھاتے۔

سامعین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں بھی اپنے ربّ کی عبادت بجالانے کے شوق میں مساجد میں جایا کرتی تھیں۔ کیونکہ آنحضورؐ کا ارشاد مبارک تھا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز میں کئی مسلمان عورتیں بھی چادروں میں لپٹی ہوئی نماز ادا کرتیں۔ پھر (نماز کے بعد) اپنے گھروں کو لوٹ جاتیں (اندھیرے کی وجہ سے) کوئی انہیں نہ پہچانتا۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی رسی ہے؟ بتایا گیا کہ یہ رسی امّ المومنین زینب نے باندھی ہے۔ جب وہ کھڑی کھڑی عبادت کرتے تھک جاتی ہیں تو اس سے سہارا لیتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس رسی کو کھول دو۔ تم میں سے ہر شخص کو اس وقت تک عبادت کرنی چاہئے جب تک نماز میں دل لگا رہے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن بنی اسد قبیلہ کی ایک عورت میرے پاس بیٹھی تھی اتنے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ کون عورت ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ یہ فلاں عورت ہے جو رات بھر عبادت کرتی ہے اور سوتی نہیں۔ پھر اس کے نماز پڑھنے کی

کیفیت بیان کی۔ اس پر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ بس اتنا عمل کرو جتنے کی طاقت ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو ثواب دینے سے تھکتا نہیں۔ تم ہی (عمل کرتے کرتے) تھک جاؤ گے۔

سامعین! جس دل میں محبت الٰہی ہوتی ہے وہ ربّ ذوالجلال کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتا ہے۔ صحابہ کرام کے دل جو محبت الٰہی سے لبریز تھے وہ خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں بھی رہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ خوف خداوندی سے اکثر آبدیدہ رہتے۔ موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا۔ کوئی جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ مقبروں سے گزرتے تو رقّت طاری ہو جاتی اور داڑھی تر ہو جاتی۔ لوگ کہتے کہ جنت و دوزخ کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقّت طاری نہیں ہوتی۔ آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہے کہ انہیں دیکھ کر آپؓ بیقرار ہو جاتے ہیں۔ فرماتے آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں۔ اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مرحلے دشوار ہوں گے۔

حضرت عمرؓ خشیت الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے۔ قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے آپؓ نے فرمایا "تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام لائے، ہجرت کی، جہاد کیا اور نیک اعمال کئے۔ اس کے بدلہ میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر ہو جائے۔ وہ صحابی کہنے لگے۔ خدا کی قسم! ہم نے روزے بھی رکھے، نمازیں پڑھیں بہت سے نیک کام کئے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے۔ ہمیں ان اعمال سے اپنے ربّ سے بہت توقعات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق یہ روایت بھی آتی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذہ کا خوف میرے دل پر ہو گا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے متعلق احادیث میں لکھا ہے کہ جب آپ کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے۔ کاش! مَیں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا۔ کسی باغ سے گزرتے تو چڑیوں کو

چہچہاتے دیکھتے تو آہ سرد کھینچ کر فرماتے پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چگتے پھرتے ہو درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب نہ ہو گا۔ کاش! ابو بکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔

سامعین! صحابہ کی روح کی غذا ذکر الٰہی تھی۔ بڑی کثرت سے نمازوں کے علاوہ بھی ذکر الٰہی اور تسبیحات کیا کرتے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سونے لگو تو 33 بار تسبیح، 33 بار تحمید اور 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی تلقین فرمائی۔ مَیں نے اس کو چھوڑا نہیں۔

حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ ہر روز بارہ ہزار دفعہ تسبیحات کرتے اور فرماتے: مَیں اپنے گناہوں کے مطابق تسبیحات کرتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے یہ کہہ کر نماز شروع کی۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور اس کی ذات پاک ہے صبح بھی اور شام بھی۔ نماز کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمے خدا کو ایسے پیارے لگے کہ آسمان کے دروازے ان کے لئے وا کر دیئے گئے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مَیں ہمیشہ یہ مبارک کلمات دہراتا ہوں۔

(مکرم عبد الستار خان صاحب کے ایک مضمون سے اخذ شدہ۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

۞۞۞۞

﴿45﴾ ﴿مشاہدات۔509﴾

صحابہ رضوان اللہ علیہم کا عشقِ رسولؐ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (المجادلہ:23)

ترجمہ: تو کوئی ایسے لوگ نہیں پائے گا جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے ایسے لوگوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہوں، خواہ وہ اُن کے باپ دادا ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کے ہم قبیلہ لوگ ہوں۔ یہی وہ (باغیرت) لوگ ہیں جن کے دل میں اللہ نے ایمان لکھ رکھا ہے اور ان کی وہ اپنے امر سے تائید کرتا ہے اور وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں
محمدؐ است فروزندۂ زمین و زماں
خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا
خدا نما ست وجودش برائے عالمیاں

(کتاب البریّہ روحانی خزائن جلد نمبر 13 صفحہ نمبر 157 حاشیہ)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی دونوں جہانوں کا امام اور چراغ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی زمین و زماں کا روشن کرنے والا ہے۔ مَیں خوفِ خدا کی وجہ سے اُسے خدا تو نہیں کہتا مگر خدا کی قسم اس کا وجود اہل جہاں کے لئے خدا نما ہے۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ”صحابہؓ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم“

ایک مسلمان اُس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کامل نہ ہو، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا، ہر ہر قول اور ہر ہر عمل سے سچا عشق نہ ہو، زندگی کے ہر معاملے میں سب سے پہلے نبوی طرزِ عمل کو ڈھونڈے، جی جان سے اُس پر عمل کی کوشش کرے، احکاماتِ نبوی کے مطابق زندگی کے شب و روز گزارنے کی جدوجہد کرے، اپنے معاملات، معاشرت، لین دین، خوشی و غمی ہر چیز احکاماتِ نبویؐ کے تابع کر دے، یہی ہر مسلمان سے تقاضا ہے، یہی اس کی زندگی کا منہج و مقصد ہونا چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اگر ہم دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے دنیا کی تمام چیزوں کی محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر قربان کر دیا تھا، آپؐ کی محبت میں ماں باپ، بہن بھائی، رشتہ دار قربان کر دیے، غرضیکہ سب کچھ قربان کر دیا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو نہ چھوڑا۔ صحابہ کرامؓ کا معاملہ بھی عجیب تھا، ان کی محبت کا دارومدار بس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا تو پھر خونی رشتے بھی بے معنی تھے اور اگر کوئی ایمان لایا اور خونی رشتہ نہ بھی تھا تو اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ تاریخ انسانیت میں ایسا انقلاب نہ پہلے آیا اور نہ کبھی آئے گا۔ مکہ کے ظالم ہاتھ جو ظلم کرتے کرتے تھک جایا کرتے غصہ میں آکر کہا کرتے کہ تم تو محمدؐ کے عاشق ہو گئے ہو۔ حالانکہ وہ یہ جملہ ان پر طنز کے طور بولا کرتے تھے مگر حقیقت تو یہی تھی کہ وہ واقعی عاشق تھے اپنے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اپنے آقا کی اُلفت کی ایک نظر اُن کی تمام ترکلفتوں کو کافور کر دیتی۔ ہمیں ان عشاقِ صادق میں ایک سے بڑھ کر ایک اپنے عشق و وفا میں نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ اسی عشق کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

”گالیاں سنتے تھے، جان کی دھمکیاں دے کر ڈرائے جاتے تھے اور سب طرح کی ذلّتیں دیکھتے تھے پر کچھ ایسے نشۂ عشق میں مدہوش تھے کہ کسی خرابی کی پروا نہیں رکھتے تھے اور کسی بلا سے ہراساں نہیں ہوتے تھے... ایسے نازک زمانہ میں وفاداری کے ساتھ محبت اور عشق سے بھرے ہوئے دل سے جو دامن پکڑا جس

زمانہ میں آئندہ کے اقبال کی تو کیا امید، خود اس مرد مصلح کی چند روز میں جان جاتی نظر آتی تھی۔ یہ وفاداری کا تعلق محض قوت ایمانی کے جوش سے تھا جس کی مستی سے وہ اپنی جانیں دینے کے لئے ایسے کھڑے ہو گئے جیسے سخت درجہ کا پیاسا چشمہ شیریں پر بے اختیار کھڑا ہو جاتا ہے۔“

(ازالۂ اوہام۔ روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 152-151 حاشیہ)

سامعین! صحابہ کرامؓ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے لیکن وقت کی مناسبت سے آج کچھ واقعات بیان کروں گا۔

سب سے پہلے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مثال ہمارے سامنے ہے جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی محبوب تھے اور خود اُن کی اپنی محبت کا تو کیا ہی کہنا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا تو ابو بکرؓ کو اپنے آقا کی محبت ورفاقت میں اپنی جوان بیٹیوں اور بیٹوں، اپنی پیاری بیوی اور اپنے نابینا بوڑھے باپ کا بھی خیال نہ رہا۔ بے اختیار پکار اٹھے یارسول اللہ! مجھے اپنے ساتھ ضرور رکھیے گا۔ پھر ہجرت کا یہ سفر، زندگی اور موت کی ایک دوڑ تھی۔ لیکن ان مواقع پر بھی عشق و محبت کی کئی تصویریں نقش ہوئیں۔ وہ غارِ ثور جو سانپوں اور بچھوؤں اور موذی حشرات کی آماجگاہ تھی، ابو بکرؓ جیسے عاشق جاں نثار نے اپنے ہاتھوں سے اس کو صاف کیا۔ اس کے ہر سوراخ کو بند کیا اور اپنی رانوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک رکھ کر اپنے محبوب آقا سے درخواست کی کہ آپؐ کچھ دیر کے لئے آرام فرمالیں اور اس دوران کسی سوراخ سے بچھو نکلا اور آپؓ کو ڈنک مارا تو محبت و وفا کا یہ پُتلا اپنی ٹانگ تک کو نہ ہلاتا کہ کہیں آپؐ کے آرام میں خلل واقع نہ ہو۔ لیکن قوتِ برداشت جواب دینے لگی تو آنکھوں سے دو آنسو آپؐ کے جسد اطہر پر گرے۔ پوچھا: ابو بکر! کیا ہوا؟ ماجرا عرض کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک ان زخموں پر لگایا۔ اسی رفاقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو خوشخبری دی کہ تم پہلے شخص ہو جو میری امّت میں سے جنّت میں داخل ہو گے، تم غار میں میرے رفیق تھے اور حوضِ کوثر پر میرے رفیق ہو گے۔

(زرقانی جلد 1 صفحہ 335)

ایک بار خانہ کعبہ میں اسلام کے علانیہ اظہار پر کفّار حضرت ابو بکرؓ پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا جان ہی سے مار ڈالیں گے۔ لوگوں کے مخاطب کرنے پر بھی جواب نہ دیتے کہ سخت بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ شام کے وقت ذرا ہوش آیا، تو اس عاشقِ صادق کی زبان سے سب سے پہلے یہی الفاظ ادا ہوئے ”مجھے بتاؤ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزری؟“ والدہ کچھ کِھلانے پر مُصر تھیں، مگر وہ مسلسل اپنے محبوبؐ کے متعلق پوچھے جا رہے تھے۔ کھانے پر زیادہ اصرار کیا، تو فرمایا ”مَیں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے، جب تک خدمتِ نبویؐ میں حاضر نہ ہو جاؤں، تب تک کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔“ رات ڈھلی، تو والدہ اور بہن آپؓ کو سہارا دے کر چل پڑیں، یہاں تک کہ دارِ ارقم میں آپؐ کے پاس پہنچا دیا۔ آپؐ نے جب اپنے عاشق کو اِس حال میں دیکھا، تو اُن پر جُھک پڑے اور بوسہ دیا۔ صدیقِ اکبرؓ کی حالت دیکھ کر نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر رقّت طاری ہو گئی۔

(السیرت الحلبیہ جلد 1 صفحہ 295 بیروت)

سامعین! حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ، ولید وغیرہ کو قتل کیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے والد کو کافروں کی حمایت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے ماں، باپ، بہن، بھائی، عزیز و اقارب سب کو قربان کر دیا۔ اسی لیے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے جو خاکسار نے ابتداء میں تلاوت کیے ہیں۔

حضرت زید بن دثنہؓ کے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بھی سامنے ہے۔ سولی دینے کی تیاری کی جا رہی ہے، زندگی ہر کسی کو پیاری ہے اور جب موت سامنے کھڑی ہو، تو سبھی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، مگر آسمان نے عشق کا ایسا نظارہ کم ہی دیکھا کہ خون کے پیاسے حضرت زیدؓ کے چاروں طرف کھڑے ہیں۔ ابو سفیان نے کہا ”زیدؓ! کیا تجھے پسند ہے کہ آج تیری جگہ محمد ہوتے اور تو اپنے اہل و عیال میں

ہوتا؟" حضرت زیدؓ نے جواباً کہا "اللہ کی قسم! مَیں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ مَیں اپنے اہل و عیال میں ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا بھی چُبھے۔" اور پھر سولی پر لٹک گئے۔

(سیرۃ الحلبیہ جلد 3 صفحہ 170)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے موقع پر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ مانگا کہ دشمن کا مقابلہ مدینہ میں رہ کر کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر؟ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم ہر قسم کی قربانی کے لیے حاضر ہیں اور حسب ضرورت ہم باہر نکل کر بھی دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہی مشورہ دیا۔ دریں اثناء حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ایسی پُرجوش تقریر کی کہ جس کا اثر انصار و مہاجرین سب پر ہوا اور سب ان جذبات سے سرشار ہو گئے جو حضرت مقداد کے تھے۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہم موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح نہیں ہیں کہ یہ کہیں کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ خدا کی قسم! ہم تو وہ وفا شعار غلام ہیں جو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی، آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی۔ اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔ یا رسول اللہؐ! اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے گھوڑے سمندر میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔" صحابہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مقداد نے جب یہ جوش بھرے الفاظ کہے تو ہم نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ بے شک اس وقت ایثار و فدائیت کے جذبے اگرچہ تمام صحابہ کے دل میں موجیں مار رہے تھے مگر ان کو زبان حضرت مقداد نے دی۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر رونق آنا ایک طبعی بات ہے کہ آنحضورؐ کو خوش کرنے والے حضرت مقداد تھے۔ اسی لیے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے بزرگ صحابی بعد میں بھی بجا طور پر کہتے تھے کہ "آج بھی میری یہ دلی تمنا ہے کہ وہ نظارہ جو میں نے مقداد سے دیکھا اے کاش! میری تمام نیکیاں مقداد کی ہوتیں اور یہ نظارہ مجھ سے ظاہر ہوا ہوتا۔"

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر)

سامعین! حضرت ابو ایوب انصاریؓ وہ انتہائی خوش بخت انصاری صحابی تھے جنہیں مدینہ میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابو ایوبؓ مکان کے اوپر کے حصہ میں

رہائش پذیر تھے جبکہ نچلی منزل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ بعض اوقات آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ ساری ساری رات اس خیال سے جاگتے رہتے کہ ہمارے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماہیں تو کہیں کوئی بے ادبی سرزد نہ ہو جائے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے رات کے وقت پانی کا برتن ٹوٹ گیا جس سے پانی بہہ نکلا۔ حضرت ابو ایوبؓ کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں چھت سے پانی نیچے نہ ٹپک پڑے اور رسول خداؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ سخت سردی کا عالم تھا مگر انہوں نے اور ان کی اہلیہ نے فوراً اپنا اوڑھنے والا لحاف پانی پر ڈال کر اسے خشک کر کے دم لیا اور خود دونوں میاں بیوی ساری رات سردی کے عالم میں اسی ٹھنڈے گیلے لحاف کو اوڑھے رہے۔ علی الصبح آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ کہہ سنایا اور درخواست کی کہ آپ اوپر کی منزل میں تشریف فرما ہو جائیں ہم نیچے مقیم ہوں گے۔ رسول اکرمؐ نے اسے قبول فرمایا اور بالاخانہ میں رہنے لگے۔

(الاستیعاب جلد 2 صفحہ 10)

حضرت ابو ایوبؓ انصاری روزانہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا بھجواتے اور جو کھانا بچ کر واپس آتا اُس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نشان دیکھتے اور جس طرف سے آپؐ نے نوش فرمایا ہوتا وہاں سے کھاتے۔

جنگ احد میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ پھیلی تو کئی صحابہؓ حواس باختہ ہو گئے اور سراسیمگی کی حالت میں ہمّت ہار بیٹھے۔ ایسے میں انسؓ بن نضر نے بے ساختہ کہا، اب بھلا آپؐ کے بعد زندگی کس کام کی؟ اٹھو اور اس مقصد کے لئے مَر مٹو جس کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے۔ یہ کہہ کر اکیلے ہی دشمن کی صفوں میں گُھس گئے اور جوانمردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپؓ کے جسم پر ستر زخم آئے، نعش پہچانی نہ جاتی تھی۔ آپؓ کی ہمشیرہ نے انگلی کے پورے پر ایک نشان سے پہچانی۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوہ احد)

سامعین! جنگ احد کے معاً بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن ربیع کا پتہ کروایا۔ ایک انصاری اُن کی تلاش میں نکلے اور زخمیوں اور نعشوں کے پاس آوازیں دینے لگے لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تب انہوں نے کہا "اے سعد! مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خبر لانے کے لئے بھیجا ہے"۔

تب ایک نحیف آواز آئی، دیکھا تو سعدؓ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں- انہوں نے ایسے وقت میں یہی پیغام دیا کہ آنحضورؐ کی خدمت میں سلام عرض کرنا... میری قوم کو بھی سلام دینا اور کہنا کہ اگر تمہارے جیتے جی رسول اللہ کو کوئی گزند پہنچی تو خدا کے سامنے تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہو گا-

(سیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 245)

سامعین! شراب کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو طلحہؓ کے گھر میں ہم جلیسوں کی ایک محفل جمی ہوئی تھی۔ مہمانوں کی تواضع کے لیے حسب دستور شراب بھی پیش کی جارہی تھی کہ اسی اثناء میں مدینہ کی گلیوں میں ایک منادی نے یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! سنو شراب حرام کر دی گئی ہے۔ اس اعلان کا سننا تھا کہ ابو طلحہؓ نے اس نوجوان کو جو شراب کے جام تقسیم کر رہا تھا حکم دیا کہ شراب کے سارے مٹکے فوراً توڑ دو اور ساری شراب بہادو۔ کسی نے کہا کہ پہلے اس اعلان کی تصدیق تو کر لو مگر آپ نے فرمایا کہ جب ہمارے کانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پڑ گیا تو پھر پہلے اس کی تعمیل لازم ہے تصدیق بعد میں ہو گی۔ اور یوں راوی کہتے ہیں کہ اس دن مدینہ کی گلیوں میں شراب بہتی پھرتی تھی۔

(صحیح البخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ المائدہ)

جنگ بدر کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک تیر کے ساتھ اسلامی لشکر کی صفیں درست کر رہے تھے۔ ایک صحابی سواد نامی صف سے کچھ آگے بڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے تیر کے اشارہ سے انہیں پیچھے ہٹنے کو کہا تو اتفاق سے تیر کی لکڑی آہستہ سے ان کے سینہ پر لگی۔ انہوں نے جرأت کر کے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ! آپ کو خدا نے حق وانصاف کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ مگر آپ نے مجھے ناحق تیر مارا۔ میں تو اس کا بدلہ لوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سراپا انصاف اور مساوات تھے کب اس بات کو گوارا کر سکتے تھے کہ کسی شخص کے دل میں خیال رہے کہ آپ نے اس سے زیادتی کی ہے۔ چنانچہ آپ نے فوراً فرمایا کہ بہت اچھا تم مجھ سے بدلہ لے لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میرا سینہ ننگا تھا۔ جس وقت آپؐ کا تیر مجھے لگا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے سینہ مبارک سے کپڑا اٹھا دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ دنیائے عشق ومحبت میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ حضرت سواد آگے بڑھے اور نہایت ادب کے ساتھ اپنے پیارے محبوب کے سینہ مبارک کو چوم لیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

مسکراتے ہوئے فرمایا۔ سواد یہ تمہیں کیا سوجھی۔ حضرت سواد نے رقت بھری آواز میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جنگ کا میدان ہے اور خدا جانے کون زندہ رہتا ہے اور کسے شہادت کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔ میرے دل میں یہ خیالات موجزن تھے کہ معلوم نہیں پھر اس مقدس و اطہر جسم کو دیکھنے، چھونے کی سعادت کبھی حاصل ہوسکے گی یا نہیں۔ اس لیے میں نے چاہا کہ مرنے سے قبل ایک مرتبہ آپ کے جسم مبارک کو تو چھولوں اور اس کے لیے میرے دل نے یہی صورت تجویز کی۔

(سیرۃ ابن ھشام ذکر غزوہ بدر)

پیارے بھائیو! حضرت انسؓ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ کا عشق تھا۔ مدینہ ہجرت کے بعد چھوٹی عمر میں ہی رسول اللہؐ کی خدمت کے لیے وقف ہوگئے اور پھر آخری سانس تک اسے خوب خوب نبھایا۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کے پاس رسول اللہؐ کا ایک موئے مبارک تھا۔ فرمایا کہ یہ دفن کے وقت میری زبان کے نیچے رکھ دینا اور رسول اللہؐ کی ایک چھڑی بھی آپ کے پاس تھی تو وہ بھی آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے پہلو میں دفن کی گئی۔ سبحان اللہ! زندگی میں بھی اپنے آقا کے ہر حکم کے غلام اور ہر شے کے محافظ تھے مگر اپنے محبوب کی جو شے میسر تھی اس سے بوقت وفات بھی جدائی گوارا نہ کی۔

(سیرت صحابہ رسول اللہؐ صفحہ 505)

حضرت انسؓ جب رسول اللہؐ کا حلیہ مبارک بیان کرتے تو ایک ایک خدوخال پر روشنی ڈالتے۔ آپ کا بیان کانوں میں امرت گھول دیتا۔ ایک دفعہ اپنے محبوب رسول اللہؐ کا ذکر کرتے ہوئے بے اختیار کہہ اٹھے کہ ”قیامت کے روز جب رسول اللہؐ کا سامنا ہوگا تو عرض کروں گا کہ غلام حاضر ہے“ جب مجلس میں ذکرِ رسولؐ کرتے آقا کے لیے بے چین ہوجاتے تو گھر جاکر تبرکات نبوی نکالتے اور یوں دل بہلاتے۔

(ترمذی کتاب المناقب باب انس بن مالك)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد اللہ بن رواحہؓ کی فدائیت اور اطاعت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ مسجد میں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ اس دوران آپؐ نے فرمایا۔ لوگو! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ مسجد سے باہر خطبہ سننے کے لیے حاضر ہورہے تھے۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ

گئے اور گھسٹ گھسٹ کر مسجد کی طرف بڑھنے لگے۔ کسی نے انہیں دیکھ کر کہا کہ حضورؐ کے مخاطب تو مسجد میں موجود لوگ تھے۔ مگر حضرت عبد اللہ نے کہا کہ میرے کانوں میں تو رسول اکرمؐ کا یہ حکم پڑا کہ بیٹھ جاؤ اور اس پر اطاعت لازم تھی۔ اگر اسی وقت میری جان نکل جاتی تو میں خدا کو کیا جواب دیتا کہ میں نے رسول اکرمؐ کا فرمان اپنے کانوں سے سنا مگر اس کی اطاعت نہ کر سکا۔ اس بے نظیر فدائیت پر رسول اکرمؐ نے بھی خوش ہو کر انہیں دعا دی اور فرمایا "اے عبد اللہ بن رواحہ! اللہ اور رسول کی اطاعت کا تمہارا یہ جذبہ اللہ تعالیٰ اور بڑھائے"

(الاصابہ جز و4 صفحہ 66)

سامعین کرام! صحابہ رضوان اللہ علیہم تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں پور پور سرشار تھے ہی۔ صحابیات کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا بے نظیر اخلاص تھا کہ وہ حضورؐ کے وجود کو اپنے تمام اقرباء سے زیادہ قیمتی تصور کرتی تھیں۔ جنگ احد سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمع صحابہ کرام شام کے قریب مدینہ کو واپس ہوئے۔ چونکہ اس جنگ میں یہ افواہ پھیل چکی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی ہے اس لیے مدینہ کی عورتیں عالمِ گھبراہٹ میں گھروں سے نکل کر رستہ پر کھڑی تھیں۔ اور عالمِ بے تابی میں منہ اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی تھیں کہ اس طرف سے کوئی آتا ہوا دکھائی دے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کریں۔ ایک انصاری عورت نے ایک شخص سے جو اسے احد سے واپس آتا ہوا دکھائی دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا۔ اس آدمی نے عورت سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ تمہارا باپ شہید ہو گیا ہے۔ اس عورت نے اپنی بے تابی کے باعث اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے پھر حضورؐ کے متعلق پوچھا۔ اس نے پھر اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ کہا کہ تمہارا بھائی بھی شہید ہو چکا ہے۔ مگر اس عورت کے نزدیک اس وقت سب سے اہم خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کرنا تھی۔ باپ بھائی ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لیے اس نے نہایت بے تابی کے ساتھ پھر وہی سوال دہرایا۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا کہ آپؐ کیسے ہیں لیکن اب بھی اس شخص نے اسے اس کے خاوند کی شہادت کی اندوہناک خبر سنائی۔ وہ عورت پھر بے چین ہو کر بولی کہ مجھے ان خبروں کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو صرف

یہ بتاؤ کہ رسول خدا ؐ کا کیا حال ہے۔ آخر جب اس نے اسے بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں اور واپس تشریف لا رہے ہیں۔ یہ جواب سن کر اس عورت کی جان میں جان آئی اور باوجود یہ کہ ایک لمحہ پہلے وہ اپنے تمام خاندان کی تباہی کی خبر سن چکی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خبر نے تمام صدمات کو اس کے دل سے محو کر دیا اور ایک ایسی راحت اور تسکین کی لہر اس کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئی کہ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا کہ كُلُّ مُصِيْبَةٍ جَلَلٌ یعنی اگر آپؐ زندہ ہیں تو پھر سب مصائب ہیچ ہیں۔

(سیرۃ ابن ہشام جلد 3 صفحہ 105)

حضرت ام عمارہؓ ایک صحابیہ تھیں۔ غزوہ احد میں جب ایک اچانک حملہ کی وجہ سے بڑے بڑے بہادران اسلام کے پاؤں کچھ وقت کے لیے اکھڑ گئے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی حفاظت کے لیے پہنچ گئیں۔ کفار آپ کو گزند پہنچانے کے لیے نہایت بے جگری کے ساتھ حملہ پر حملہ کر رہے تھے۔ ادھر آپ کے گرد بہت تھوڑے لوگ رہ گئے تھے۔ جو آپؐ کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں پر کھیل رہے تھے۔ ایسے نازک اور خطرناک موقعہ پر حضرت ام عمارہؓ آپؐ کے لیے سینہ سپر تھیں۔ کفار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرتے تو وہ تیر اور تلوار کے ساتھ ان کو روکتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ میں غزوہ احد میں ام عمارہ کو برابر اپنے دائیں اور بائیں لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ابن قیمہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عین قریب پہنچ گیا تو اسی بہادر خاتون نے اسے روکا۔ اس کمبخت نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس جانباز خاتون کا کندھا زخمی ہوا۔ اور اس قدر گہرا زخم آیا کہ غار پڑ گیا۔ مگر کیا مجال کہ قدم پیچھے ہٹا ہو بلکہ آگے بڑھ کر اس پر خود تلوار سے حملہ آور ہوئیں اور ایسے جوش کے ساتھ اس پر وار کیا کہ اگر وہ دوہری زرہ نہ پہنے ہوئے ہوتا تو قتل ہو جاتا۔

(سیرۃ ابن ہشام ذکر احد)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں فرمایا کہ

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ

(الاحکام لابن حزم 6/44)

یعنی میرے صحابہ رضوان اللہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس بھی جلیل القدر صحابی کے نمونہ پر چلو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں میں اپنے پیارے نبیؐ کی وہی محبت موجزن کر دے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں میں تھی۔ آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿46﴾ ﴿مشاہدات۔428﴾

صدقہ وخیرات کی اہمیت وبرکات

(از روئے احادیث)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صدقہ دینے والوں کو اُس کا اجر بڑھا چڑھا کر دینے کے ذکر میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (الحدید:19)

یقیناً صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنہوں نے اللہ کو قرضہ حسنہ دیا، ان کے لئے وہ بڑھا دیا جائے گا اور ان کے لئے ایک باعزت اجر ہے۔

پھر مؤمنوں کو پاک اور مطہّر کرنے اور اُن کے اموال کو پاکیزگی بخشنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمنوں سے صدقہ لینے کا یوں حکم دیا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا وَصَلِّ عَلَیْھِمْ (التوبۃ:103)

تُو ان کے مالوں میں سے صدقہ قبول کرلیا کر، اس ذریعہ سے تو اُنہیں پاک کرے گا اور اُن کا تزکیہ کرے گا۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اُسے دے چکے مال وجاں بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

معزز سامعین! مجھے آج آنمحترم دوستوں کے سامنے صدقہ وخیرات کی اہمیت وبرکات

از روئے احادیث بیان کرنی ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ عَنْ مِيْتَةِ السُّوْءِ

(سنن ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب مَاجَاءَ فِي فَضْلِ الصَّدَقَةِ)

کہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا اور بُری موت سے بچاتا ہے۔ پھر فرمایا۔

وَالصَّدَقَةُ تَطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ، كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، بَابُ الحَسدِ)

صدقہ گناہوں کو اس طرح بھسم کر دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو۔

احادیث سے یہ بات بہت واضح طور پر ثابت ہے کہ صدقات صرف روپے اور پیسے کسی فقیر، سوالی یا ضرورت مند کو دینے کا نام نہیں بلکہ کئی اور نیک اور صالح اعمال بھی صدقہ کہلاتے ہیں؟ قرآن کریم نے تو عورت کو دیے جانے والے حق مہر کے لیے بھی صدقہ کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ آتا ہے۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء:5) یعنی عورتوں کو ان کے مہر دِلی خوشی سے ادا کرو۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو صدقہ قرار دیا ہے۔ نیکی کی تلقین کرنے کو اگر صدقہ کہا ہے تو برائی سے بچنا بھی صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ صلح کرانا صدقہ ہے اور پاک الفاظ کے استعمال کو بھی صدقے کے زُمرے میں شامل کیا ہے۔ اپنے پر، اپنی اولاد پر، اپنی بیوی پر اور اپنے نوکر پر خرچ کرنے کو صدقہ میں شامل کیا ہے۔ سوار کو سواری پر سوار کرنا بھی صدقہ اور نماز کے لیے مسجد کی طرف اٹھنے والا ہر قدم بھی صدقہ ہے۔ یہاں تک کہ تسبیح و تحمید اور لاالہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔

اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اگر کسی کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ بھی میسر نہ ہو۔ تو آپؐ نے جواب دیا کہ پھر وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اس سے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی ادا کرے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا یا کہا کہ اگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرے۔ صحابہ کرامؓ نے پھر پوچھا کہ اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ

رکھتا ہو۔ تو آپؐ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ پھر وہ بھلائی کی طرف لوگوں کو بلائے یا معروف باتوں کے کرنے کی تلقین کرے۔ پھر عرض کیا گیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر وہ شر وبرائی سے دور رہے کیونکہ اس کا ایسا کرنا اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری کتابُ الاَدَب بَابُ کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ)

پھر حضورؐ نے فرمایا کہ انسان کے لیے ہر ایک جوڑ پر صدقہ دینا لازم ہے۔ اسی طرح ہر روز جس میں سورج طلوع ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو سواری پر سوار کرانا یا اس کا سامان اٹھا کر سواری پر رکھنے میں مدد دینا بھی صدقہ ہے۔ طیب بات (پاک صاف کلمہ) کہنا بھی صدقہ ہے۔ ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔ اسی طرح تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری کِتابُ الْجِهاد وَالسِّيَر بَابُ مَنْ اَخَذَ بِالرِّكَابِ وَنَحْوِ)

کسی راہگیر کو راستہ دکھانا بھی صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری کِتابُ الْجِهاد وَالسِّيَر)

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمانوں کی آمد کے متعلق اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ خاص مہمان نوازی ایک دن اور رات جبکہ اس کی ضیافت تین دن تک ہے۔ اس کے بعد مہمان کا ٹھہرنا صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری کتابُ الْاَدَبِ بَابُ اِكْرَامَ الضَّيْفِ وَخِدْمَتِهِ اِيَّاهُ بِنَفْسِهِ)

ایک دفعہ چند دوستوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ! مال دار تو سب کچھ لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ ہم پڑھتے ہیں، وہ روزے رکھتے ہیں جیسا کہ ہم رکھتے ہیں اس کے علاوہ اپنے زائد مالوں سے وہ صدقہ بھی دیتے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھی تو صدقہ کا اہتمام کر دیا ہے۔ ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر تحمید صدقہ ہے اور لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اس طرح اچھی بات کہنا اور بری بات سے روکنا بھی تو صدقہ ہے۔ پھر فرمایا: انسان کے بدن کے ہر حصہ میں صدقہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہؐ! جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم صحبت ہوتا ہے تو کیا وہ اجر کا مستحق ہے؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں

کیوں نہیں! جب وہ یہی کام حرام طریق سے کرتا ہے سزاوار ٹھہرتا ہے۔ اس کے برعکس جب وہ حلال طریق پر کرتا ہے تو ثواب پاتا ہے۔ (صحیح مسلم کِتاب الزّکَاۃِ) ایک روایت میں بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے۔

سامعین! صدقہ کے معنوں کو مزید وسعت دیتے ہوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان درخت لگائے اور اس میں سے اگر کوئی شخص کھاتا ہے تو یہ بھی اس لگانے والے کے حق میں صدقہ لکھا جاتا ہے اور اگر چوری ہو جائے تو بھی صدقہ۔ اسی طرح اگر کوئی درندہ کھا جائے تو بھی صدقہ ہے۔ اگر پرندہ کھاتا ہے تو بھی صدقہ بن جاتا ہے اور اگر کوئی کسی کو ملنے جاتا ہے تو اس کو بھی صدقہ شمار کر لیا جاتا ہے۔

(صحیح مسلم کِتابُ المُسَاقَاۃ)

نیز فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے گھر والوں پر کچھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔

(صحیح مسلم کِتاب الزَّکَاۃِ)

اور فرمایا: جس نے دودھ پلانے والا جانور کسی کو دودھ کی غرض سے دیا تو یہ عمل اس کے لیے صبح و شام صدقہ ہے۔ صبح کے وقت صبح کا دودھ پینے سے اور شام کے وقت شام کا۔

(صحیح مسلم کتاب الزّکَاۃِ باب فَضْلِ المَنِیْحَۃِ)

سامعین! حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں رمضان کے مہینے میں آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ اس نے عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی سے مجامعت یعنی تعلق قائم کر لیا ہے۔ آپؐ نے اس کو صدقہ دینے کا ارشاد فرمایا۔ اس شخص نے عرض کی کہ خدا کی قسم! اے اللہ کے نبی! میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور نہ میں کچھ دے سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اس حال میں کچھ غلہ آنحضورؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ شخص کہاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا: یہ غلہ لے جاؤ اور صدقہ دے دو۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ کیا ہمارے سوا اس کا کوئی اور بھی

مستحق ہے؟ اللہ کی قسم! ہم لوگ بھوکے ہیں اور ہمارے پاس کچھ بھی کھانے کو نہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور کھاؤ۔

(صحیح مسلم کِتاب الصِّیَام)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں اور انسان کو چاہیے کہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اتنی طاقت تو کسی کو نہیں! آپؐ نے فرمایا: مسجد میں تھوک وغیرہ کو چھپا دینا اور موذی چیز کو راستہ سے ہٹانا بھی صدقہ ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو سکے تو چاشت کی دو رکعت ادا کرنا ہی کافی ہے۔

(سنن ابی داؤد ابواب السلام)

نیز فرمایا: جب کوئی شخص رات کو تہجد کے لیے اٹھتا ہو۔ لیکن اگر کسی رات نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھ سکا تو اس کے لیے نماز کا ثواب لکھا جائے گا اور اس کی نیند اس پر صدقہ بن جائے گی۔

(سنن ابی داؤد ابوابِ قیام اللیل)

اور فرمایا: ہر معروف و اچھی بات صدقہ ہے۔

(سنن ابی داؤد کِتاب الاَدَب)

سامعین! آئیں! اب دیکھیں کتنی معمولی باتوں کو صدقہ قرار دیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: کیا کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے یعنی اس کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرے۔

(سنن ابی داؤد کِتاب الصَّلَاۃِ)

آپؐ سے حضرت سعد بن عبادہؓ نے افضل صدقہ کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: پانی پلانا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب بَابُ فَضْلِ صَدَقَةِ الْمَاءِ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کون سی چیز ایسی ہے جس کا روکنا جائز نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی، نمک اور آگ۔ میں نے پھر پوچھا

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پانی کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے (یعنی اس کا روکنا جائز نہیں)۔ لیکن نمک اور آگ کا روکنا کیوں جائز نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حمیرا! جس نے آگ دی گویا کہ اس نے وہ تمام کھانا صدقہ کیا جو کہ اس پر پکایا گیا اور جس نے نمک دیا گویا کہ وہ تمام کھانا صدقہ کیا جس کو اس کے دیے گئے نمک نے ذائقہ دار بنایا اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی پینے کو دیا جہاں پانی میسر ہو تو گویا کہ اس نے ایک غلام کو آزاد کیا۔ لیکن جس نے کسی مسلمان کو ایسی جگہ ایک گھونٹ پانی پینے کو دیا جس جگہ پانی نہ ملتا ہو تو ایسا ہے، جیسا کہ پلانے والے نے اس کو ایک نئی زندگی عطا کی۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الرھون بَابُ الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک آدمی کا اپنے مال میں سے اپنی ذات پر، اپنی بیوی پر، اپنے بچوں پر اور اپنے خادم پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔

(سنن ابی ماجہ کتاب التجارات)

اِس کی مزید وضاحت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی: صدقہ دو۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کو اپنے نفس پر صدقہ کرو۔ اس نے پھر عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر صدقہ کر دو۔ اس نے پھر عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے اپنے بیٹے پر صدقہ کرو۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اسے اپنے خادم پر صدقہ کرو۔ اس نے کہا: میرے پاس ایک اور بھی تو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا: تم بہتر جانتے ہو۔ (یعنی جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ کرو)۔

(سنن نسائی کتاب الزکاۃ)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقیات کی درستی بھی صدقہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: تمہارا مسکراتے چہرے سے اپنے بھائی کو ملنا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ معروف باتوں کا کہنا اور برائی سے روکنا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ بھولنے والی جگہ سے کسی کو تمہارا راستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ بینائی سے محروم اور کم دیکھنے والے کو تمہارا رستہ دکھانا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ تمہارا پتھر، کانٹا اور ہڈی کو راستے

سے دور کر دینا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ اپنے پانی کے ڈول میں سے بھائی کے ڈول میں تمہارا پانی ڈالنا بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔

(سنن ترمذی کتاب البر والصلة)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صدقہ و خیرات کے حقیقی معنی سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین

نیم شب بھیگی دُعاؤں کے عوض ملتا ہے
سوز میں ڈوبی کراہوں کے عوض ملتا ہے
سب جہانوں کے زر و مال کا جو مالک ہے
صدقے خیرات کے سکوں کے عوض ملتا ہے

(کمپوزڈ بائی: منہاس محمود۔ جرمنی)

✵✵✵✵

﴿47﴾ ﴿مشاہدات۔ 421﴾

حیوانوں کی دنیا اور اِن کے متعلق اسلامی تعلیم

(احادیث کی روشنی میں)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ وَلَكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ (النحل:6-7)

ترجمہ: اور مویشیوں کو بھی اس نے پیدا کیا تمہارے لئے ان میں گرمی حاصل کرنے کے سامان ہیں اور بہت سے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو اور تمہارے لئے ان میں خوبصورتی ہے جب تم انہیں شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب تم انہیں (صبح) چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتے ہو۔

پھر فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡكَبُوۡا مِنۡهَا وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ (المومن:80)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور انہی میں سے بعض کو تم کھانے کے استعمال میں لاتے ہو۔

سمندر کی مچھلی ہوا کے پرندے
گھریلو چرندے بنوں کے درندے
سبھی کو وہی رزق پہنچا رہا ہے
ہر اک اپنے مطلب کی شے کھا رہا ہے

سامعین! آج مجھے احادیث کی روشنی میں حیوانات اور جانوروں کے بارے میں اسلامی تعلیم کا ذکر کر کے اُن سے حاصل ہونے والے اسباق کو آپ بہن بھائیوں کے سامنے بیان کرنا ہے۔ اس بات میں شک وشبہ

کی کوئی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور رکھی ہے۔ وہ حکمت ہماری سمجھ میں آجائے یا سمجھ میں نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ عقل والے اور ذی شعور لوگ کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کہ اے ہمارے رب! تونے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو بھی مفید طور پر تخلیق فرمایا۔ ان کو پیدا کرنے کا مقصد صرف اور صرف انسان کی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسان کی زندگی کے لئے ہر طرح کی نعمتیں مہیا کی ہیں۔ اسی زمین میں اُس نے جانوروں کے چارے کا سامان بھی پیدا کیا ہے اور اونچے اونچے پہاڑ پیدا کئے ہیں ۔ چوپایوں میں مختلف قسم کے حیوانی فوائد ہیں اور خالق کائنات نے اِن میں اگر فائدے رکھے ہیں تو یہ بشرِی مصلحت کے عین مطابق ہیں۔

جس طرح انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اسی طرح حیوانات کی تخلیق بھی اللہ نے ہی کی ہے۔ کچھ جانوروں کا ذکر قرآن کریم میں اللہ نے انسانوں کے فائدے کے لیے کیا ہے، کچھ جانوروں کی خطرناک خصلتیں بیان کر دیں، کچھ جانور ایسے اللہ نے بنائے ہیں کہ انسان ان کو دیکھے اور اللہ کی قدرت پر اس کی تعریف بیان کرے۔ اِس کے لئے جانوروں سے متعلقہ چینلز دیکھے جاسکتے ہیں اور کچھ جانوروں کا اللہ نے اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ انسان اس سے سبق سیکھیں۔ یہ جانور انسان کے لیے اگر فائدہ مند ہیں تو انسان کو بھی ان کے ساتھ محبت و آشتی اور رحم دلی والا سلوک کرنا چاہیے۔ ان سے ہر جائز فائدہ تو اٹھایا جاسکتاہے کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے لیکن ان پر ظلم وستم کرنا کسی بھی طرح کی زیادتی کرنا شرعاً اور اخلاقاً درست نہیں۔

سامعین! آج میری تقریر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانوروں بارے فرمودات تو بیان ہوں گے ہی تاہم اِن سے اور اِن کی حرکات وسکنات سے ہمیں کیا سبق ملتے ہیں وہ بیان ہوں گے نیز اِن چوپائیوں سے حُسنِ سلوک کرنے کی اسلامی تعلیم کا ذکر بھی ہو گا۔ آئیں! سب سے پہلے نماز پڑھتے وقت جن جانوروں کی حرکات وسکنات اختیار کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا اُن کا ذکر کرتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جانوروں کی مثالوں سے نماز پڑھنے کے صحیح طریقے کو بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت

ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ایسے نہ بیٹھے جیسے **اونٹ** بیٹھتا ہے، چاہیے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے۔“

(سنن ابوداؤد)

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سجدہ کرنے کی پوزیشن کو **کتے** کی مثال سے واضح فرمایا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
”سجدوں میں اعتدال کرو اور تم میں سے کوئی اپنے بازو **کتے** کی طرح بچھا کر سجدہ نہ کرے۔“

(صحیح بخاری سنن نسائی باب سجود القرآن)

کتے کی طرح بازو پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہتھیلیوں کے ساتھ ساتھ کہنیوں کو بھی زمین پر رکھ دے۔ یہ منع ہے۔ کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھیں۔
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا جو شخص امام سے پہلے اپنا سر اٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ اس کے سر کو **گدھے** کا سر بنا دے؟“

(ترمذی)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مرغ کو گالی نہ دو چونکہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔“

(ابوداؤد، باب ما جاء فی الدیك)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”جب تم **مرغ** کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو، کیونکہ وہ فرشتہ دیکھ کر آواز لگاتا ہے اور جب تم گدھے کو ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے“

(صحیح البخاری بدء الخلق 15)

سامعین! ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا:
"مومن کو جب کوئی بیماری آتی ہے اور پھر اللہ اسے عافیت اور شفادے دیتا ہے تو وہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کے لیے نصیحت کا سبب ہوتی ہے اور منافق جب بیمار پڑتا ہے اور پھر اسے عافیت دی جاتی ہے تو اس **کی مثال اونٹ کی سی ہوتی ہے** جسے اس کے گھر والوں نے باندھا ہو اور پھر کھول دیا ہو۔ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں باندھا تھا اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیوں چھوڑ دیا ہے۔"

(سنن ابی داؤد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
آدمی اختلاف حالات اور تغیر صفات کے اعتبار سے ان سو اونٹوں کے مانند ہے جن میں سے تم ایک کو ہی سواری کے قابل پاسکتے ہو۔

(بخاری باب رفع الامانۃ)

یعنی اس دنیا میں آدمی تو بے شمار ہیں جیسے اونٹ بہت ہوتے ہیں لیکن اونٹوں میں سواری اور باربرداری کے قابل چند ہی ہوتے ہیں اسی طرح انسان بھی اعتبار کے قابل کم ہی ہوتے ہیں۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو ایک اونٹ سے مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے مومن کی مثال نکیل والے اونٹ کی سی ہے جدھر اسے لے جاؤ چل پڑتا ہے اور اطاعت کا عادی ہوتا ہے۔

(ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی الزوم الطاعۃ)

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں سے حسنِ سلوک کرنے اور اُن کی تکلیف دور کرنے پر بھی اجر وثواب کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
ایک جسم فروش عورت نے سخت گرمی کے دن ایک کتے کو دیکھا جو ایک کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا اور پیاس کی شدت سے اپنی زبان نکالے ہوئے تھا، اس عورت نے اپنے چمڑے کے موزے سے کنویں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔
(صحیح مسلم 154-2245)

جہاں تک کتے کا تعلق ہے تو تمام جانوروں میں سے کتا انسانوں کا سب سے وفادار دوست ہوتا ہے اور وہ ان کے مویشیوں اور گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ کتے جن چیزوں سے اپنے مالک کو خوش ہوتا دیکھتے ہیں وہ ان کو زیادہ یاد رکھتے ہیں اور بعد میں وہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے مالک کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ کتے کے اندر قناعت ہوتی ہے جو مل جائے یہ اسی پر قناعت کرلیتا ہے راضی ہو جاتا ہے، کتے کا مالک اگر اس کو مارے تو وہ اپنے مالک کو چھوڑ کر نہیں جاتا۔ بھیڑ بکریوں کے گلہ کی حفاظت کے لیے، کھیت کی نگرانی کے لیے اور شکار کرنے کی خاطر کتا رکھ سکتے ہیں لیکن گھر کے اندر کتے کو نہیں آنے دینا چاہیے خاص طور پر آج کل جس طرح فیشن ہے کہ کتے کو ہر وقت گھر کے اندر رکھا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ کتے کو نجس قرار دیا گیا ہے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جس گھر میں کتا ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةُ تَمَاثِيلَ۔

(بخاری کتاب بدء الخلق باب ذِکْرِ الْمَلَائِكَةِ)

یعنی فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو اور نہ اس میں جس میں تصاویر یعنی بت ہوں۔

اس بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”کتے والے گھر میں فرشتوں کے داخل نہ ہونے والی حدیث کے ایک یہ معانی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس گھر میں گندی فطرت اور غلاظت بھری خصلتوں والے دنیاوی لالچوں میں پڑے ہوئے لوگ رہتے ہوں جن کی ہر وقت اس طرح رالیں ٹپکتی رہتی ہوں جس طرح غیر تربیت یافتہ کتوں کی رالیں ٹپکتی ہیں اور وہ ہر آنے جانے والے پر بھونکتے رہتے ہیں وہاں خدا تعالیٰ کی برکات اور فضل نازل نہیں ہوا کرتے۔“

(بنیادی مسائل کے جوابات الفضل انٹرنیشنل مورخہ 24 فروری 2024ء)

اسی طرح ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میں اپنے حوض میں پانی بھرتا ہوں اپنے **اونٹوں** کو پانی پلانے کے لیے، کسی دوسرے کا اونٹ آکر اس میں سے پانی پیتا ہے تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر تر جگر رکھنے والے میں اجر و ثواب ہے۔“

(مسند احمد)

چرند پرند کو دانہ ڈالنا اور ان کی بھوک کو دور کرنے میں بھی ثواب ہے۔ جو شخص کھیتی باڑی کرتا ہے یا باغ لگاتا ہے اور اس کی کھیتی اور درخت سے کوئی جانور، یا پرندہ کچھ کھالیتا ہے، یا چُگ لیتا ہے تو اس میں بھی مالک کو ثواب ملتا ہے، خواہ صاحبِ کھیت اور درخت والے کو اس کا علم نہ ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
"جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس درخت یا کھیتی میں سے کوئی **چڑیا** یا آدمی یا جانور کھاتا ہے تو اس لگانے والے یا بونے والے کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔"

(صحیح بخاری:2320)

سامعین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور بد سلوکی کو عذاب اور سزا کی وجہ گردانا اور انتہائی درجہ کی معصیت اور گناہ قرار دیا اور انسانی ضمیر جھنجوڑنے والے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ روایت ہے کہ
"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک گدھا گزرا، جس کے منہ پر داغا گیا تھا، آپؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: اس شخص پر لعنت ہو جس نے اس کو داغا ہے۔"

(مسلم باب النھی عن ضرب الحیوان فی وجھہ)

ایک روایت میں ہے کہ غیلان بن جنادہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس **اونٹ** پر آیا جس کی ناک کو میں نے داغ رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جنادہ! کیا تمہیں داغنے کے لیے صرف چہرے کا عضو ہی ملا تھا، تم سے تو قصاص ہی لیا جائے۔

(مجمع الزوائد، باب ما جاء فی وسم الدواب)

سامعین! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ گھریلو جانورں کے ساتھ بد سلوکی اور بے جا مار پیٹ کی ممانعت کی، بلکہ غیر پالتو جانوروں کو بھی بے جا پریشان کرنے اور ان کو چھیڑنے، پکڑ کر قید کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن عبد اللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:
"ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے، جب ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد **چڑیا** آئی اور اپنے بچوں کی گرفتاری پر احتجاج

کرنے لگی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حمرہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔"

(ابوداؤد: باب فی کراھیة قتل الذر)

حضرت ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ "ان کا گزر قریش کے چند نوجوانوں کے پاس سے ہوا جو کسی پرندہ یا **مرغی** کو نشانہ بنا رہے تھے، حضرت ابنِ عمرؓ نے ان کو دیکھا تو وہ وہاں سے منتشر ہوگئے اور فرمایا کہ نبی کریمؐ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جاندار چیز کو باندھ کر اس پر نشانہ لگائے۔"

(مسلم: باب النھی عن صبر البھائم)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ایک عورت کو **بلی** باندھ کر رکھنے کی وجہ سے عذاب دیا گیا، کیونکہ اس عورت نے نہ تو اسے کچھ کھلایا، نہ پلایا اور نہ ہی اسے آزاد کیا کہ وہ کچھ کھا پی لیتی۔

(صحیح مسلم)

سامعین کرام! جانور سواری کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو طویل سفر میں آرام دینے اور چرنے، چگنے کا موقع فراہم کرنے کا حکم دیا ہے۔
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم سبزہ والی زمین میں سفر کرو تو اونٹوں کو ان کا حصہ دو۔"

(مسلم: باب مراعاة مصلحة الدروس)

یعنی راستے میں اگر کہیں ہریالی نظر آئے تو ان کو کچھ چرنے اور آرام لینے کا موقع دو، بھوکا، پیاسا مسلسل چلا کر ان کو نہ تھکاؤ۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک **اونٹ** کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ بھوک و پیاس کی شدت اور سواری و بار برداری کی زیادتی سے اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی، آپؐ نے فرمایا کہ ان بے زبان چوپایوں

کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہوں اور ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں۔"

(ابوداؤد، باب ما یؤمر بہٖ من القیام)

یعنی جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں لادنا چاہیے۔ ایشائی ممالک میں اکثر دیکھنے کو آتا ہے کہ گدھا گاڑی یا ٹانگہ پر ضرورت سے زیادہ سامان لادا جاتا ہے یا سواریاں بٹھا دی جاتی ہیں جن کے بوجھ سے اکثر گدھے اور گھوڑے کے پاؤں زمین سے اٹھ جاتے ہیں اور وہ ہوا میں **معلق** ہو جاتے ہیں جو کہ ان کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

سامعین! اب مَیں آخر پر چھوٹے حشرات کا ذکر کرتا ہوں جن کو آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مثال کے بیان فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن انیسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں۔ 1۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ 2۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ 3۔ جھوٹی قسم کھانی (یاد رکھو) جس قسم کھانے والے نے مجبوری و قید کی حالت میں خدا کی قسم کھائی اور اس قسم میں **مچھر کے پر** کے برابر (یعنی تھوڑا سا بھی) جھوٹ شامل کیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لیے ایک نکتہ (داغ) پیدا ہو جائے گا (جس کا وبال آخرت میں ظاہر ہو گا)

(ترمذی التفسیر باب ومن سورۃ النساء)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو **چھوٹی چیونٹیوں** کی طرح مردوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا یعنی ان کی شکل مردوں کی طرح ہو گی لیکن جسم وجثہ چیونٹیوں کی مانند ہو گا اور ہر طرف سے ذلت و خواری کو پوری طرح گھیرے گی پھر ان کو جہنم کے ایک قید خانہ کی طرف کہ جس کا نام بولس ہے ہانکا جائے گا وہاں آگ اُن پر چھا جائے گی۔

(جامع ترمذی صفۃ القیامۃ و الرقائق و الوراع)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب کہ ایسی جماعت پیدا نہیں ہو جائے گی جو اپنی زبانوں کے ذریعہ اس طرح کھائے گی جس طرح **گائیں** اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں۔ (مسند احمد)

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص مبالغہ کرنے والے شخص کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان ایسے چلاتا ہے جیسے **گائے** چلاتی ہے۔

(ترمذی:2853)

یعنی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں پیدا ہوں گے جو زبانوں کو کھانے پینے کا وسیلہ و ذریعہ بنائیں گے یا اس طور پر وہ خوشامد اور چاپلوسی کی خاطر لوگوں کی جھوٹی تعریفیں کریں گے یا بغض و حسد کی بنا پر ان کی جھوٹی مذمت کریں گے۔ زبان درازی اچھی بات نہیں ہے اپنی زبان اور کلام میں خوامخواہ حد سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنا، حاشیہ آرائی، مبالغہ آمیزی کے ساتھ اپنی بات کو پیش کرنا اور الفاظ کو چبا چبا کر اور زبان کو لپیٹ لپیٹ کر چکنی چپڑی باتیں کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو بھوکے **بھیڑیے** جن کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے، اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ انسان کی حوص، جو مال و جاہ کے تئیں ہو، اس کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔

(ترمذی الزهد)

یہاں دین کی مثال ایک بکری کی دی گئی ہے اور بھیڑیے کو حرص و طمع سے مشابہ قرار دیا گیا ہے یعنی اگر بھوکے بھیڑیے کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا ایک انسان کی لالچ اور حرص دین کو نقصان پہنچاتی ہے کیونہ وہ اپنے لالچ میں صحیح اور غلط کی تمیز کھو دیتا ہے۔

سامعین! خنزیر ایک نجس اور حرام جانور ہے اور بُری عادات کا مالک ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر ایک زمانہ اضطراب اور انتشار کا آئے گا۔ لوگ اپنے علماء کے پاس راہ نمائی کی امید سے جائیں گے تو وہ انہیں بندروں اور **سوّروں** کی طرح پائیں گے۔

(کنز العمال کتاب القیامہ من قسم الاقوال باب الخسف والمسخ)

خنزیر کو نجس اور حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی یہ نجاست اس کے گوشت، چربی میں سرائیت کیے ہوئے ہے جو کہ بہت سی بیماریوں کا باعث بھی بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے ہی اس کے نام میں حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”کیونکہ خنزیر کا لفظ خنزؔ اور اَر سے مرکب ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ مَیں اس کو بہت فاسد اور خراب دیکھتا ہوں۔ خنزؔ کے معنے بہت فاسد اور اَر کے معنے دیکھتا ہوں۔ پس اس جانور کا نام جو ابتداء سے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملا ہے وہی اس کی پلیدی پر دلالت کرتا ہے۔ اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ صفحہ 4 سورۃ المائدہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جماعت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ ہمیں اُسوہ رسول پر چلتے ہوئے اپنے اخلاق کو ہر لحاظ سے اور ہر موقع پہ اور ہر جگہ اور ہر صورت میں بہتر سے بہتر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے اخلاق کے معیار اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہوں، نہ کہ دنیا دکھاوے کے لئے۔ مخلوق کی سچی ہمدردی ہمارے دلوں میں پیدا ہو۔ تقویٰ کے معیار بلند کرنے والے ہم ہوں۔ ہم نے زمانے کے امام کو مانا ہے تو ہماری سوچ ہر وقت یہ رہے کہ ہمارا کوئی عمل اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی بدنامی کا باعث نہ بنے بلکہ اسلام کی خوبصورت تعلیم کو ہم پھیلانے والے ہوں اور دنیا کو اس سے متاثر کرنے والے ہوں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 مارچ 2018ء)

محمد ہی نام اور محمد ہی کام
علیك الصلوۃ علیك السلام

(کمپوز ڈبائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿48﴾ ﴿مشاہدات۔365﴾

رمضان اور درود شریف کے فضائل

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(الاحزاب:57)

ترجمہ: یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ القِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلاَةً

(ترمذی باب الوتر)

کہ قیامت کے روز لوگوں میں سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو اس دنیا میں کثرت سے مجھ پر درود بھیجتا ہے۔

میرے آج کے درس کا عنوان ہے **"رمضان اور درود کے فضائل"**

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ رمضان المبارک کا مقدس مہینہ دعاؤں کی قبولیت کا مہینہ ہے اور دعاؤں کی قبولیت کیلئے درود شریف بہت اہم چیز ہے۔ اپنی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے اور اُس کے حضور قبولیت کا درجہ دلوانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کریں اور اس کا سب سے بہترین ذریعہ جس طرح احادیث میں آیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیان فرمایا ہے، یہی ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہئے اور اپنی دعاؤں کے

آغاز اور اختتام پر بھی درود پڑھ کر اگر ہم اپنی دعاؤں کا ملفوف بنا کر اپنے اللہ کے حضور پیش کریں گے تو وہ ضرور درجہ قبولیت پائیں گی۔ پس رمضان المبارک کے مہینہ سے درود شریف کا بہت گہرا تعلق ہے۔

درود شریف کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ بالا آیت سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی مومنوں کو فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کرو اور نماز میں بھی درود کو لازمی جزو قرار دیا اور اس طرح ہر نماز پڑھنے والا درود شریف کی برکات سے کچھ نہ کچھ حصہ پالیتا ہے۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کے ذریعہ دعاؤں کی طرف نہ صرف توجہ دلائی بلکہ ان کے مقبول ہونے کے طریقے بھی سکھلائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا بھی قبولیتِ دعا کے لیے بہت ضروری ہے ورنہ دعائیں زمین و آسمان کے درمیان معلق ہو جاتی ہیں۔

(جامع الترمذی ابواب الوتر)

اس لیے دعاؤں کی قبولیت کے لیے بھی ضروری ہے کہ اُن کے ساتھ درود شریف ضرور شامل کیا جائے بلکہ فاتحہ کے بعد دعاؤں کے اوّل و آخر درود شریف شامل کر کے یعنی اُنہیں درود شریف میں سجا سجا کر اپنے مولیٰ کریم کے حضور پیش کرنا چاہیے تاکہ ہمارا یہ تحفہ بارگاہِ ربّ العزت میں پسند آجائے اور ہماری دعائیں قبولیت کا درجہ حاصل کرلیں۔

لفظ درود درد سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے درد، سوز و گداز، رقت، حضور قلب اور تڑپ سے گداز ہو کر کی جانے والی دعا۔ امام الزمان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

"درود بھی درد سے ہی نکلا ہوا ہے یعنی خاص درد، سوز، گداز اور رقت سے خدا تعالیٰ کے حضور التجا کرنی کہ اے مولا! تو ہی ہماری طرف سے خاص خاص انعامات اور مدارج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں اور کس طرح سے آپؐ کے احسانات کا بدلہ دے سکتے ہیں بجز اسکے کہ تیرے ہی حضور میں التجا کریں کہ تو ہی آپ انکو ان سچی محنتوں اور جانفشانیوں کا سچا بدلہ دے جو تو نے آپکے واسطے مقرر فرما رکھا ہے وہ آپ کو عطا فرما۔ انسان جب اس خاص رقت اور حضور قلب اور تڑپ سے گداز ہو کر آپؐ کے واسطے دعائیں کرتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور خاص

رحمت کا نزول ہوتا ہے اور پھر اس دعا گو، درود خواں کے واسطے بھی ادھر سے رحمت کا نزول ہوتا ہے اور ایک درود کے بدلہ میں دس گنا اجر اسے دیا جاتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس درود خواں اور آپکی ترقیٔ مدارج کے خواہاں سے خوش ہوتی ہے اور اس خوشی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کو دس گنا اجر عطا کیا جاتا ہے۔ انبیاء کسی کا احسان اپنے ذمہ نہیں رکھتے۔"

(الحکم 6 اپریل 1908ء)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھ پر درود بھیجنا چھوڑ دیا وہ جنت کی راہ کھو بیٹھا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبیؐ)

اسی طرح ایک یہ بھی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پہ درود بھیجا کرو۔ تمہارا درود بھیجنا خود تمہاری پاکیزگی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔

(کنزالعمال)

ہمیں چاہیے کہ ہم درود شریف کی اہمیت کو سمجھیں اور رمضان میں تو ہمیں پہلے سے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ درود پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے صرف اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سنے بلکہ اس لیے کہ مستقل پاکیزگی ہماری زندگیوں کا حصہ بن جائے۔ اس درود کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے بن جائیں۔ ہم اس درود کے ذریعہ اپنی زندگیوں کو مستقلاً پاکیزہ کرنے والے بن جائیں۔ ہم دینی اور روحانی ترقی حاصل کرنے والے بن جائیں۔ پھر یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر دلی خلوص سے درود بھیجے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس بار درود بھیجے گا اور اسے دس درجات کی رفعت بخشے گا اور اس کی دس نیکیاں لکھے گا۔

(تاب السنن الکبریٰ للنسائی جلد 6 صفحہ 21-22)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"درود جو حصولِ استقامت کا ایک زبردست ذریعہ ہے بکثرت پڑھو مگر نہ رسم و عادت کے طور پر بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و احسان کو مدِ نظر رکھ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج

اور مراتب کی ترقی کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیوں کے واسطے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قبولیتِ دعا کا شیریں اور لذیذ پھل تم کو ملے گا۔‘‘

(ملفوظات جلد3 صفحہ38)

اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو ہمیں اپنی طرف پہنچنے کا ایک وسیلہ بنایا ہے۔ یقیناً جب انسان درود شریف کو اپنی دعا میں شامل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کو ایک عجیب تقویت بخشتا ہے۔ آج اگر ہماری گناہوں سے رہائی ہوسکتی ہے اور ہم اپنے خالق کا قرب حاصل کرسکتے ہیں تو وہ درود کے ہی وسیلہ سے ہوسکتا ہے۔ حتیٰ کہ مریض بھی درود سے شفا پاسکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ

’’مَیں قولنج سے بیمار ہوا حالت یہاں تک پہنچی کہ مجھے تین مرتبہ سورۃ یٰسین بھی سنادی گئی لیکن آرام نہ آیا۔ تب مجھے الہام میں دُعا سکھائی گئی کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ الْعَظِیْمِ اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ جس سے مَیں شفایاب ہوگیا۔‘‘

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ جلد دوم صفحہ 278-279)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ درود شریف کی فضیلت کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’پس درود میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدراج کی بلندی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی ترقی کے لیے اتنی جامع دُعا سکھائی گئی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دُعا تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ کیونکہ اس میں یہ سکھایا گیا ہے کہ الٰہی! وہ رحمتیں جو حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ اُن کی ذریّت پر نازل ہوئیں اُن سے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نازل کی جائیں یعنی جس طرح ابراہیمؑ کو اُن کے مانگنے سے بڑھ کر ملا اِسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مانگا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُس سے بڑھ کر انعام دیا جائے اور چونکہ وسعتِ فیض کے لحاظ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔اِس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات بھی ابراہیمی انعامات سے بڑھ کر ہیں۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد5 صفحہ 533-534)

رمضان کا مہینہ برکتیں ہی برکتیں ہیں ان برکتوں میں درود شریف کی برکت کو مزید شامل کرنا چاہیے اور جب بھی جس وقت بھی یاد آئے اپنے پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"کسی تعداد کی پابندی ضروری نہیں۔ اخلاص اور محبت اور حضور اور تضرع سے پڑھنا چاہئے اور اس وقت تک پڑھتے رہیں کہ جب تک ایک حالت رقت اور بے خودی اور تاثر کی پیدا ہو جائے اور سینہ میں انشراح اور ذوق پایا جائے۔"

(مکتوبات احمد جلد اوّل صفحہ 18)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پس درود کا حقیقی ادراک اگر کسی نے آج دنیا کو دینا ہے تو ہم احمدیوں نے دینا ہے۔ اس لیے اس رمضان میں جہاں درود کی طرف زیادہ توجہ دیں وہاں اپنے اندر وہ پاک تبدیلیاں بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں جو اس درود کی قبولیت کے لیے ضروری ہیں اور اگر یہ قبول ہو جائے تو انسان کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے، اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس کی روحانی حالت بہتر ہوتی ہے، عشقِ رسول میں حقیقی ترقی ہو کر انسان اللہ تعالیٰ کا حقیقی قرب پاتا ہے اور حقیقی درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر پھر ان کی امّت کی ترقی کے سامان کر رہا ہوتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 30 اپریل 2021ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ اس درود پاک پر اپنے درس کو ختم کرتا ہوں:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ بِعَدَدِ هَمِّهٖ وَ غَمِّهٖ وَ حُزْنِهٖ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ وَ اَنْزِلْ عَلَيْهِ اَنْوَارَ رَحْمَتِكَ اِلَى الْاَبَدِ۔"

(برکات الدعا، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 11)

ترجمہ: اے اللہ! درود اور سلام اور برکتیں بھیج آپؐ اور آپؐ کی آل پر۔ اتنی زیادہ رحمتیں اور برکتیں جتنے ہم و غم اور حزن آپ کے دل میں اس امت کے لیے تھے اور آپؐ پر اپنی رحمتوں کے انوار ہمیشہ نازل فرماتا چلا جا۔ آمین

اللہ تعالیٰ اس رمضان میں ہم سب کو کثرت سے اپنے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ منصور چوہدری۔ جرمنی)

﴿49﴾ ﴿مشاہدات۔466﴾

محرم میں بکثرت درود شریف پڑھنے کی اہمیت اور برکات

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(الاحزاب:57)

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

اسلام کا پہلا مہینہ ہے محرم الحرام
سب مومنوں پر لازم ہے اسکا بھی احترام
اس ماہ میں اک سانحہ ایسا وقوع ہوا
بسمل ہے جس سے روح مسلمان خاص و عام

محرم کے مبارک مہینے کا دعاؤں کی قبولیت، اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھانے، صدقہ و خیرات سے تعلق باللہ کو مضبوط کرنے، درود شریف کا کثرت سے ورد کر کے اللہ اور اُس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار بڑھانے اور روحانی معنوں میں اہلِ بیت میں شامل ہونے کا ایک نادر ذریعہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء نے اِس طرف بار بار احبابِ جماعت کو توجہ دلائی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 24/ اکتوبر 1982ء کو ایک مجلس عرفان میں جماعت احمدیہ کو خاص توجہ سے ان دنوں درود پڑھنے کی تاکید یوں فرمائی:

”آجکل محرم کے دن ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بڑی ضروری بات میں جماعت کو یاد کرانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ ہر عاشق کو ایک روحانی تعلق ہونا چاہئے۔ یہ جو اختلافی مسائل ہیں یہ بالکل اور بات ہے۔ لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت سے

عشق، یہ بالکل اور معاملہ ہے۔ یہ ایک لافانی مسئلہ ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جماعت احمدیہ اس طرف خاص توجہ کرے اور ان ایام میں خصوصیت کے ساتھ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت پر بکثرت درود بھیجے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ جسمانی اولاد آپؐ کی روحانی اولاد بھی تھی، صرف جسمانی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے نورٌ علیٰ نور کا منظر نظر آتا ہے۔ حضرت امام حسنؓ کیا، حضرت امام حسینؓ کیا اور باقی بہت سے ائمہ جو آپؐ کی نسل سے بعد میں پیدا ہوئے بہت بڑے بزرگ تھے اور عظیم الشان روحانی مصالح کو سمجھنے والے، صاحب کشف والہام تھے"

(روزنامہ الفضل ربوہ، 25 مئی 1983ء)

ہمارے پیارے امام امیر المؤمنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"دعاؤں کی قبولیت اور محرم کے حوالے سے مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ ان دنوں میں، اس مہینے میں درود شریف پر بہت زیادہ زور دیں کہ قبولیت دعا کے لئے یہ نسخہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق نے اپنے عملی نمونہ سے درُود شریف کی برکات ہمارے سامنے پیش فرما کر ہمیں اس طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ لیکن ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ درُود پڑھنے کے لئے اپنے آپ کو اس معیار کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنی ہوگی جس سے درُود فائدہ دیتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہے ہیں تو آپؐ کے مقام کی پہچان بھی ہمیں ہونی چاہئے۔

احادیث میں درود شریف پڑھنے کی اہمیت کے بارے میں جو ذکر ملتا ہے، ان میں سے چند ایک یہاں پیش کرتا ہوں۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کو تشریف لائے تو حضور کے چہرے پر خاص طور پر بشاشت تھی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آج حضورؐ کے چہرۂ انور پر خاص طور پر خوشی کے آثار ہیں۔ فرمایا ہاں! اللہ کی طرف سے ایک فرشتے نے آ کر مجھے کہا ہے کہ تمہاری اُمّت میں سے جو شخص تم پر ایک بار عمدگی سے درود بھیجے گا اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کی دس نیکیاں لکھے گا (اور یہاں آپ نے فرمایا کہ عمدگی سے درُود بھیجے گا) اور اس کی دس بدیاں معاف فرمائے گا اور اُسے دس درجے بلند کرے گا اور ویسی ہی رحمت اس پر نازل کرے گا جیسی اس نے تمہارے لئے مانگی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 5 مسند ابی طلحہ انصاری حدیث 16466)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اُمّت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اظہار کی وجہ سے تھی۔ پس ہمارا کام ہے کہ اس رحمت کو لینے کے لئے آگے بڑھیں۔ خالص ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔ اپنے گناہوں کی معافیوں کے بھی سامان کریں اور آئندہ نیکیاں کرنے کی توفیق ملنے کی بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کے سامان کریں۔ پھر ایک روایت میں آتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص مجھ پر درود بھیجے گا قیامت کے روز مَیں اس کی شفاعت کروں گا۔

(جلاء الافہام۔ صفحہ 70 ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ)

پس یہ مقام درود بھیجنے والے کو ملتا ہے۔ درجے بلند ہو رہے ہیں۔ گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَیں اس کی شفاعت کروں گا۔ لیکن کیا آنحضرت پر دُرود بھیجنے والے، جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے، اس کے دل میں دوسرے مسلمان کے لئے کوئی بغض اور کینہ ہو سکتا ہے؟ کیا ایسے لوگوں کی شفاعت ہو گی؟ اور پھر کیا جب ہم اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کہتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے خلاف کوئی کینہ اور بغض دل میں ہو سکتا ہے؟ اور کیا آپؐ کے صحابہؓ کے خلاف کوئی کینہ اور بغض کسی کے دل میں ہو سکتا ہے؟۔ اگر اس بات کو ہر مسلمان سمجھ لے تو آپس کی لڑائیاں، رنجشیں اور فساد خود بخود ختم ہو جائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے لئے اور درجات بلند کروانے کے لئے درُود کا حق ادا کرنا ہو گا اور حق ادا کرنے کے لئے ہمیں آپس کے کینے اور بغض بھی ختم کرنے ہوں گے۔ کیونکہ ہم اُمّت کے فرد ہیں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ان لوگوں کے لئے ہو گی جو منہ سے تو دُرُود پڑھ رہے ہوں گے اور دل ان کے کٹے پھٹے ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو دلوں کو جوڑنے کے لئے آئے تھے۔ آپؐ کے ماننے والوں کے بارے میں تو خداتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح: 30) یعنی آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم اور ملاطفت کے جذبات رکھتے ہیں۔ لیکن کیا آج مسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ رحم کے جذبات ایک دوسرے کے لئے رکھتے ہوں.... ہمیں اس لحاظ سے بھی دعا کرنی چاہئے اور درُود پڑھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

حقیقی پیغام کو سمجھنے والے بھی بنیں۔ درُود کی حقیقت کو سمجھیں اور آج جبکہ عالمِ اسلام خطرے میں ہے تو ایک اکائی کا ثبوت دیں تا کہ دشمن کی مَیلی آنکھ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ درُود شریف میں جب ہم آلِ رسول پر درُود بھیجتے ہیں تو ان روحانی اور جسمانی رشتوں کا بھی خیال آتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خونی رشتے جنہوں نے روحانی رشتہ دار ہونے کا بھی حق ادا کیا ہے اور ایسا حق ادا کیا ہے کہ جس کے معیار بلندیوں کو چُھو رہے ہیں، ان کے بارے میں کسی حقیقی مسلمان کے دل میں خیال آ ہی نہیں سکتا کہ کوئی نازیبا کلمات ان کے بارے میں کہیں۔ بلکہ درود پڑھتے وقت بھی جب آل رسول پہ درود بھیجتے ہیں تو وہ لوگ فوراً سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ وہ صحابہ جنہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو نقصان سے بچانے کے لئے، ہر تکلیف سے بچانے کے لئے اپنے سینے آگے کر دیئے.... پس ایسے بزرگوں کی شان میں کسی قسم کے ایسے الفاظ کہنا جن سے ان کے مقام میں کسی بھی قسم کی کمی نظر آتی ہو ایک مسلمان کا، ایسے مسلمان کا کام نہیں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والا ہے..... پس آج ہمارا کام ہے کہ جب دنیا میں ایک دوسرے کے لئے نفرتوں کی دیواریں بلند ہو رہی ہیں۔ مسلمان کہلا کر پھر ایک دوسرے سے نفرت کے بیج بوئے جاتے ہیں تو یہ درُود پڑھیں، دعائیں کریں۔ ایک ہمدردی کے جذبے سے اُمّت محمدیہ کے لئے بھی دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی حقیقی رنگ میں درُود شریف کی پہچان کرنے والا بنائے تا کہ مسلمان رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح:30) کا حقیقی نظارہ دیکھیں۔ ان کے لئے دعائیں کرنا ہمارا فرض بھی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دُرود کی برکات اور اہل بیت سے تعلق کا جو ادراک ہمیں عطا فرمایا ہے وہ مَیں آپؑ کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ آپؑ نے ایک جگہ فرمایا کہ:

''ایک مرتبہ الہام ہوا، جس کے معنے یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادہ الٰہی احیاءِ دین کے لئے جوش میں ہے''۔ اللہ تعالیٰ دین کو دوبارہ زندگی دینا چاہتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جوش میں ہے ''لیکن ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص مُحْیِی کے تعین ظاہر نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ اختلاف میں ہے''۔ لیکن یہ نہیں پتہ لگ رہا کہ کس کے ذریعہ سے یہ زندگی دوبارہ پیدا کی جانی ہے تو ''اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ

لوگ ایک مُحْیِیْ کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارے سے اس نے کہا هٰذَا رَجُلٌ يُّحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبتِ رسول ہے"۔ یعنی اس عہدے کے لئے جو زندہ کرنے والا ہے سب سے بڑی شرط محبت کی ہے۔ جس نے مُحْیِیْ بننا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں سب سے زیادہ ہونا چاہئے۔ "سو وہ اس شخص میں متحقق ہے"۔ وہ اس شخص میں پائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کر کے فرشتوں نے کہا۔ فرماتے ہیں کہ "اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آلِ رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے"۔ یہ جس الہام کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے جو پہلے ہوا تھا، یہاں نہیں پڑھا گیا کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ۔ فرمایا کہ "اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آلِ رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے سو اس میں بھی یہی سِر ہے کہ افاضہ انوارِ الٰہی میں محبت اہلِ بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے اور جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہی طیّبین طاہرین کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے۔ اس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غیبتِ حسّ سے جو خفیف سے نشاء سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے یکدفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی جیسی بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے"۔ یہ کشفی حالت طاری ہوئی اور چند لوگوں کے چلنے کی وہ آواز آئی جو جوتی پہننے سے آتی ہے۔ "پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آ گئے۔ یعنی جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی و حسنین و فاطمہ زہرا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور ایک نے اُن میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادرِ مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی۔ جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے تالیف کیا ہے اور اب علیؓ وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 598-599 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

تو یہ سارے کشف اور الہام ہیں ایک تو اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسیح و مہدی ہونے کے مقام کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ یہ اسی دُرود کی وجہ سے تھا جو آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتے تھے۔ دوسرا آپ فرماتے ہیں کہ یہ جو الہام ہے۔ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ اس میں ایک راز یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے انوار سے فیض حاصل کرنا ہے تو اہل بیت سے محبت کرنا بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بننے کے لئے ان پاک اور مطہر لوگوں کی وراثت پانا بھی ضروری ہے۔ پس یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقرب بننے والا ان پاک اور مطہر وجودوں کے نقش قدم پہ چلے تو اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے کسی کو ہے ان محبت کرنے والوں کو اپنے قرب سے نوازتا ہے۔ پس یہ حقیقی محبت ہے کہ اپنے محبوب کے پیاروں سے بھی محبت ہو اور اگر اس نکتے کو مسلمان سمجھ لیں تو کبھی ایک دوسرے کے لئے نفرتوں کی دیواریں کھڑی نہ ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ نفرتوں کی دیواریں کھڑی کرنے والے جو علماء یا نام نہاد مولوی ہیں، اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اور اپنی اناؤں کی خاطر یہ دیواریں کھڑی کرتے ہیں۔ لیکن ان دیواروں کو کھڑا کرنے میں نام ان بزرگوں کا استعمال کرتے ہیں جو اپنی ساری زندگی رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ کی بہترین مثال بنے رہے۔ پس یہ عوام الناس کے لئے بھی سوچنے کا مقام ہے کہ آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے چلنے کی بجائے اپنی عقل کا استعمال کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے ہمیں جو دعائیں سکھائی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ان لوگوں کی محبت بھی مانگی ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت میں بڑھانے کا ذریعہ بنے جیسا کہ ایک دعا میں آپ نے یہ سکھایا کہ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یَنْفَعُنِیْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ۔

(ترمذی۔کتاب الدعوت باب 73/74 حدیث 3491)

کہ اے اللہ! عطا کر مجھے اپنی محبت اور اُس شخص کی محبت کہ میرے کام آئے اس کی محبت تیرے حضور۔ اور سب سے زیادہ کام آنے والی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ نفع دینے والی محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہے۔ اور یقیناً ان لوگوں سے بھی محبت اللہ تعالیٰ کا قرب دلاتی ہے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی۔ جہاں ہمارا کام یہ ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی اور ہر کام کی پیروی کریں وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جن سے آپؐ نے محبت کی ان سے ہم بھی محبت کریں۔ اور بے شمار روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی جسمانی اور روحانی آل سے محبت کی یعنی جسمانی آل سے جن کا روحانی تعلق بھی تھا اور ہے ان سے محبت کی وہاں صرف جو روحانی اولاد تھی، آپ کے ماننے والے تھے، صحابہ تھے، ان سے بھی محبت کی۔ اس کا اظہار اس سے ہوتا ہے کہ اُمّت کے جو لوگ درُود بھیجیں گے اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے گا اور اس پر آپ بے انتہا خوش ہیں۔ وہی نہیں جو اس وقت کے صحابہ تھے بلکہ تا قیامت آنے والے تمام وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کیونکہ ان سے رحمت کا سلوک فرمانا ہے تو اس بات سے آنحضرت کو بے انتہاء خوشی پہنچ رہی ہے اور خوشی تبھی پہنچتی ہے جب حقیقی محبت ہو... بہر حال ہمارا کام یہ ہے کہ ان کی بھلائی کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ مسلمان بھی سوچیں کہ کیا وجہ ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ جب آپس میں رحم اور ملاطفت کے نظارے نظر آتے تھے اور آج مختلف گروپوں سے، مختلف گروہوں سے، مختلف طبقوں سے نفرتوں کے لاوے ابلتے ہیں۔ کس کی نظر کھا گئی اس اُمّت کو؟ کہاں نافرمانی ہوگئی جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ سوچیں اور سوچیں تا کہ اسلام کا اصل حسن دنیا کو دکھا سکیں۔ اپنی کمزوریوں پر نظر کریں۔ پس پھر مَیں کہوں گا کہ آج کل ہم احمدیوں کو چاہئے کہ اس مہینے میں درود شریف بھی بہت پڑھیں۔ امت مسلمہ کو آپس کے لڑائی جھگڑوں، فتنوں اور فسادوں سے محفوظ رہنے کے لئے دعائیں بھی بہت کریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور اصحاب اور تمام ان لوگوں سے جن سے ہمارے محبوب آقا نے محبت کی، ایسی محبت کا اظہار کریں جو بے مثال ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جسمانی اولاد جس نے آپ سے روحانی رشتہ بھی قائم رکھا ہماری محبت کی یقیناً حقدار ہے اور بہت زیادہ حقدار ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"حسین رضی اللہ عنہ طاہر مطہر تھا اور بلاشبہ وہ ان برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرّہ کینہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر استقامت اور زہد اور

عبادت ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے... تباہ ہو گیا وہ دل جو اس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اس کی محبت ظاہر کرتا ہے"۔

(مجموعہ اشتہارات جلد2 صفحہ 654 اشتہار تبلیغ الحق 8 اکتوبر 1905ء)

پس یہ محبت ہے جو حضرت امام حسینؓ سے ہر احمدی کو کرنی چاہئے۔ جس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ اسی طرح صحابہؓ کا مقام بھی ہمارے دل میں قائم ہے۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کا مقام بھی ہمارے دلوں میں قائم ہے۔ یہ نہیں کہ ایک طرف محبت ہوئی اور دوسری طرف سے کم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرنے والوں سے ہمیں محبت کرنی ہے۔

پس ہمارے لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب پیارے ہی بہت پیارے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو بھی ہر قسم کے تفرقہ کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ آج بیرونی طور پر بھی مخالفت زوروں پر ہے۔ آج ہمیں ایک ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے کی ضرورت ہے.... اللہ تعالیٰ ہم احمدیوں کو بھی دعائیں کرنے کی توفیق دے۔ دُرود پڑھنے کی توفیق دے تاکہ دنیا کو اس تباہی سے بچانے والے بن سکیں۔ اللہ کرے کہ دنیا بھی اس حقیقت کو پہچانے اور تباہی سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ نیا چڑھنے والا سال جماعت احمدیہ پر جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا ہزاروں رحمتوں اور برکتوں کا سال بن کر چڑھے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس میں نئی سے نئی کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کرنے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو یہ سال ہر لحاظ سے مبارک کرے۔"

(خطبہ جمعہ 2/ جنوری 2009ء)

پھر آپ نے ایک موقع پر محرم میں درود پڑھنے کی طرف یوں توجہ دلائی۔

"آج کل، خاص طور پر اس مہینے میں اور ہمیشہ بھی جبکہ دشمنی بھی آج کل خاص طور پر پاکستان میں بھی اور دوسری جگہوں پہ بھی اپنے عروج پر اور زوروں پر ہے ہمیں چاہیے کہ دعاؤں پر بہت زور دیں۔ درود شریف پڑھنے پر بہت زور دیں اور جتنا اللہ تعالیٰ کے حضور ہم جھکیں گے اتنا ہی جلدی اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب کرے گا، کامیابی وکامرانی نصیب فرمائے گا۔ ان دنوں میں خاص طور پہ دوسرے مسلمانوں کے

لیے بھی دعا کریں۔ وہ مسلمان فرقے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے پر لگے ہوئے ہیں اور ان دنوں میں خاص طور پر جب دس محرّم آتی ہے تو تاریخ ابھی تک تو یہی بتا رہی ہے کہ کہیں نہ کہیں امام بارگاہوں پہ اور تعزیوں پہ یا مختلف جگہوں پہ حملے بھی ہوتے ہیں اور پھر کئی لوگوں کو شہید کیا جاتا ہے، دین کے نام پر شہید کیا جاتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 28/اگست 2020ء)

سامعین! ایک اور موقع پر احبابِ جماعت کو اپنے اعمال سے اہلِ بیت مَیں شامل ہونے اور محرم کے دنوں میں کثرت سے درود پڑھنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

"ہر احمدی، ہر مسلمان اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے والا ہے، آپ کے نور سے فیضیاب ہونے والا ہے، آپ کی حقیقی تعلیم پر عمل کرنے والا ہے تو آلِ محمدؐ میں اُس کا شمار ہو جائے گا۔ پس یہ وہ حقیقی طریق ہے جس پر ہر مسلمان کے لئے چلنا ضروری ہے کہ ہر بزرگ کے مقام کو پہچان کر اُس کی عزت کریں، اُس کا احترام کریں۔ آپس کے جھگڑوں اور فسادوں اور قتل و غارت گری کو ختم کریں ....احمدیوں کو بھی مَیں کہنا چاہوں گا کہ دوسرے مسلمان فرقے تو ایک دوسرے سے بدلے لیتے ہیں کہ اگر ایک نے حملہ کیا تو دوسرے نے بھی کر دیا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آکر باوجود تمام تر ظلموں کے جو یہ تمام فرقے اکٹھے ہو کر ہم پر کر رہے ہیں، ہمارے ذہنوں میں کبھی بھی بدلے کا خیال نہیں آنا چاہئے۔ ہاں کسی بات کی اگر ضرورت ہے تو یہ کہ ہم میں سے ہر ایک ہر ظلم کے بعد نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرے اور پہلے سے بڑھ کر خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے دعاؤں میں لگ جائے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قربانی کا جو عملی نمونہ ہمارے سامنے قائم فرمایا ہے وہ ہمارے لئے رہنما ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ایک شعر میں جماعت کو اس طرح نصیحت فرمائی ہے کہ

وہ تم کو حسین بناتے ہیں اور آپ یزیدی بنتے ہیں
یہ کیا ہی سستا سودا ہے دشمن کو تیر چلانے دو

پس حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ سرداران بہشت میں سے ہیں، ہمیں صبر واستقامت کا سبق دے کر ہمیں جنت کے راستے دکھا دیئے۔ ان دنوں میں یعنی محرم کے مہینہ میں خاص طور پر جہاں اپنے لئے صبر واستقامت کی ہر احمدی دعا کرے، وہاں دشمن کے شر سے بچنے کے لئے رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ کی دعا بھی بہت پڑھیں۔ پہلے بھی بتایا تھا کہ ہمیں یہ دعا محفوظ رہنے کے لئے پڑھنے کی بہت ضرورت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ کی دعا بھی بہت پڑھیں۔ درود شریف پڑھنے کے لئے میں نے گزشتہ جمعہ میں بھی کہا تھا پہلے بھی کہتا رہتا ہوں کہ اس طرف بہت توجہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ دشمن جو ہمارے خلاف منصوبہ بندیاں کر رہا ہے اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید و نصرت فرمائے اور ہم پر رحم کرتے ہوئے دشمنانِ احمدیت کے ہر شر سے ہر فردِ جماعت کو اور جماعت کو محفوظ رکھے۔ ان کا ہر شر اور منصوبہ جو جماعت کے خلاف یہ بناتے رہتے ہیں یا بنا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہی پر الٹائے۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی آل میں شامل فرمائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اصل مقام روحانی آل کا ہے۔ اگر جسمانی رشتہ بھی قائم رہے تو یہ تو ایک انعام ہے۔ لیکن اگر جسمانی آل تو ہو لیکن روحانی آل کا مقام حاصل کرنے کی یہ جسمانی آل اولاد کوشش نہ کرے تو کبھی اُن برکات سے فیضیاب نہیں ہو سکتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے منسلک ہونے سے اللہ تعالیٰ نے دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

پس ہمیں ہر وقت اپنے جائزے لیتے رہنے کی ضرورت ہے۔ جب بھی درود شریف پڑھیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس حد تک اس درود سے فیضیاب ہونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ کس حد تک زمانے کے امام کی بیعت میں آ کر قرآنِ کریم کی حکومت اپنے سر پر قبول کرنے والے ہیں۔ اللہ کرے کہ بزرگوں کے مقام کے یہ ذکر اور مخالفینِ احمدیت کی ہم پر سختیاں اور ظلم اور بعض حکومتوں کا ہم پر ان ظلموں کا حصہ بننا ہمیں پہلے سے بڑھ

کر خدا تعالیٰ کا قرب دلانے والا ہو۔ ہماری قربانیاں سعید فطرت لوگوں کو احمدیت کی آغوش میں لانے والی ہوں اور ہم احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی فتوحات کے نظارے دیکھنے والے ہوں۔“

(خطبہ جمعہ 23/ نومبر 2012ء)

احادیث میں درود شریف پڑھنے کی اہمیت

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسینؓ کی عظیم الشان قربانی ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر درود بھیجیں اور اس مہینہ کو درود سے معطر کر دیں۔ احادیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی بے شمار برکات بیان کی گئی ہیں۔ جن کا کچھ ذکر مَیں اوپر کر آیا ہوں۔ سب سے زیادہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر درود بھیجنے کی گواہی قرآن کریم میں دی ہے اور ساتھ ہی ہمیں بھی ہدایت کی ہے کہ مسلمان بھی کثرت سے درود شریف پڑھیں۔ اس طرح احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے لوگوں میں سب سے زیادہ قریب وہ ہو گا جو مجھ پر سب سے زیادہ صلاۃ درود بھیجے گا۔

(سنن ترمذی أبواب الوتر مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں محرم کے مہینہ میں کثرت سے دعائیں کرنے کی توفیق عطا کرے اور قرآن کریم اور احایث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر کثرت سے درود بھیجنے کی توفیق ملے۔ آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

﴿50﴾ ﴿مشاہدات۔534﴾

وصالُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران:145)

محمد نہیں ہے مگر ایک رسول۔ یقیناً اس سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔ پس کیا اگر یہ بھی وفات پا جائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو وہ ہر گز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ یقیناً شکر گزاروں کو جزا دے گا۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَآءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

(قصیدہ حسان بن ثابت)

اے خدا کے پیارے رسول! تُو میری آنکھ کی پُتلی تھا جو آج تیری وفات کی وجہ سے اندھی ہو گئی ہے۔ اب تیرے بعد جو چاہے مرے مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا جو واقع ہو گئی۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا عنوان ہے ”وصالُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم“

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اُس سال ہوئی جب خانہ کعبہ پر ابرہہ نے حملہ کیا اور جو سال فیل کہلاتا ہے۔ تحقیق کے مطابق یہ سن 571ء تھا اور 20 اپریل اور اسلامی کیلنڈر کے مطابق 9 ربیع الاوّل کی تاریخ تھی۔ بعض مؤرخین کے نزدیک یہ تاریخ 12 ربیع الاوّل بنتی

ہے۔ ہاں ہاں وہی ماہ ربیع الاوّل جس میں 63 برس پہلے نبی رحمت کی ولادتِ باسعادت کی وجہ سے اس جہانِ رنگ وبو میں بہار آئی تھی مگر اب کا ماہ ربیع الاوّل مژدۂ بہار نہیں بلکہ پیغامِ خزاں لے کر آیا تھا۔ اس ماہ کے شروع ہونے سے پہلے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تھے۔

سامعین! پچیس ذیقعد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے۔ اس حج میں آپؐ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان اور آپؐ کی ازواج مطہرات بھی شامل تھیں۔ وہ مکہ جس کی وادیوں سے یہ آواز آئی تھی کہ اللہ ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمدؐ اُس کے رسول ہیں اور پھر آپؐ کو انہی وادیوں میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ آج اُسی مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہزاروں پرستاروں کے ساتھ حج کے لیے تشریف لا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی وفات کے اشارے بھی مِل چکے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ ”جبریل ہمیشہ رمضان میں ایک مرتبہ مجھ سے قرآن شریف کا دَور کیا کرتے تھے لیکن اِس سال دو مرتبہ کیا اور مَیں جانتا ہوں کہ یہ اِس لیے ہوا ہے کہ میری وفات قریب ہی ہونے والی ہے۔“

(بخاری فضائل القرآن)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وحی بھی ہو چکی تھی کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ:4) یعنی آج مَیں نے دین تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس موقع پر اپنی اونٹنی نمرہ پر سوار کر خطبہ ارشاد فرمایا جو کہ خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں آپؐ نے فرمایا کہ میری باتوں کو غور سے سنو کیونکہ مَیں نہیں جانتا کہ اِس سال کے بعد پھر بھی اس موقع پر تم سے مِل سکوں گا یا نہیں اور اس کے بعد آپؐ نے تمام لوگوں کو وہ نصیحتیں فرمائیں جو آج بھی مسلمانانِ عالم کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خطبہ کے آخر میں سب سے پوچھا کہ اللہ کو گواہ رکھ کر بتاؤ کہ کیا مَیں نے اللہ کا پیغام پوری دنیا کو پہنچا دیا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ”ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔“ پھر آپؐ نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور تین بار دہرایا کہ ”اے خدا! گواہ رہنا مَیں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے“

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حج سے واپس تشریف لائے تو مسلسل محنت اور تھکان سے محرم کے مہینے میں آپؐ کو بخار ہو گیا۔ لیکن اِس حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقاتیں جاری رکھیں۔ اسی دوران نخع از یمن سے بھی ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آیا تھا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے والا آخری وفد تھا۔ ابھی طبیعت خراب ہی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے قبرستان تشریف لے گئے اور وہاں کے مدفون مسلمانوں کے لیے دُعا فرمائی اور پھر مقامِ اُحد پر تشریف لے گئے اور شہدائے اُحد کے لیے دعا فرمائی۔ واپس تشریف لائے تو آپؐ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ حضرت اُسامہؓ آپؐ کے پاس ٹھہر گئے تھے۔

سامعین! جب بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باقی ازواج مطہرات سے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رہنے کی اجازت چاہی۔ روایت میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے تو کمزوری کی وجہ سے اپنی ٹانگوں پر پورا بوجھ نہ ڈال سکتے تھے۔ آپؐ نے دو صحابہ کا سہارا لیا ہوا تھا۔

(بخاری و مسلم)

حضرت فاطمہؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دفعہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخار کی شدت سے بیہوش ہو گئے تو حضرت فاطمہؓ کے منہ سے نکلا ”اُف! میرے باپ کی تکلیف“ آپؐ نے فرمایا تیرے باپ کو اس کے بعد تکلیف نہ ہو گی۔

(صحیح بخاری)

جب آپؐ علیل تھے تو ایک دن حضرت فاطمہؓ خبر گیری کے لئے تشریف لائیں۔

رسول کریمؐ نے نہایت شفقت سے آپؓ کو اپنے پاس بٹھایا اور کان میں کوئی بات کی تو وہ رو پڑیں۔ پھر دوبارہ کچھ آپؓ کے کان میں فرمایا تو آپؓ ہنسیں۔ حضرت عائشہؓ نے آپؓ سے اس طرح رونے اور پھر ہنسنے کی وجہ پوچھی تو آپؓ نے فرمایا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری موت قریب ہے، مَیں روئی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے میرا ساتھ دو گی۔ تب مَیں ہنسی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس بات پر ہنسیں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریم بنت عمران کے بعد تم اہلِ جنّت کی عورتوں کی سردار ہو گی۔

ایک روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید تکلیف کو دیکھ کر حضرت فاطمہؓ سینۂ مبارک سے لپٹ کر رونے لگیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ بیٹی رو نہیں، مَیں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہنا، یہی ہر فرد کے لئے ذریعۂ تسکین ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے پوچھا: 'آپ کے لئے بھی؟ فرمایا: ہاں! اسی میں میری تسکین مضمر ہے۔

سامعین! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری کے دوران بھی کچھ دن تکلیف اٹھا کر مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے لیکن جب آخر میں مسجد آنے کی طاقت نہ رہی تو حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا: ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں نے عرض کیا: حضرت ابو بکرؓ جب آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو وہ رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہ سکیں گے۔ اس لیے آپؐ حضرت عمرؓ کو کہیں کہ وہ لوگوں کو نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں مَیں نے پھر حضرت حفصہؓ سے کہا کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ حضرت ابو بکرؓ جب آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو سنا نہیں سکیں گے۔ اس لیے آپؐ حضرت عمرؓ سے کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت حفصہؓ نے ایسا ہی کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے کہ خاموش رہو۔ تم تو یوسف والی عورتیں ہو۔ ابو بکرؓ سے کہو وہی لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب اھل العلم و الفضل احق بالامانۃ حدیث 679)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران اور آپؐ کی وفات تک حضرت ابو بکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس لیے وہ انہیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ عروہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں کچھ آرام محسوس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر

مسجد میں تشریف لائے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ آگے کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کو دیکھا تو پیچھے ہٹے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر ہی رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے برابر ان کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے اور لوگ حضرت ابو بکرؓ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب من قام الی جنب الامام لعلة... حدیث 683)

حضرت مصلح موعودؓ اسی روایت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو بوجہ سخت ضعف کے نماز پڑھانے پر قادر نہ تھے اس لیے آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھانی شروع کی تو آپؐ نے کچھ آرام محسوس کیا اور نماز کے لیے نکلے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دینے کے بعد جب نماز شروع ہو گئی تو آپؐ نے مرض میں کچھ خفت محسوس کی۔ پس آپؐ نکلے کہ دو آدمی آپؐ کو سہارا دے کر لے جا رہے تھے۔" کہتی ہیں کہ "اور اس وقت میری آنکھوں کے سامنے وہ نظارہ ہے کہ شدتِ درد کی وجہ سے آپؐ کے قدم زمین سے چھوتے جاتے تھے۔ آپؐ کو دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ اس ارادہ کو معلوم کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔ پھر آپؐ کو وہاں لایا گیا اور آپؐ حضرت ابو بکرؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رسول کریمؐ نے نماز پڑھنی شروع کی اور حضرت ابو بکرؓ نے آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کی اور باقی لوگ حضرت ابو بکرؓ کی نماز کی اتباع کرنے لگے۔"

(سیرۃ النبیؐ، انوار العلوم جلد 1 صفحہ 506-507)

سامعین کرام! مرض بڑھتا گیا اور آخر وہ وقت آ ہی گیا جب رسولِ خداؐ کی روح دنیا کو چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی کے آگے حاضر ہونے والی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سانس تیز ہونے لگا اور سانس میں تکلیف محسوس ہونے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میرا سر اٹھا کر اپنے سینہ کے ساتھ رکھ لو کیونکہ لیٹے لیٹے سانس نہیں لیا جاتا۔ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کا سر اُٹھا کر اپنے سینہ کے

ساتھ لگالیا اور آپؐ کو سہارا دے کر بیٹھ گئیں۔ موت کی تکلیف آپؐ پر طاری تھی۔ آپؐ گھبراہٹ سے بیٹھے بیٹھے کبھی اس پہلو پر جھکتے اور کبھی اُس پہلو پر اور فرماتے تھے۔ ”خدا بُرا کرے یہود و نصاریٰ کا کہ انہوں نے اپنے نبیوں کے مرنے کے بعد اُن کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔“

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی و وفاتہ)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری الفاظ تھے۔ یہ کہتے کہتے آپؐ کی آنکھیں چڑھ گئیں اور آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے اِلَی الرَّفِیْقِ الاَعْلَی ،اِلَی الرَّفِیْقِ الاَعْلَی مَیں عرش معلّی پر بیٹھنے والے اپنے مہربان دوست کی طرف جاتا ہوں۔ یہ کہتے کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس جسم سے جُدا ہو گئی۔

(نبیوں کا سردارؐ از حضرت مرزا بشیر الدین محمودؓ صفحہ 224-225)

حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ اس وقت سُنُح میں تھے یعنی سُنُح مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو حضرت ابو بکرؓ تو وہاں تھے نہیں حضرت عمرؓ موجود تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی بات آئی تھی کہ اللہ آپؐ کو ضرور ضرور اٹھائے گا تا بعض آدمیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آ گئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور آپؐ کو بوسہ دیا اور کہنے لگے میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ آپؐ زندگی میں بھی اور موت کے وقت بھی پاک وصاف ہیں۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ آپؐ کو کبھی دو موتیں نہیں دکھائے گا۔ یہ کہہ کر حضرت ابو بکرؓ باہر چلے گئے اور کہنے لگے اے قسم کھانے والے! ٹھہر جا۔ یعنی حضرت عمرؓ کو کہا کہ ٹھہر جاؤ۔ جب حضرت ابو بکرؓ بولنے لگے تو حضرت عمرؓ بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حمد و ثنا بیان کی اور کہا۔ أَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔ دیکھو! جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا سن لے کہ محمد تو یقیناً فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ کو پوجتا تھا اسے یاد رہے کہ اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا اور حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (الزمر:31) تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔

پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْــــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران:145) کہ محمد صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں تو پھر کیا اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کو ہر گز نقصان نہ پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو بدلہ دے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر لوگ اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

(صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب النبیؐ اب قول النبیؐ لوکنت متخذا خلیلا)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

"حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ جس وقت ابو بکرؓ نے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ والی آیت پڑھنی شروع کی تو میرے ہوش درست ہونے شروع ہوئے۔ اس آیت کے ختم کرنے تک میری روحانی آنکھیں کھُل گئیں اور مَیں سمجھ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ میں فوت ہو گئے ہیں۔ تب میرے گھٹنے کانپ گئے اور مَیں نڈھال ہو کر زمین پر گر گیا۔ وہ شخص جو تلوار سے ابو بکرؓ کو مارنا چاہتا تھا وہ اب ابو بکرؓ کے صداقت بھرے لفظوں کے ساتھ خود قتل ہو گیا۔ صحابہ کہتے ہیں اس وقت ہمیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت ہمیں بھول ہی گئی تھی۔ اس وقت حسان بن ثابت جو مدینہ کے ایک بہت بڑے شاعر تھے یہ شعر کہا

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِيْ فَعَمِيَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَآءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

کہ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ آج تیرے مرنے سے میری آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اب تیرے مرنے کے بعد کوئی مرے۔ میرا باپ مرے، میرا بھائی مرے، میرا بیٹا مرے، میری بیوی مرے۔ مجھے اُن میں سے کسی کی موت کی پرواہ نہیں۔ میں تو تیری موت سے ڈرا کرتا تھا۔

یہ شعر ہر مسلمان کے دل کی آواز تھا۔ اس کے بعد کئی دنوں تک مدینہ کی گلیوں میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مسلمان بچے یہی شعر پڑھتے پھرتے تھے۔

(نبیوں کا سردارؐ از حضرت مرزا بشیر الدین محمودؓ صفحہ 227)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

"کتبِ احادیث اور تواریخ میں یہ روایت درج ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صحابہؓ پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ گھبرا گئے اور بعض سے تو بولا بھی نہ جاتا تھا اور بعض سے چلا بھی نہ جاتا تھا اور بعض اپنے حواس اور اپنی عقل کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بعض پر تو اس صدمہ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ چند دن میں گھل گھل کر فوت ہو گئے۔"

(دعوۃ الامیر، انوار العلوم جلد 7 صفحہ 345)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"کامیابی اور خوشی کی موت تمام نبیوں سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ موسیٰؑ بھی کامیاب ہوئے لیکن موت نے اُن کو سفر میں ہی آگھیرا۔ دل میں تمنا ہو گی کہ اس سرزمین میں پہنچوں مگر وہ پوری نہ ہوئی۔ مسیح کی موت پر خیال کیا جاوے تو اس میں غائت درجہ کی ناکامی ہے۔ کُل بارہ حواری تھے کسی کو بہشت کی کنجیاں ملنے کا وعدہ کیا تھا وہ نہ ملیں..... خوشی اور کامیابی کی موت نصیب نہ ہوئی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں آنا اور پھر وہاں سے رخصت ہونا قطعی دلیل آپ کی نبوت پر ہے۔ آئے آپؐ اُس وقت جبکہ زمانہ ظهر الفساد فی البرّ و البحر کا مصداق تھا اور ضرورت ایک نبی کی تھی۔ ضرورت پر آنا بھی ایک دلیل ہے اور آپ اس وقت دنیا سے رخصت ہوئے جب اذا جاء نصر اللّٰہ کا آوازہ دیا گیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے آپ کس قدر عظیم الشان کامیابی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 46-47 ایڈیشن 1984ء)

سامعین! حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں :

”آپؐ کی زندگی کا ہر عمل، ہر فعل، آپؐ کی زندگی کا پل پل اور لمحہ لمحہ اس بات کا گواہ ہے کہ آپؐ مجسم رحم تھے اور آپ کے سینے میں وہ دل دھڑک رہا تھا کہ جس سے بڑھ کر کوئی دل رحم کے وہ اعلیٰ معیار اور تقاضے پورے نہیں کر سکتا جو آپؐ نے کئے، امن میں بھی اور جنگ میں بھی، گھر میں بھی اور باہر بھی، روزمرہ کے معمولات میں بھی اور دوسرے مذاہب والوں سے کئے گئے معاہدات میں بھی۔ آپؐ نے آزادیِ ضمیر، مذہب اور رواداری کے معیار قائم کرنے کی مثالیں قائم کر دیں اور پھر جب عظیم فاتح کی حیثیت سے مکّہ میں داخل ہوئے تو جہاں مفتوح قوم سے معافی اور رحم کا سلوک کیا، وہاں مذہب کی آزادی کا بھی پورا حق دیا .....ہزاروں دُرود اور سلام ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے اپنے یہ اعلیٰ نمونے قائم فرمائے اور ہمیں بھی اس کی تعلیم عطا فرمائی۔“

(خطبہ جمعہ 10، مارچ 2006ء)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)